

سوشلزم یا اسلام

نور محمد

مکتبہ خیرات لاہور

سوشلزم یا اسلام

نور شید احمد



مکتبہ حیرانِ غراہ کراچی

(جراح حق سبحی نامہ محفوظ ہے)



طابع :	سید کاظم علی
ناشر :	مکتبہ چسراغ راہ کراچی
مطبع :	پیشہ ورانہ پرنٹنگ پریس
قیمت :	اسلامی اکادمی
تعداد :	۱۰۰۰ نمبر لاہور پاکستان
	میں ہزار

فہرست مندرجات

۹	پیرایہ آغاز
۱۶	سوشلزم یا اسلام
۱۸	سوشلزم کیا ہے؟
۱۸	سوشلزم کی تعریف کا تعین
۲۰	سوشلزم کا ارتقاء
۲۱	سوشلزم۔ ایک ہمرگر نظام
۲۴	مارکسزم کیا ہے؟
۴۶	سوشلزم اور کمیونزم میں فرق
۵۷	سوشلزم کو جاننے کے معیار
۵۹	اشتراکیت کے مثبت پہلو
۶۲	نظام سرمایہ داری کے سائنسی مطالعہ کا آغاز
۶۲	نظام سرمایہ داری کی اصلاح
۶۳	علیٰ خدمات
۶۳	انقلابی قوت
۶۸	اشتراکی مالکیت

۶۸	سماشی تجربے
۷۰	اشتراکیت کی اخلاقی دلیل
۷۱	اشتراکیت کی نظری الجھنیں
۷۷	اشتراکیت کی اصل ناکامی
۷۹	فرد کی نفی
۸۱	غیر اخلاقی ذرائع کا جواز
۸۴	اشتراک کی سماج کی مثال
۸۵	قسطہ کا استعمال
۸۶	عمدوں کا استحصال
۸۸	بچوں کا استحصال
۸۹	مزدوروں کا استحصال
۹۰	غیر انسانی ترجیحات
۹۲	مزدوروں کی حق تلفی
۹۵	پڑتال کے حق کا خاتمہ
۹۶	جبری محنت
۹۹	حقوق انکسایب
۱۰۳	اشتراک کی سماج میں داخلی کش مکش
۱۱۲	بنیادی انسانی حقوق کا احکام
۱۱۵	خاندانی نظام کا خاتمہ

- ۱۱۸ اشتراک موقع پرستی کی چند مثالیں
- ۱۲۵ اشتراکیت اور معاشی مسئلہ
- ۱۲۹ انسانی نقطہ نظر سے
- ۱۳۱ کیا اشتراکیت کوئی معاشی پروگرام دیتی ہے؟
- ۱۳۳ کیا اشتراکیت کی عملی مثال کوئی نمونہ بن سکتی ہے؟
- ۱۴۸ روس کی معاشی ترقی
- ۱۴۸ اشتراک کی نقطہ نظر
- ۱۵۲ کچھ روسی اعداد و شمار کے بارے میں
- ۱۶۳ روس کی رفتار ترقی
- ۱۶۹ روس اور دوسرے ممالک کی ترقی:
- ۱۷۷ کتابی مطالعہ
- ۱۷۷ موازنہ کے چند اور پہلو
- ۱۸۸ روس کی معاشی ترقی میں اشتراکیت کا حصہ
- ۱۸۸ ترقی وسائل کی بہتات
- ۱۸۹ صنعتیت کا آغاز
- ۱۹۲ ترقی کے امکانات
- ۱۹۵ ترقی کا سرمایہ دارانہ اسلوب
- ۱۹۹ اُجرتوں میں تفاوت
- ۲۰۸ کسانوں اور مزدوروں کا استحصال
- ۲۱۱ جبری محنت اور بیگار

- ۲۱۳ بیرونی امداد
- ۲۱۶ معاشی ترقی کے استعماری طریقے
- ۲۱۹ اشتراکیت کا سماجی جغرافیہ
- ۲۲۷ معاشی ترقی کی قیمت
- ۲۲۷ انفرادی آزادی کا خاتمہ
- ۲۲۹ سیاسی مصلحت پسندی
- ۲۲۹ کلینت پسندی
- ۲۲۹ اشیائے صرف کی کمی
- ۲۳۲ پست کوالٹی
- ۲۳۹ غیر متصفانہ نظام محاصل
- ۲۴۷ زرعی میدان میں ناکامی
- ۲۴۹ بیوردگریسی کا عروج
- ۲۴۳ معاشی استحکام اور سماجی فلاح
- ۲۴۳ انصاف اور عدم استحکام
- ۲۴۸ سماجی انصاف
- ۲۵۷ اشتراکیت اور آج کے ترقی پذیر ممالک
- ۲۵۷ معاشی ترقی کی حقیقت
- ۲۵۹ معاشی ترقی کا اشتراکی اسلوب
- ۲۶۱ اشتراکیت اور ترقی پذیر ممالک

- ۲۶۷ مارکسی اشتراکیت اور روسی اشتراکیت
- ۲۶۷ اشتراکی اصول انقلاب کی تردید
- ۲۶۹ قومی ملکیت اور ذاتی ملکیت
- ۲۷۱ غیر کسبی آمدنیوں کا رواج
- ۲۷۵ محنت کا استحصال
- ۲۷۹ طبقاتی استحصال
- ۲۷۸ مابو اسطوٹیکس
- ۲۷۸ معاشی محرکات
- ۲۷۹ قوم پرستی کا احیاء
- ۲۸۵ سیاسی موقع پرستی
- ۲۸۹ تازہ ارتداد
- ۳۰۰ اشتراکیت اور اسلام
- ۳۰۳ اختلافات کے چند بنیادی پہلو
- ۳۱۳ سوشلزم یا اسلام
- ۳۱۴ اسلام — ایک جامع اور ہمہ گیر نظام
- ۳۱۵ — فطری نظام
- ۳۱۶ — احترام آدمی
- ۳۱۷ — انفرادی حقوق کی ضمانت
- ۳۱۹ — اخلاق کی مرکزی حیثیت

- ۳۲۰ — تراژن و اعتدال کی راہ
- ۳۲۰ — تقویٰ اور جہاد کا قصہ
- ۳۲۱ — مالگیر تہذیب
- ۳۲۲ — تعلیم و اصلاحی نظام
- ۳۲۳ — ثبات اور تغیر
- ۳۲۳ — اسلام کا معاشی نظام
- ۳۲۴ — اسلام اور سرمایہ داری
- ۳۲۸ — اسلام اور کثرت پسندی
-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیرایہ آغاز

اس وقت پوری اسلامی دنیا میں، اور خود پاکستان میں، سوشلزم موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ ایک گروہ سوشلزم کے مبلغ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ کچھ دوسرے لوگ سوشلزم اور اسلام کا ایک مرکب بنانا چاہتے ہیں اور وہ اسلامی سوشلزم کی بات کر رہے ہیں۔ یہ آوازیں مختلف سمتوں سے اٹھ رہی ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اصل مسئلہ کا خالص علمی انداز میں تحقیقی دیانت کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور جو راستہ بھی اختیار کیا جائے سوچ سمجھ کر اختیار کیا جائے۔

جو لوگ سوشلزم کی بات کر رہے ہیں اگر ان کے افکار و آراء کا تجزیہ کیا جائے تو ان کو مندرجہ ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وہ حضرات جنہوں نے اشتراکیت کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اشتراکیت کے سوا کوئی اور نظریہ یا مذہب آج کی دنیا کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہ حضرات اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان کی نگاہ میں مذہب کو مٹا دینا چاہیے یا کم از کم نظر انداز کر دینا چاہئے اور سماجی تعمیر اشتراکی اصولوں کے مطابق ہونی چاہئے۔ اپنی بات اتنے مکمل کر کے کہ ان کی اخلاقی جرات کم ہی

لوگوں میں ہے۔ لیکن یہ گروہ بھی مسلمان ملک میں موجود ہے، مگر معمولی اقلیت میں ہے۔

دب، وہ حضرات جن کے دل وہ مانع اشتراکیت کو قبول کر چکے ہیں لیکن وہ اشتراکیت کی بات کھلے عام کرنا قریبی مصلحت نہیں سمجھتے۔ اس لیے اس پر اسلامی سوشلزم کا بیبل لگاتے ہیں تاکہ اس قوم کے لیے اشتراکیت قابل قبول ہو جائے۔ جو لوگ بائیں پرچہ کر یہ کام کر رہے ہیں وہ بھی ہیں تو دراصل زمرہ داعی، یہی سے متعلق، لیکن اختلافی جراثیم کی کسی کے باعث کڑوی گولی پر شکر کی تر جمانے کا کام کر رہے ہیں۔

دج، وہ حضرات جنہوں نے اشتراکیت کو ضرور فکروں کے بعد قبول نہیں کیا ہے بلکہ محض فیشن ہونے کی وجہ سے اختیار کر لیا ہے۔ ان کا مطالعہ بہت کم اور معلومات بہت نامکمل ہیں۔ یہ نہ اشتراکیت کی بنیادوں سے واقف ہیں، نہ اس کے نظام کار سے اور نہ ہی ان نتائج سے جو اشتراکیت کا تجربہ پیدا کر چکا ہے۔

دڈ، اوپر کے گروہ دج، میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اخلاص کے ساتھ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اشتراکیت میں خیر ہے اور وہ اسلام سے متصادم نہیں۔ اس لیے دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ ان کا یہ خیال اس وجہ سے بھی ہے کہ وہ اشتراکیت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ ان میں سے کچھ کا تصور مذہب وہی روایتی تصور ہے۔ یعنی مذہب نماز روزہ سے عبادت ہے اور اجتماعی زندگی کے باقی تمام امور وقت کے تصورات کے مطابق طے کئے جاسکتے ہیں۔

(د) ایک بڑا گروہ ہے جسے اشتراکیت سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ اس کے بارے میں اخباروں میں مقبوضا بہت دیکھا ہے اور اڑتی اڑاتی باتیں سنتی ہیں۔ لیکن اس نظریے کے ضروری پہلوؤں سے وہ کا حق واقف نہیں ہے۔ وہ ابھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہے، لیکن کوئی راستے قائم ضرور کرنا چاہتا ہے۔

ان میں سے ہر گروہ کے اپنے مسائل اور نفسیات ہیں۔ اس کتاب میں ہمارے مخاطب یہ تمام ہی لوگ ہیں،

(الف) اور دب، میں بیان کئے ہوئے حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کے مضامین پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور مٹ دھرمی کی رنگ حسی پرستی کی روش اختیار نہ کریں۔ وہ صرف دلیل کی زبان کو زنی دیں اور جس چیز پر دل و دماغ مطمئن ہو جائیں اسے قبول کر لیں۔ اگر آپ دلیل سے اپنی کوئی رائے بدل دیتے ہیں تو یہ تمہاری مزاحمت نہیں حق دوستی ہے۔ (د) (دھ) میں بیان کئے ہوئے مجاہدین سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اشتراکیت کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اس کے بارے میں راستے قائم کریں۔ محض کچھ مقامات پر کسی چیز کا پس منظر اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہے۔ محض نعرہ بازی اور فیشن پرستی میں نہ نظریات کو قبول کیا جاتا ہے اور نہ روئے یہ کام تحقیقی مطالعہ اور ٹھنڈے سوچ بچار سے جو ناپا جتنے اور ہم ان کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ جو دلیل کا مقابلہ کر سکتا ہو وہ بڑا دل ہے، جو دلیل کے آگے سر تسلیم خم نہ کر دے وہ بے وقوف ہے اور جو دلیل کی زبان سمجھنے کا اہل ہی نہ ہو وہ احمق ہے۔ ہم ان سب گروہوں کو دعوت دیتے ہیں کہ

ہند بائیت سے بند ہو کر خالص استدلالی سطح پر اس مسئلہ پر خود کریں۔ یہاں جو کچھ پیش کیا گیا ہے۔ وہ دلیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، ناقابل انکار شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اور دلیل کا جواب دلیل سے دینے اور علی مجاہد کرنے کے لیے ہم ہر وقت تیار ہیں۔ اس میں علم کی ترقی ہے اور ذہن کی زندگی کا راز مضمر ہے۔

①

یہاں ہم ایک امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ جنہیں اشتراکیت سے نہ معلوم کس قسم کی دلچسپی ہے، یہ شوشہ چھوڑتے ہیں کہ اشتراکیت پر تنقید سے اشتراک ملک سے پاکستان کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے۔ یہ بات نہ صرف سطحی اور بے حقیقت ہے بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں ذہن میں رہیں تو بہتر ہے۔

۱۔ اشتراکیت، سرمایہ داری، جمہوریت، فسطائیت، مغربییت، صنعتیت، یرب مناعت، فوج کے نظریات ہیں اور ان کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ ایک خالص علمی کام ہے۔ اس کا کوئی تعلق تعلقات خارجہ سے نہیں۔ دنیا کے سارے ملک میں مختلف نظاموں اور نظریات کا تنقیدی مطالعہ ہوتا ہے اور کوئی صاحب ہوش اسے تعلقات خارجہ کا مسئلہ نہیں بناتا۔ جدید ہے کہ غائب کے باب میں بھی جہاں ہند بات سب سے زیادہ نازک ہوتے ہیں، کبھی سفارتی تعلقات کا ڈھول نہیں پٹایا جاتا۔ جس زمانے میں ہمارے تعلقات امریکہ سے نہایت گہرے تھے، اس زمانے میں بھی ہم نے سرمایہ داری پر کوئی تنقید کی ہے، لاہور میں جمہوریت کی دھجیاں بکھیری ہیں لیکن تعلقات خارجہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اب اگر اشتراک ملک سے ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ تو اس کے

یہ معنی نہیں ہیں کہ اشتراکیت کا علمی محاسبہ نہ کیا جائے، سوال یہ ہے کہ خود مغربی اور اشتراکی ممالک میں اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا ہے، اور علمی انداز میں یا تحقیقی طریقہ پر نہیں بلکہ علمی اور بازاری انداز میں لکھا جاتا ہے اس نے آج تک مسلمان ملکوں سے ان کے سفارتی تعلقات کو متاثر کیوں نہیں کیا؟ ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ امریکہ میں اشتراکیت کے خلاف سب سے زیادہ کام ہو رہا ہے اور صدر یہ ہے کہ ان کی چند یونیورسٹیوں میں تو اشتراکیت کا مطالعہ تک ممنوع ہے، لیکن اس کے باوجود روس اور امریکہ کے نہ صرف یہ کہ سفارتی تعلقات ہیں بلکہ اشتراکیت پانچ چھ سال سے بین الاقوامی امور پر ان دونوں کا اتحاد و اشتراک بڑھتا جا رہا ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے کئی ممالک ایسے ہیں جہاں اشتراک پارٹی اور اشتراک کی فکر پر قانونی پابندی رہی ہے۔ لیکن روس سے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات دوستانہ تھے، بلکہ معاشی تعاون اور مالی امداد تک کا سلسلہ جاری تھا۔

۲۔ ہر ایک اصولی بات یہ سامنے رہنی چاہیے کہ مغربی ممالک سے دوستی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے نظام تمدنی اور نظریہ حیات کو بھی ہم قبول کر لیں یا اس کا تنقیدی مطالعہ ترک کر دیں۔ اسی طرح اشتراکی ممالک سے دوستی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اشتراکیت کے کام لیں ہی جاتیں۔ سفارتی تعلقات ایک چیز ہیں اور نظریاتی الحاق اور تمدنی امور میں لیں دیں بالکل جدا چیز۔ ان دونوں میں خلط مبعوث وہی لوگ کرتے ہیں جن کا یا کوئی مخصوص مفاد سمجھ اور یا جو عینی قومی سیاست کے مفادات سے بھی واقف نہیں ہیں۔

۳۔ ایک اور بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ایک ملک کی خارجہ پالیسی کا انحصار

کئی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اس کا اپنا نظریہ حیات اور اس کا قی مفاد۔ اگر ان دونوں کو خارجہ تعلقات کے نام پر سمیٹ چڑھایا جاسکتا ہو تو پھر ایسے تعلقات کا کیا فائدہ؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اشتراکیت پر تنقید سے اشتراک مالک سے تعلقات خراب ہو جائیں گے، کیا انہوں نے یہ غور کیا ہے کہ اس میں کیا بات مندرجہ ہے؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اشتراک مالک کے تعلقات کی قیمت ہم کو یہ اور کرنی چاہیے کہ اپنے نظریہ حیات کو ترک کر دیں اور اشتراکیت کو قبول کریں؟ ہم یہ ماننے سے انکاری ہیں کہ روس یا چین ایسی احمقانہ بات کریں گے کہ تم سے دوستی صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ تم اشتراکیت پر تنقید نہ کرو؟ یا امریکا اور برطانیہ ہم سے یہ مطالبہ کر لے گی جو آت کر سکتے ہیں کہ ہماری دوستی کی قیمت اس طرح ادا کرو کہ سرمایہ دارانہ نظام اختیار کرو اور ہماری لادینیت پر تنقید نہ کرو۔ اگر کوئی ایسی احمقانہ اور سرکشانہ بات کہتا ہے تو ہمارا جواب صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں ایسی دوستی نہیں چاہیے جس کی قیمت اپنے نظریہ حیات اور اپنی فکر و عمل کی آزادی کی شکل میں دینی پڑے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ہمارے خیال میں یہ بات یا تو شرمینہ عناصر کہتے ہیں یا وہ لوگ جو بلا شلو سے بھی زیادہ

ساج کے دغاوارہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بہر دو صورت یہ بات مہمل اور

ناقابل انتفات ہے۔



یہ مضمون ادارۂ معارف اسلامی کراچی کے ماہنامہ مجلہ چراغِ راہ کے سوشلزم نمبر
میں اور یہ کی حیثیت سے لکھا گیا تھا۔ موضوع اور مباحث کی اہمیت کے پیش نظر اب
اسے کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ابتداء میں تو خیال یہ تھا کہ مضمون کے
آخری سچے میں جو مباحث تشذہد گئے ہیں، ان پر مزید تفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی
اور مضمون کی کتابی صورت میں اشاعت سے قبل اس میں اضافے بھی کیے جائیں گے،
مگر مصنف کی دیگر مصروفیات اور ملک سے باہر چلے جانے کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔
البتہ نظر ثانی کے دوران جہاں مزوری سمجھا گیا وہاں جزوی طور پر تراسیم و اسٹائپ کر دیئے گئے
ہیں۔ نیز حوالہ دہات

خورشید احمد

لیٹر دائرۃ
۱۶ جنوری ۱۹۶۶ء

سوشلزم یا اسلام

ایک مسلم معاشرہ میں یہ سوال اٹھتا کہ اس کی منزل سوشلزم جوگی یا اسلام، ہے تو اپنے کج بات، لیکن یہ ایک ناخوش گزار حقیقت ہے کہ آج عالم اسلام میں یہ سوال اس شکل میں اٹھ چکا ہے اور اسے نظر انداز کرنا کسی طرح بھی دانشمندی کی مدتش نہیں ہو سکتی آج عالم اسلام شدید ذہنی انتشار سے دوچار ہے۔ کبھی مسلم معاشرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے مخصوص مزاج کے بارے میں غیر معمولی طور پر مضبوط اور حساس تھا۔ وہ ہر باطل نظریہ کے مقابلے میں ایک سیدھ پائی ہوئی دیوار کی مانند تھا۔ اس کی کیفیت اس شجر طیبہ کی سی تھی جس کی جڑیں ایمان اور عقیدہ میں مضبوطی کے ساتھ اتری ہوئی ہوں، جس کا تنا مضبوط اور شاخیں اپنی اصل سے پیوستہ ہوں، جس کے پتے ترد تازہ اور جس کے پھول شگفتہ ہوں۔ مختلف سمتوں سے آنے والی ہوائیں، خواہ وہ کیسی ہی تند و تیز کیوں نہ ہوں، اس درخت کو کوئی نقصان نہ پہنچا پاتی ہوں، بلکہ ان سے وہ اپنی ضرورت اور اپنے مزاج کے مطابق غذا حاصل کرتا اور اپنی بنیاد پر نئی وسعتوں اور بلندیوں سے ہم کنار ہوتا رہتا رہتا۔ لیکن آج کیفیت بڑی مختلف ہے۔ اب وہ درخت کزور ہو چکا ہے۔ صحرادر بادِ موسم کے تھپڑے اس کی تانگی اور سرسبزی کو مٹائے ڈال رہے ہیں۔ وہ دیوار جس کے قدموں پر کبھی ہر حملہ آور سرخشا کر پیا ہوا تھا،

آج اس کی بنیاد کمزور ہو گئی ہے۔ اس دیوار میں مجید اور رخنے پڑ چکے ہیں اور خود مسلم معاشرہ میں سے ایسی آزمائشیں اُٹھ رہی ہیں جو اس کے کانوں کے لیے اجنبی اور تلخافس ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج وقت کے چلتے ہوئے نظاموں سے شدید مرعوبیت کی کیفیت باقی باقی ہے۔ کچھ لوگ اللوینیت پر فریفتہ ہیں۔ کچھ سرمایہ داری کے طلسم میں گرفتار ہیں۔ کچھ قومیت کے ہاتھوں نقدِ دل مار چکے ہیں۔ کچھ اشتراکیت کے بحر میں مبتلا ہیں۔ غرض وقت کے ہر نظام کے کچھ نہ کچھ سوید اور مدعی خود مسلمانوں میں سے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اسلامی دنیا کو اپنے دل پسند نظام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے تعلیم و تبلیغ اور نشر و اشاعت کے ذرائع بھی استعمال کیے جا رہے ہیں اور جہاں جس حد تک ممکن ہے جبر و تشدد کے حربے بھی اختیار کیے جا رہے ہیں۔ یہ سب تحریکات اسلامی تہذیب و ثقافت کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میں سے ایک نہایت اہم اور موثر چیلنج اشتراکیت کا ہے۔ ان صفحات میں ہم مختلف پہلوؤں سے اس رجحان کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور دلائل و شواہد کے ذریعہ اپنی قوم کے سوچنے بچنے والے عناصر کے سامنے یہ بات رکھنا چاہتے ہیں کہ ان کی اصل منزل کونسی ہے سو شلوم یا اسلام؟

سوشلزم کیا ہے؟

سب سے پہلے جس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ سوشلزم ہے کیا ہے اس کے معنی و مفہوم اور اس کے پروگرام کو متعین کرنے کے بعد ہی عالم اسلام کے لیے اس کے چیلنج کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سوشلزم کی تعریف کا تعین

سوشلزم کا لفظ ان چند اصطلاحات میں سے ایک ہے جن کے مفہوم کے بارے میں شدید اختلافات اور انتشار نگر پایا جاتا ہے۔ معاشی اور معاشرتی امور میں حکومت کی معمولی مداخلت سے لے کر تمام وسائل دولت اور اثاثے صرف کے بر جبر قومی تحریک میں لے لیے جانے تک کی کیفیات کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ فکر و فلسفے سے لے کر معمولی معمولی معاشی اصطلاحات تک پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ مختلف محرکات کے تحت پیش کیے جانے والے مختلف انواع معاشی اور سیاسی خیالات کو اس لفظ کے سہارے بیان کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے اختلافات سوشلزم کے معنی کے بارے میں پائے جاتے ہیں، شاید کسی دوسرے لفظ کے بارے میں نہیں پائے جاتے۔ اسی بنا پر پروفیسر جیوڈ نے کہا تھا کہ سوشلزم اس ٹوپی کی مانند ہے جو اپنی شکل و صورت کبھی بکلی ہے، اور یہ اس لیے کہ ہر کوئی اسے اپنے سر پر منڈھنے میں مصروف ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آن سوشل سائنسز کا فاضل مقالہ نگار بھی شکایت کرتا ہے کہ سوشلزم، کیونرم اور اجتماعییت کی

اصطلاحات۔ جو بالعموم ایک دوسرے کے قبائل کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، نہایت مبہم، غیر واضح اور صحیح تعریف سے محروم ہیں۔ ایک انگریز اہل قلم اس صورت حال کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔

یہ سوشلزم ہرئی بھی ہے اور غیر ہرئی بھی، نظری بھی ہے اور عملی بھی، تصوراتی بھی ہے اور مادی بھی، بہت قدیم بھی ہے اور بالکل جدید بھی۔ یہ لفظ ایک معمولی سے بندے اور احساس سے لے کر واضح عملی پروگرام تک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مختلف توتیلے مختلف صورتوں میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اسے ایک فلسفہ حیات، ایک قسم کے مذہب، ایک اخلاقی مضابط، ایک معاشی نظام، ایک تاریخی عرض، ایک قانونی اصول کہا جاتا ہے۔ پھر اسے بیک وقت ایک عوامی تحریک اور ایک سائنسی تجزیہ، ماضی کی ایک تعبیر اور مستقبل کا ایک تصور، آواز، جنگ اور فساد امن، تشدد، انقلاب اور خاموش تغیر، محبت اور بے لوثی، کامیابی اور نفرت اور غور و غمی کا مجسمہ، انسانیت کی امید اور تہذیب کا قاتل، دورِ نو کی علیبر وار اور خوفناک تباہی کا پایا میر قرار دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ سوشلزم کی تعریف کے سلسلے میں کس

- 2 Jaszi, Oscar, "Socialism", *Encyclopaedia of the social Sciences* The Macmillan Co., New York, 1950. Vol. XIV, p. 210.

- 3 Ishadwell, A., *Quarterly Review*, London, July, 1924.

قدر انتشار نکر پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحث و گفتگو میں سوشلزم کے بہت سے متویر یہ اپنے موقف کو تبدیل کرنے اور ہر شکل کے وقت پہلو بستے میں زیادہ دشواری محسوس نہیں کرتے۔

اشتراکیت کے اس پہلو کے پورے پورے اعتراضات کے بعد ہم اس امر کی کوشش کریں گے کہ آوازوں کے اس جنگل میں سے کوئی صورت معنی پیدا کریں اور ان افواہ کو نظر انداز کر کے جن پر اشتراکیت کا اطلاق میں ٹکلتا ہی ہوتا ہے، ان بنیادی افکار و تصورات کو متعین کرنے کی کوشش کریں جن سے اشتراکیت عبادت ہے۔

ہم ان تمام اشتراکی رجحانات کو نظر انداز کر سکتے ہیں جن کا سراغ ماضی بعید میں لگایا جاتا ہے۔ وہ سب بہت جزوی، نامکمل، مبہم اور خیالی (Utopian) تھے۔ وہ اپنے وقت کی کسی مخصوص صورت حال کی پیداوار یا کسی وقتی عدم توازن کو دور کرنے کی ایک کوشش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ ایک جامع نظریہ اور اجتماعی تحریک کی حیثیت سے اشتراکیت انیسویں صدی میں رونما ہوئی۔ ہماری توجہ کا اصل مرکز اشتراکیت کا یہی جدید دور ہے۔

سوشلزم کا ارتقار

اشتراکیت نے مغربی تہذیب کے بطن سے جنم لیا ہے اور اس کی گود میں اس نے پرورش پائی ہے۔ اس نظریہ اور اس تحریک کو سمجھنے کے لیے اس کے تہذیبی پس منظر کو نگاہ میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔

مغرب کی نئی زندگی کا آغاز اس نگرانی اور ذہنی دوسے ہوا جسے نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کہتے ہیں اور جو عبارت تھی قرون وسطیٰ کے مذہبی برہنہ نشد

کے نظام کے خلاف بغاوت ہے۔ سب سے پہلے ٹکری میدان میں آکر رومی اور حریت پسندی (Liberalism) رونما ہوئی جس کا سبب نمایاں مظہر پڑنے ادب کا احیاء تھا۔ یہ تحریک دراصل یورپ کے مذہبی دور کے مقابلہ میں اس سے قبل کی دنیا سے ذہنی وابستگی کی علامت تھی۔ پرانی دیوتاؤں اور یونانی اور رومی اصنامی ادب (Pagan literature) سے رجوع کیا گیا اور ٹکریوں کے ہر پہلو میں مذہب کی دی جہاں اقدار سے گریز، بلکہ ان سے انحراف اور ان کے خلاف بغاوت اور تشدد و انتہا بغاوت کی روش اختیار کی گئی۔ پھر یہ لبرلزم فلسفہ کے میدان میں رونما ہوا اور الہامی ہدایت سے بے نیاز ہو کر محض عقل کے سہارے سفر حیات طے کرنے کا دعویٰ پیش کیا، عقلیت (Rationalism) اور انسانیت پرستی (Humanism) کی تحریکات اسی رجحان کی طرہ وار تھیں۔ اس کے بعد اس کا نظریہ اخلاق و معاشرت کے دائرے میں ہوا اور روایتی اخلاق کے مقابلہ میں ایک قسم کی بے قیدی، آزاد دی پسندی اور بے راہ رومی کی کیفیت رونما ہوئی۔ پھر یہ حریت پسندی خود مذہب کے دائرے میں رونما ہوئی اور اس نے تحریک اصحاح مذہب (Reformation) کو جنم دیا۔ بحیثیت مجموعی جو نیا نقطہ نظر ابھرا اس میں آخرت کو اساس بنانے کی بجائے صرف اس دنیا کے سود و زیاں کو بنیاد بنانے کا رویہ تھا، نئی اقدار کا محور و مرکز جلب دنیا، حصول منفعت، لذت پسندی اور مادہ پرستی قرار پائی۔ اس کے اظہار کا اگلا میدان سیاست تھی۔ یہاں اس نے انفرادیت (Individualism) کا روپ دھارا۔ بادشاہت اور استبدادی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا۔ فرد کے حقوق کے لیے لڑائی لڑی گئی اور پاک و غیر مرام کی حاکمیت کی بنیاد پر لادینی جمہوری

نظام قائم کیا گیا۔ سیاست سچی کا ایک اور پہلو مذہب کے نام پر ہمد گیر بین الاقوامی ریاست
 تھی۔ اس کے خلاف بھی تحریک رونما ہوئی اور بین الاقوامیت کی جگہ قومیت کا محدود
 جغرافیائی تصور رونما ہوا۔ بالآخر معیشت کے دائرہ میں اس نئی رونے اپنا اظہار کیا
 اور صنعتی انقلاب کے سہارے جدید سرمایہ داری رونما ہوئی جس میں فرد کو معاشی
 سعی و جہد کی بے قید آزادی دی گئی، اور سرمایہ کو اصل فیصلہ کن قوت بنا دیا گیا اور ذاتی
 نفع کا حصول معیشت کی رہنما طاقت بنا۔ حکومت کی مداخلت کو محدود و محدود کر دیا گیا اس
 کے نتیجے میں شدید قسم کی معاشی انفرادیت (Economic individualism) رونما
 ہوئی۔ سائنس اور فنییت (Technology) کی تمام قوتیں انفرادیت پسند تہذیب
 کو پروان چڑھانے کے لیے استعمال ہوتیں۔ برہنہ کی اس تحریک نے جہاں مذہبی اور
 سیاسی استبداد سے پیدا ہونے والی بہت سی خرابیوں کو دودھ کر دیا اور نئی تخلیقی قوتوں کو
 جنم دیا، وہیں اس نے متعدد نئے مسائل اور پیچیدگیاں بھی پیدا کر دیں۔ نیا انسان
 اخلاق، مذہب، قانون اور رواج کے تمام بندھنوں کو توڑ کر بالکل ماوراء پرآزادی
 کے تباہ کن راستہ پر لگ گیا اور ظلم و استصال کا ایک نیا اور خراب تر دور شروع ہو گیا
 معیشت کے میدان میں یہ لگاؤ سب سے زیادہ شدید تھا۔ اس کے خلاف جو
 ہمد گیر رد عمل رونما ہوا اس میں انفرادیت پرستی کی جگہ اجتماع پرستی نے لے لی۔
 مغربی تہذیب کی باقی تمام بنیادوں کو جو کہ کاتوں محفوظ رکھا گیا البتہ فرد کو اجتماعی مفاد
 کا پابند بنانے کی شکلیں تجربہ ہونے لگیں۔ فرد کی جگہ سماج کو مرکزی اہمیت دینے کا
 تصور رونما ہوا۔ اس کا اپنی انتہائی شکل میں اظہار سوشلزم کی تحریک میں ہوا۔
 سوشلزم مغربی تہذیب کی اساس ——— حقیقت، لاد مذہبیت اور ادایت

_____ سے اجہرا اور اس کی کچھ بے اعتدالیوں ——— توہیت، انفرادیت اور سرمایہ داری ——— کی اجتماعیت کے ذریعہ قصیح و تکمیل کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ جس مٹی سے اس کا خمیر اٹھا ہے وہ مغربی تہذیب ہی کی مٹی ہے، البتہ یہ اس کے کچھ پہلوؤں کی تکمیل کرتا ہے اور کچھ کی تردید و تنقید۔ یہ ہے اشتراکیت کا ذہنی اور تہذیبی پس منظر۔

میں ایک مشہور امریکی اہل علم رسل ڈبلیو ڈبلیو پورٹ لکھتا ہے کہ مغربی صنعتی تہذیب اور اشتراک کی تمدنی کارشتہ ماں اور بیٹی کا رشتہ ہے، دونوں کی رگوں میں ایک ہی خونی مادی دساری ہے، دونوں کی اساس مشترک ہے۔

ڈراصل وہ چیزیں جو امریکہ اور روس کو ایک دوسرے سے جدا اور لیز کرتی ہیں آزاد دنیا کی اس درجہ حیرت اور خوف میں مبتلا نہیں کرتیں جتنی وہ چیزیں جو ان دونوں میں مشترک ہیں۔ ان دونوں تکنیکی تہذیبوں میں جو چیز مشترک ہے وہ ان کی فلسفیانہ رجحانیت ہے، ایک کے سلسلہ میں کلیت پسندانہ اور بے جھجک، اور دوسرے کے سلسلہ میں اضافی اور متردد، لیکن بہر حال ایک ایسی رجحانیت جس کی نگاہ میں انسان و مرنے کی تخلیق ہے اس کی خرابات اس دنیا کے اجتماعی مقاصد کے حصول کی شکل میں ہے اور جس کے حصول کا ذریعہ زیادہ صنعتی پیداوار، معاشی فراوانی اور ذہنی تعاون ہے۔ یہ سب کا کلیت پسند رجحانیت اور آزادی پسند رجحانیت کے نتیجہ میں دو مختلف قسم کے انسان دیکھا جاتے ہیں۔ یعنی بدلی انسان۔ اور صنعتی انسان۔ لیکن جس درپردہ خرابات اور پریشانی سے ان لوگوں کی چرمی دوپار ہے وہ یہ ہے کہ صنعتی انسانی بدلی انسان سے ایک منگ جبا ہونے

جدید بشریت میں اشتراکیت کا لفظ تین مختلف چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
 (ا) وہ نظام فکر اور اجتماعی نظریہ جو انفرادیت اور سرمایہ داری کے مقابلہ میں دیتا ہے۔
 (ب) وہ عملی اجتماعی تحریک جو سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے اور اشتراکی نظام کو قائم
 کرنے کے لیے برپا ہوئی۔

(ج) وہ نظام مملکت جو ان ممالک میں قائم ہو، جہاں اشتراکی تحریک اپنا مطلوبہ انقلاب
 برپا کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

ان تینوں کے اند ایک ہمہ گیری وحدت پائی جاتی ہے۔ لیکن تجزیہ اور محاکمہ کے
 لیے نظریہ تحریک اور نظام میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اس مطالعہ میں ہمارے پیش نظر
 نظریہ اور نظام ہوں گے، تحریک کی کیفیت اور اس کے پیدا کردہ مسائل سے ہم غرضاً تو
 تعرض کریں گے لیکن وہ چارہ اصل موضوع بحث نہیں ہیں۔

سرمایہ داری کی بے اعتدالیوں، اس کے ظلم و احتیال اور عوام اور خصوصیت سے
 مزدور طبقہ کے ساتھ اس کے ناروا سلوک کے خلاف اشتراکیوں صدی کے آخری نصف
 ہی میں آوازیں اٹھنا شروع ہو گئی تھیں۔ انیسویں صدی کے شروع میں یہ احساس
 اور بھی شدید ہو گیا کہ اصلاح حال کے لیے مزدوری ہے کہ معاشی زندگی میں بنیادی

درا، کے باوجود ایک ڈرامائی سے انداز میں اس سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہے حقیقت
 یہ ہے کہ ہر دلی انسان، صنعتی انسان ہی کی اولاد ہے جیسا کہ مارکسزم کی تاریخ سے ثابت ہے۔

Russel W. Devenport, The Dignity of Man, Harper
 and Bros., New York, 1955, pp. 238-39.

تبدیلیاں کی جاتیں۔ چونکہ سرمایہ داری کی بنیاد بے قیود انفرادی ملکیت اور آزاد کاروبار پر تھی اس لیے ان حضرات نے اس بنیاد پر مغرب لگائی اور یہ تصور پیش کیا کہ ہر گھریلو پیداوار ہی ملکات قومی تحریک یا اجتماعی ملکیت میں ملے لی جاتیں تو سب مساوی ہو جائیں گے اور وہ چیز جو معاشی ظلم کا ذریعہ بن رہی ہے، باقی دو ہے گی۔ اس کے نتیجہ میں ایک دوسرا سماج رونما ہو گا اور وہ زیادہ صحت مند ہو گا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ تبدیلی جیسے عام کی تیار دی کے ذریعہ، عام سیاسی جدوجہد کے نتیجہ میں لائی جاسکتی ہے اور خود برسرِ اقتدار اور با اثر طبقات کو اس کے لیے ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ منیٹ مائٹمن، فیوڈ ہرا اور رابرٹ اوٹن اس نقطہ نظر کے علمبردار اور اسی مسک کے پرچار میں مصروف تھے چونکہ وہ سرمایہ داری کی انفرادیت پرستی کو ختم کرنا چاہتے تھے اور فرد کی جگہ اجتماع کے مفاد کو اصل رہنا بنانا چاہتے تھے اس لیے اس نئی فکر کو سوشلزم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ انیسویں صدی کی دوسری چوتھائی ۵۰-۱۸۴۸ء میں اشتراکی افق پر مارکس وینا ہوا اور اگلے ۵۰ سال تک وہ اور اس کے افکار فضا پر چلتے رہے۔ جس بات کو مارکس کے پیش روا خلاق اور انسانی بنیادوں پر پیش کر رہے تھے، مارکس نے اس کو بظاہر ایک سائنس بنا کر پیش کیا اور اس وقت سے آج تک سوشلزم کے قریباً ہر مکتب فکر پر مارکس اور اس کے تفسیری رفیق فریڈرک اینیبلز کے نظریات کی چھاپ موجود ہے۔ اشتراکی فکر ایک انگ۔ ایک تنہا اور ایک تجویز کی شکل میں تو موجود تھی لیکن اسے ایک جامع نظریہ اور ایک متبادل نظام کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ مارکس اور اینیبلز کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے یہ حیثیت عطا کی۔ سوشلزم کی وہ شاخیں بھی جنہوں نے جنوی

ہے مارکس اور اینیبلز کی اہم تصانیف یہ ہیں۔

اصلاح پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے، اس کی نظام کے تصور کے اثرات سے پاک

(ج) اشتراکی منشور (Communist Manifesto) جو فروری ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا۔ اس کا اصل ہیئت نظام سرمایہ داری ہے، جس کے بارے میں پورے زور و خشوع کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ قریب المرگ ہے اور یہ دعوئی تاریخ کی ایک خاص تعبیر — معاشی تعبیر — پر مبنی ہے۔ اس منشور نے بحث و گفتگو کو انقلابیات کی سطح سے اسٹاک تاریخ اور عمرانیات کی سطح پر پہنچا دیا اور سرمایہ داری کی موت اور اشتراکیت کا ظہور تاریخ کا تقاضا قرار دیتے گئے۔ مسئلہ پورے سماج کا مسئلہ بن گیا اور اس کی قسمت کا فیصلہ طبقاتی کشمکش کو سونپ دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو مارکس اور اینیبلز، منتخب مقالات، ماسکو ۱۹۵۵ء صفحہ ۹۷-۱۰۴)

۲۔ نقد معاشیات قومی (Critique of Political Economy) یہ تحریر اس دعوے کے ثبوت میں لکھی گئی تھی جو منشور اشتراکیت میں کیا گیا تھا۔ لیکن اصل کتاب نامکمل رہی۔ صرف دو ابواب لکھے جاسکے جو اس عنوان سے بچھے ہیں۔ اس کا پیش نقطہ اشتراکی لڑچکر کی اہم ترین تحریکات میں سے ایک ہے اور اس میں تاریخی مادیت کے نظریہ کو چندہ نکات میں مرتب کیا گیا ہے۔ نقد معاشیات قومی میں قد زائد کے نظریہ کو اس کی ابتدائی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کارل مارکس، اینیبلز، منتخب مقالات، ماسکو، جلد اول صفحہ ۲۵۹ تا ۳۱۳)

۳۔ سرمایہ (Capital) نقد معاشیات قومی اس دعوئی کو ثابت کرنے میں نامکمل

نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے مصالح یا ضروریات کے پیش نظر کسی خاص

دعا، رہی اور شہر یا غیر موثر اور بایوس کو رہی۔ مارکس نے ۱۸۴۴ء میں پھر اس کام کو شروع کیا اور ان دو ابواب اور برٹش میوزیم سے جمع کردہ معلومات کی بنیاد پر سرمایہ داری پر اپنی اصل تنقید لکھنی شروع کی۔ ۱۸۴۵ء سے ۱۸۴۶ء تک وہ صرف مواصلات کرتا رہا اور ۱۸۴۶ء سے ۱۸۴۷ء تک پانچ سال کی شب و روز کی محنت سے کتاب کی پہلی جلد لکھی۔ اس کی دوسری اور تیسری جلد مارکس کی موت کے بعد شائع ہوئیں، دوسری ۱۸۸۵ء میں اور تیسری ۱۸۹۳ء میں۔ آخری جلد مارکس کی یادداشتوں اور مسودات سے مرتب کی گئی۔ اس کتاب کا اصل موضوع اشتراکیت نہیں، سرمایہ داری ہے۔ مارکس کی تاریخی اور معاشی فکر اس ایک کتاب میں جمع ہو گئی ہے۔ لیکن تجرباتی انداز کے ساتھ ساتھ اس میں واقعاتی اور بیانیہ انداز بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں سرمایہ داری کے ارتقاء اور اس کے مستقبل کے تاریخی قوانین کو پیش کیا گیا ہے اور اسی سلسلہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایک دور کا پورا نظام زندگی دراصل اس دور کے وسائل پیداوار اور ان پر مبنی پیداواری تعلقات کی پیداوار ہوتا ہے۔ اب اگر سرمایہ دارانہ تہذیب کو ختم کرنا ہے تو اس کا قدیم وسائل پیداوار کو انفرادی ملک سے نکال کر اجتماعی تحریر میں لانا ہوگا۔ سرمایہ داری کے موجودہ مرحلہ میں جو پیداواری تعلقات ہیں اور جماعتی ادارے کام کر رہے ہیں وہ نئی پیداواری قوتوں سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اس لیے حالات کی یہ قوت ان تعلقات اور ادارات کو ختم کر کے رہے گی اور ان کی جگہ فطری (دعا،

پہلو کو نمایاں کرتی ہیں۔ اب سوشلزم ایک سماج اور ایک تہذیب کے معنی رکھتا ہے۔

۱۔ سماجی قانون کے تحت اشتراکیت رونما ہوگی۔ مارکس کا اصل موضوع سرمایہ داری میں پائے جانے والے تضادات، اس کا ظلم و استحصالی (Exploitation)

اور اس میں پائی جانے والی مغایرت (Alienation) ہے۔ اور ان پر اس نے بڑی بہترم پاشانی بحثیں کی ہیں۔ (These of

Feuerbach) سرمایہ کی تحریر و تصویب سے قبل مارکس نے ایک مختصر تحریر (

German Ideology) تحریر کی جو راجن فیرباخ پر لکھی تھی جس میں مذہب پر فلسفیانہ حملہ کیا گیا ہے۔

۲۔ ملاحظہ ہو منتخب مقالات جلد اول صفحہ ۲۵۲-۵۵۰ اس طرح اس نے اسی دور

میں ایک اور کتاب غلام فلسفہ (Poverty of Philosophy) لکھی

(۱۸۴۵ء) اس کتاب میں خیالی اشتراکیت پر زور دار تنقید ہے اور یہ فرانسیسی

منفک پروڈھوں کے رد میں لکھی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو : Poverty of

Philosophy) ملبورہ ماسکو انقلاب اور طبعی انقلاب کے سلسلہ میں مارکس

کی متعدد تحریریں ہیں جن میں فرانس کے ۱۸۴۸ء کے ناکام انقلاب پر

تبصرہ (Civil War in France) اور ۱۸۴۸ء کے پیرس کمیون پر

تنقید شامل ہے۔

۳۔ گوتھا پروگرام پر تنقید (Critique of the Gotha Programme)

یہ مارکس کی آخری تحریرات میں سے ایک ہے اور اس میں جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک

پارٹی کے پیش کردہ پروگرام دجے گوتھا پروگرام کہا جاتا تھا، اس مناسبت سے ۱۸

اور اپنے نقطہ نظر کے مطابق کی تبدیلی کا مدعی ہے۔ یہ وہ بنیادی بات ہے جس کا

دعا کردہ گروہ کے مقام پر ہونے والی کانفرنس میں منظور کیا گیا تھا، پر تنقید کی ہے۔
 (ملاحظہ ہو منتخب مقالات - جلد دوم صفحہ ۱۹۸) مارکس نے اس تحریر میں پہلی مرتبہ
 اشتراکیت کے دو مراحل، اولیں اور آخری کی تخصیص کی۔ اس میں اشتراک سماج کے
 بارے میں مارکس کے کچھ خیالات بہت واضح شکل میں سامنے آئے، ورنہ دوسری
 تحریرات میں تنقیدی اور منفی رنگ غالب ہے۔

اینگلز کی اوّلین تصنیف انگلستان میں مزدوروں کی حالت (Conditions
 of the Working Class in England) ہے جو ۱۸۴۴ء میں شائع

ہوئی تھی۔ اس کے بعد اشتراک کی نظریہ کی تسوید میں اس نے حصہ لیا، مگر اس کا اپنا
 قول یہ ہے کہ یہ نظریہ مارکس کا مکمل ہما ہے میرا اس میں بجز نام کے اور کوئی حصہ
 نہیں (دوریا چر - میسز ایڈیشن، اینگلز نے بہت سے نہایت اہم اور قیمتی مضامین
 اور پمفلٹ لکھے ہیں جو اشتراکیت کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و توضیح کرتے ہیں،
 البتہ اینگلز نے جدلی مادیت کے پورے فلسفہ کو ایک کتاب میں نہایت جامع
 انداز میں مرتب کر دیا ہے اور وہ ہے Anti-Dubring (مطبوعہ ۱۸۷۸ء)
 مارکس اشتراکیت کی تبلیغ و تشہیر میں اس کتاب کا حصہ نہایت نمایاں
 ہے۔ سائنس سے متعلق امور پر پیدا ہونے والے بہت سے بنیادی سوالات
 پر اینگلز نے Dialectics of Nature میں بحث کی ہے۔ یہ ایک عریض
 سے روڈیو ہنگ کا مکملہ ہے۔ (مطبوعہ ۱۸۸۵ء) اس لٹریچر کے ایک (۱۸)

دعویٰ چوٹی کے اشتراک اہل قلم کرتے ہیں اور جس کا اعتراض اشتراکیت پر علمی اور تحقیقی کام کرنے والے تمام اہم تعاونوں نے کیا ہے۔

۱۴۔ سرسری جائزہ سے اندازہ ہو جائے گا کہ مارکس اور انجیلز نے پوری فکر کو ایک نظام کی شکل میں مرتب کیا ہے۔

۱۵۔ ۱۹۴۸ء میں اشتراک نشور کی سو سالہ جوبلی منانے کے لیے برطانیہ کی لیبر پارٹی نے اس کا ایک نیا ایڈیشن وہاں کے مشہور سوشلسٹ مفکر میرٹھ سے لاسکے کے لئے تعاون کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کے نام میں دونوں کے باہم اشتراک کی اچھی عکاسی ہو گئی ہے۔ کتاب کا نام ہے اشتراک نشور — اشتراک کی گنگ میل

(The Communist Manifesto — Socialist Landmark)

۱۶۔ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ چند اہل قلم اس بات کو بھی پیش کرتے ہیں کہ اشتراکیت کی بنیادی معاشی فکر کو اس کی بعد الطبیعیات سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ یہ بات صرف ان لوگوں نے کہی ہے جو اشتراکیت سے کوئی مرکب بنانا چاہتے تھے۔ مثلاً سیمی سوشلزم کے طبردار۔ لیکن وہاں یہ بات صرف اس لیے ممکن ہوئی کہ حیاتیات خود بخودیت کی تعامل تھی اور اس کا اپنا معاشی اور سماجی نظام نہ تھا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ چیز نہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس مرکب میں سے سمیت آہستہ آہستہ دم توڑ گئی اور صرف اشتراکیت باقی رہ گئی۔ دو چیزیں ہیں یہ بات سڈی بک اور دو ایک دوسرے اہل قلم نے بھی کہی ہے کہ ان حضرات کی حیثیت ایک ناقابل انتفاات اقلیت کی سی ہے جس کی بات کو اشتراک کی مفکریں کی ۱۷

سوشلزم — ایک ہمبرگیر نظام

سب سے پہلے مارکس اور اینیبلز کو سمجھئے۔ بلاشبہ ان کے پروگرام میں وسائل پیداوار کی قومی ملکیت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن یہ اس لیے کہ ان کی نگاہ میں ایک فرد کا پورا تمدن، اس کا فلسفہ، مذہب، اخلاق، قانون، معاشرت، ثقافت، یہاں کا نظام، بین الاقوامی تعلقات، غرض ہر چیز وسائل پیداوار اور آمد پیداواری تعلقات پر مبنی ہے۔ تمدن اس معاشی زیریں ساخت (Economic infra structure)

کا پیدا کردہ ہے۔ اس کی حیثیت ثانوی اور طفیل ہے جب کہ معاشی زیریں ساخت اصل اور حقیقی ہے۔ باقی سب کچھ اسی کا عکس اور پرآئینہ ہے۔ ان معاشی وسائل پر جسے ملک اور تصرف حاصل ہو وہ صاحب اقتدار طبقہ ہے اور باقی تمام افراد ان کے تابع ہیں۔ ان دونوں طبقات میں کش مکش سے ساری انسانی تاریخ عبارت ہے۔ قانون اور ریاست برسرِ اقتدار طبقہ کے تسلط کو مستحکم کرنے کا کام انجام دیتے ہیں اور آکر استحصال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق انہی کے مفاد کے تحفظ کا وظیفہ ادا کرتے ہیں، معاشرت و ثقافت اسی طبقاتی صورت حال کی پیداوار ہوتے ہیں، فلسفہ، ادب اور فن انہی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس لیے تمدن میں فیصلہ کن چیز وسائل پیداوار اور ان پر تصرف ہے۔ انہیں انفرادی ملک سے نکال کر قومی تحویل میں لے آنے سے سارا نظام بدل جائے گا۔ قومی ملکیت کے

۱۔ عظیم اکثریت بلکہ ان کی **Mainstream** جنول نہیں کرتی ہے۔ نیز اشتراکیت کے بانیوں کی تحریرات اور ان کا مجموعی نظام نگہ بھی اس کی تائید سے قاصر ہے۔

معنی محض ایک معاشی تبدیلی نہیں بلکہ ایک سماجی اور تمدنی انقلاب کے ہیں جس کے نتیجہ میں ایک نیا سماج اور نیا تمدن رونما ہوگا اور موجود تمدن کی کاپیا پلٹ ہو جائے گی۔ اینجلز منشور اشتراکیت کے مقدمہ میں اشتراکی فکر کے بنیادی اور اساسی تصور کو اس طرح پیش کرتا ہے۔

”مگر ہمارے یہی دور میں اس کامرورجہ معاشی طریق پیداوار و تبادلوں اور اس کے تحت لازمی طور پر رونما ہونے والی سماجی تنظیم و ہیئت وہ اس اور بنیاد میں جس پر اس دور کی فکری اور سیاسی تاریخ مبنی ہوتی ہے اور صرف اسی کی روشنی میں ان کی تعبیر و تفہیم ممکن ہے۔ پس اسی کا نتیجہ ہے کہ انسانیت کی ساری تاریخ راولیس قبائلی سماج جس میں تمام زمین مشترک ملک تھی، کے (مشارعے سے لے کر) طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے، اخصاً کونے والے اور مظلوم، حکمران اور مجبور، طبقات کے درمیان تنازع کی تاریخ۔ نیز یہ کہ طبقاتی تنازع کی یہ تاریخ ایک ایسے سلسلہ کی حیثیت

شے مادکس اور اینجلز کی تحریرات کا جو سرسری جائزہ ہم اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں۔ اس سے اس امر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اشتراکیت کے ان بانیوں نے صرف معاشی امور ہی سے بحث نہیں کی ہے بلکہ کائنات کا تصور، تاریخ کے ارتقاء کے اصول، تمدن کے قوانین، فلسفہ، مذہب کی حقیقت، ریاست اور قانون وغیرہ تمام مباحث پر گفتگو کی ہے اور ان مباحث کو اپنے مرکزی تصور سے متعلق اور مربوط کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو خلاقی نظام (system builders) کہا جاتا ہے۔

رکھتی ہے جس میں ارتقاء کا فرض ہے اور جواب ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی ہے کہ مظلوم اور پے ہوئے طبقات پر وقتاریہ، استحصال اور برصاقتدار طبقات (بورژوا) کے تسلط سے نہایت حاصل نہیں کریں گے، مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ ساتھ، اور ہمیشہ کے لیے، پورے سماج کو استحصال، ظلم و تشدد، طبقاتی تفریق اور طبقاتی نزاع سے بھی پاک کر دیں گے۔

یہ بنیادی بات، میرے خیال میں، تاریخ کے لیے رہی چکر کرنے والی ہے جو قارئین کے نظریہ نے حیاتیات کے لیے کیا؟
یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مارکسی اشتراکیت کا پورا نظام منظم مربوط اور منظم ہے۔ اس کے معاشی تصورات کو اس کی تعبیر تاریخ سے کاٹ کر نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے تعبیر تاریخ کے تصور کی جڑیں اس کے تبدیلی فلسفہ میں اترتی جوتی ہیں، اس کا تبدیلی فلسفہ مادیت اور عقلیت پر مبنی ہے، اس کے سارے سماجی تصورات اس نظام فکر کی پیداوار ہیں۔ یہ فکر صحیح ہو یا غلط دائرہ ہماری نگاہ میں غلط ہے، لیکن اس کے ایک جزو کو دوسرے سے کاٹ دینے سے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ مارکس اور اینیبلز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فکر کی اساس یہ تصور تھا کہ سوسائٹی ایک نامی (Organic) وجود ہے، جس کا ہر حصہ

۱۔ اشتراکی منشور اینیبلز کا پیش نظر برائے طبع ۱۸۸۳ء۔ ملاحظہ ہو کیرنٹ مینی فیسٹ سوشلسٹ لینن، پارک، ترجمہ پرائڈ لاکھی، مطبوعہ المین اینڈ انونی، لندن ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۔

دوسرے سے مربوط ہے، تاریخ ایک ارتقائی عمل کا نام ہے۔ ہر دور اپنے ماقبل کا جو اضافہ کرے، اور اس سے چند قدم آگے نکل جاتا ہے اور ترقی ایک مسلسل اور پیہم کش مکش اور ہیکار کا نتیجہ ہے۔ تنازع ہی میں ترقی کا راز ہے۔
مارکسزم کیا ہے؟

مارکسزم جو مکمل اشتراکیت کی مکمل ترین اور معتبر ترین شکل ہے اس لیے ہم کش مکش کریں گے کہ اس نظام فکر کے تمام پہلوؤں کی مختصر ترین الفاظ میں تلخیص کر دیں تاکہ اس کی وصولی کا لچرا پورا اندازہ ہو سکے۔

۱۔ اشتراکیت کا تصور کائنات یہ ہے کہ مادہ ازل ہے اور اجتماع ضدیں پر مبنی ہے، یعنی تضاد عناصر کے اجتماع سے عبارت ہے۔ تناقض و تضاد فطری اور لازمی طور پر حرکت کو پیدا کرتے ہیں اس لیے مادہ خود حرکتی (Autodynamic) ہے۔ مارکس فلسفہ کا پہلا بنیادی قانون ہی اجتماع ضدیں (Unity of opposites) ہے۔ اس کا دوسرا قانون اصول نفی (Negation) ہے۔ جس کے تحت مادہ نفی کے ذریعہ کبھی ترقی حاصل کرتا ہے۔ گہروں کا راز فنا ہو کر اپنے سے سو گنا زیادہ دانے پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح مادی حقیقت اپنی مقدار اور کثیت میں اضافہ کرتی چلی جاتی ہے پھر تیسرا قانون اصول قلب ماہیت (Transformation) ہے، جو نفی

ٹلے اس پہلو سے ہیرتھ نے بڑی قیمتی اور مفید بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو

حقیقتوں اور کیفیتی تبدیلیوں کی ترجمان کرتا ہے۔ اس طرح اشتراکیت کا تصور کائنات خاص مادیت پر مبنی ہے اور اینیملز کے الفاظ ہیں اس کے ذریعہ دفعہ ذیل، اس کائنات سے باہر کسی خالق کے تصور کا آخری نشان بھی مٹا دیا گیا ہے۔“

+۔ مارکسیت کا تصور شعور بھی خاص مادہ ہی ہے۔ اس کی نگاہ میں روح یا نفس (Mind) کا کوئی وجود نہیں۔ شعور محض ذہن کا وظیفہ ہے جو مادہ ہی کے ایک لمبے ارتقائی سلسلہ کا نتیجہ ہے۔ ذہن انسانی معدوم حقیقت کے علم کو حاصل کر سکتا ہے اور حصول علم کے لیے کسی دوسرے ذریعہ کی حاجت نہیں۔ صداقت کی میزان عمل اور تجربہ ہے اور علم و عمل باہم مربوط ہیں۔ اگر علم عمل کے سید ان میں اچھے نتائج نکالے تو وہ یعنی برصداقت

۱۔ بحوالہ Anti-Duhring، مطبوعہ نیویارک، ۱۹۲۶ء، صفحہ ۱۹۱۔ مارکسیت کے تصور کائنات کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل اصل مآخذ سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

Marx, K., Capital, London, Vol. 1 and 2.

Marx, K., Selected Correspondence, Moscow, 1954.

Engles, F., Ludwig Feuerbach, New York, 1934.

Thesis on Feuerbach

Engles, F., Anti-Duhring.

Lenin, V. I., Materialism and Empirio-Criticism, Moscow.

ہے ورنہ باطل ہے۔ اس طرح رُوح کی مکمل نفی ہو جاتی ہے اور خود شعوری زندگی کی توجہ خالص مادی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔

۴۔ اشتراکیت کا تصور تاریخ بھی خالص مادی ہے۔ وہ اس میں زندگی یا لائے قوت کی کارفرمائی کو مانتی ہے اور نہ فرد ہی کو کوئی آزاد تخلیقی کردار عطا

۵۔ اس نکتہ کے لیے بھی اُوپر کے ماخذ سے رجوع کیا جائے۔ ان کے علاوہ اس موضوع پر ان کتب کا مطالعہ مفید ہوگا:

Murry, J., *Marxism*, London, 1935.

Jackson, T., *Dialectics : The Logic of Marxism*, London, 1936.

Russel, B., *Freedom Versus Organization*, Allen and Unwin, London, 1949.

Cole, G. D. H., *The Meaning of Marxism*, London, 1948.

Palekanov, G., *Fundamental Problems of Marxism*, London, 1929.

Adoratsky, V., *Dialectical Materialism*, London, 1934.

McFadden, Charles J., *The Philosophy of Communism*, New York, 1939.

Carew Hunt, R. N., *The Theory and Practice of Communism*, London, 1951.

Cornforth Maurica, *Dialectical Materialism*, London (3 Volumes)

کرتی ہے۔ اصل تاریخ ساز قوت معاشی کو اٹھتے ہیں اور انہی سے باقی تمام سماجی تصورات اور ادارات جنم لیتے ہیں۔ اس میں ایک قسم کی سماجی جبریت بھی پائی جاتی ہے ہر دور اپنے ماقبل سے پیداواری قوتیں وراثت میں حاصل کرتا ہے۔ پورے سماجی نظام کی صورت گری معاشی قوتوں کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ اور جب ایک سماج اور اس کے ادارات معاشی قوتوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں تو تنازع رونما ہوتا ہے جو بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک انقلاب کے ذریعے یہ شزیت اور تناقض رفع ہو جاتا ہے اور نئی سماجی حیثیت رونما ہوتی ہے۔ انقلاب ہی وہ راستہ ہے جس سے تضادات رفع ہوتے ہیں اور نئے تضادات کے رونما ہونے کے دورانے کہتے ہیں۔ تاریخ اسی کش مکش اور پیکار سے عبارت ہے اور اس کو نظر انداز کر کے تاریخ یا سماج کے کسی پہلو کو اور تاریخ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔

۴۔ ریاست کے بارے میں مارکسی تصور یہ ہے کہ وہ اس وقت وجود میں آتی جب وسائل پیداوار کی انفرادی ملکیت کی وجہ سے معاشرہ دو طبقات میں

۱۔ اشتراکیت کے اس قہقہے کے مطالعہ کے لیے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ ملاحظہ ہوں:

Marx, Communist Manifesto.

Marx, A Contribution to the Critique of Political Economy

Bober, M. M., Karl Marx's Interpretation of History,
Harvard University, 1950.

بٹ گیا۔ برسرِ اقتدار طبقہ نے اپنے تسلط کو قائم رکھنے کے لیے ریاست کا آلہ وضع کیا۔ یہ ایک خالص طبقاتی ادارہ ہے اور استحصالی قوتوں کا متحدہ معادلی ہے۔ اس کا اولین مقصد انفرادی ملکیت کا تحفظ ہے اور قوت و تشدد کے ذریعہ وہ یہ مقصد حاصل کرتی ہے۔

۵۔ مذہب بھی طبقاتی تضاد کی پیداوار ہے۔ یہ عوام کو اپنے دشمنوں کی ٹیس سے غافل کرنے کا ایک حربہ ہے۔ یہ انہیں ان کے فرائض کی ترغیب دیتا ہے، لیکن حقوق کو کھڑی درس نہیں دیتا بلکہ ظلم اور زیادتی پر تسلیم ختم کرنے کا سبق پڑھاتا ہے اس لیے مذہب کو مثلاً بغیر اصلاح کی راہ نہیں مکمل کسکتی۔ اسی طرح اخلاق طبقاتی تقسیم ہی کی پیداوار ہے اور بالآخر طبقات کے مفاد کے تحفظ کا کام انجام دیتا ہے۔

مذہب بالاکتب کے علاوہ ان کا مطالعہ بھی اس پہلو کے سمجھنے کے لیے مفید ہوگا۔

Engles, The Origin of the Family, Private Property and the State.

وہ معنوی الگ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا ہے اور منتخب مقالات میں بھی شامل ہے۔

Lenin, V., The State and Revolution, Moscow

ملاحظہ ہو، ایہ بلوڈن کی لڑوک فیورباخ اور ڈیڈ ہیرنگ لینن کی "مذہب" مطبوعہ

ماسکو و نیریاک بخارین (N. Bukharin) کی The A. B. C. of Communism

مطبوعہ لندن ۱۹۲۲ء، ہیرالڈ لاسکی کی Communism مطبوعہ لندن ۱۹۳۵ء، روسی

۶۔ سرمایہ دارانہ نظام ایک نظامِ ظلم ہے۔ اس میں نجی ملکیت کی وجہ سے ایک اقلیتی طبقہ تمام وسائل پیداوار پر قابض ہے۔ اس کا مقصد اپنے ففع کو بڑھانا ہے اور یہ اضافہ وہ دوسروں پر ظلم و زیادتی اور ان کے حقِ محنت کو خوردبرد کر کے حاصل کرتا ہے۔ قدرِ محنت کی پیدا کردہ ہے لیکن اس کا صرف ایک حصہ اصل محنت کار کو ملتا ہے، ایک بڑا حصہ سرمایہ دار لے لیتا ہے۔ اور اس ظلم کی کچا کو تیزی سے چلنے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن سرمایہ داری کا نظام اب اس مقام پر آگیا ہے کہ اس کا بنایا ہوا سماجی نظام وسائل پیداوار کے بنیادی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس میں مغائرت کی کیفیت رونما ہو گئی ہے جو بڑھتی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری نے خود نئے تضادات کو جنم دیا ہے اس میں سرمایہ کے ارتکاز کا قانون کار فرما ہے جس کے نتیجے میں دولت کم سے کم تر ہاتھوں میں جمع ہوتی جا رہی ہے اور دوسری طرف غربت پھیلتی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ خود سرمایہ کی حیثیت ترکیبی (Organic Composition of Capital) بدل رہی ہے۔ ان کے نتیجے میں پیداوار اور صرفہ میں توازن باقی نہیں ہے اور یہ چیز معاشی عدمِ استقلال کو پیدا کر رہی ہے۔ معاشی بحران رونما ہو رہے ہیں اور مزید ہوں گے اور بالآخر نظامِ سرمایہ داری

(ص)، اشتراکی پارٹی کا پروگرام (Programme of the Communist International) مطبوعہ نیا یارک ۱۹۳۹ء اور سٹونی اند پیر ترس ویب کی (Soviet Communism: A New Civilisation) مطبوعہ لندن ۱۹۴۶ء۔

کو لے ڈو ہیں گے۔ سرمایہ داروں کی سہارا لینے کے لیے سامراجیت کا روپ و حلقہ ہے۔ لیکن یہ اس کا آخری منجیلا ہوتا ہے۔ نتیجتاً اپنے ہی بطن سے رونما ہونے والے تناقضات اور اختلافی قوتوں کے باوجود یہ نظام ختم ہو جائے گا اور اشتراکیت اس کی جگہ ایک تاریخی تقاضے کی حیثیت سے رونما ہوگی یہ تبدیلی ایک انقلاب کے ذریعہ ہوگی جس کے بعد پروتاریہ کی آمریت رونما ہوگی۔ یہ آمریت وسائل پیداوار کی قومی ملکیت قائم کرے گی اور اس بنیادی تبدیلی کے نتیجہ میں نیا سماج رونما ہوگا۔ جب یہ انقلابی عمل اپنی تکمیل کو پہنچے گا تو ایک غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں آئے گا جس کے کامیابی سے کام کرنے کے لیے ریاست کی جبری قوت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ یہ ہوگی اصل معیاری اشتراکی سوسائٹی، جس میں بطبقہ دارانہ ہوگی نہ اس کے پیدا کردہ تنازعات و تناقضات ہوں گے اور نہ تشدد اور جبر کے آلات۔ اس معاشرہ میں مادی فراوانی (Affluence) کی کیفیت بھی ہوگی۔ اور یہی ہے اشتراکیت کا فہمی مقصود۔

۱۱۔ اس پہلو کے مطالعہ کے لیے مارکس اور اینجلز کی مذکورہ بالا کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا:

اشتراکیت کی ان بنیادی تعلیمات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے کہ
(الف) اشتراکیت ایک مکمل نظام فکر اور ایک سماج اور تہذیب ہے۔ اس کے مختلف
اجزاء باہم مربوط ہیں یہ جزوی اصلاح کار کی منصوبہ نہیں۔

(ب) اس کی بنیاد اور روح خالص مادیت اور مذہب سے بیگانگی بلکہ اس کی مخالفت
پر مبنی ہے۔ اس کی حیثیت مذہب کے ایک متبادل (Alternate) اور
رقیب کی ہے، حلیف کی نہیں۔

اب تک ہم نے ان باتوں کو اشتراکیت کے بانیوں کے افکار کی روشنی میں بیان
کیا ہے۔ اب ہم اس دعوے کی تائید میں اپنے دور کے چند چوٹی کے اہل فکر کی آراء
پیش کرتے ہیں۔

امریکہ کا سب سے بڑا اداکسی ماہر معاشیات پروفیسر ہال ایم سویزی اپنی کتاب
شوشلزم میں لکھتا ہے:

”شوشلزم کے معنی دو سماجی نظام ہیں جس کی امتیازی خصوصیت،
دوسرے سماجی نظاموں کے مقابلہ میں، مخصوص نوعیت کے تعلقات
ملکیت ہیں۔“

سویزی اس کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ:
”جب ہم اشتراکیت کی بات کرتے ہیں تو ایک سماجی نظام کے

بارے میں بات کرتے ہیں، محض ایک خاص قسم کے تعلقات ملکیت کے مجموعہ سے نہیں ^{بچتے}۔

یعنی اصل چیز یہ نہیں ہے کہ اشتراکیت میں وسائل پیداوار اجتماعی ملکیت میں آجاتے ہیں بلکہ اس بنیاد پر رونما ہونے والا پورا سماجی نظام ہے۔ کیرل مارکس نے اشتراکیت پر بڑے مدق اور تحقیقی انداز میں کام کیا ہے، لکھتا ہے۔

”پس اشتراکیت ایک مکمل تمدن اور نظام حیات (Weltanschauung)

ہے جو ایک مربوط فلسفہ، معاشی، سیاسی اور سماجی نظریہ پر مبنی ہے، وہ نظریہ جو دنیا کی واحد سائنسی تعبیر کرنے کا مدعی ہے۔ اس کا مطالعہ کل کے کل کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔ بحاثات بالکل روا نہیں کہ اس کے کچھ اجزاء کو جو ہماری توجہ کو جذب کریں پورے نظام سے جدا کر کے غور کیا جائے اور باقی حصوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اشتراکی سرگرمیوں کی تفہیم اس پورے نظام کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں جس پر وہ مبنی ^{ہے}۔ یہی مصنف اپنی ایک دوسری کتاب میں اشتراکیت کے نظام کے بارے میں اس بات کا یوں اظہار کرتا ہے کہ:

17. *ibid.*, p. 5 and p. 7.

18. Carew-Hunt, R. N., *The Theory and Practice of Communism*, Geoffrey Bles, London, 1951, pp. 7-8

” نیز یہ کہ اس کا نظام ایک مکمل نظام ہے۔ ایسا کلی نظام جس میں انسانی فکر و عمل کے تمام پہلو ایک موثر اور فیصلہ کن اصول پر مبنی ہیں۔^{۱۹} ایک دوسرے مقام پر کیر و ہنٹ لکھتا ہے:

” مارکسزم ایک انقلابی نظریہ ہے۔۔۔۔۔ موجودہ نظام کا پورا ہیروا۔ اس کا نظام قانون، فوج، پولیس وغیرہ سب کو کسر بک کر پودے سے ساج کو نئی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔“^{۲۰} اسی بات کا اظہار سائرل زیٹ نے کیا ہے:

” ایک آئیڈیالوجی کی حیثیت سے اشتراکیت فریب سے ظاہری مماثلت رکھنے والا عنصر ہے۔ یہ سیاسی فکر و عمل کا ایک نظام ہے اور مذہب کے متبادل (Substitute) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے تبدیلی ادیت کے نظریہ کی جب تاریخ پر تطبیق کی جاتی ہے اور مستقبل میں اس کی تغلیل Projection کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانیت کے آخری ہٹ کے طور پر ایک عالمگیر نظام کا تصور پیش کرتا ہے جس میں پیداوار اجتماعی ہو اور ایک غیر طبقائی سماج میں عالمگیر مادی فراوانی کا دور درہنہ“^{۲۱}

19. Carew-Hunt, R. N., *Marxism: Past and Present*, Geoffrey Bles, London, 154, P.S.

20. Carew-Hunt, *Marxism*, p. 167.

21. Zebot, Cyril A., *The Economics of Competitive Co-existence*, Praeger, London, 1964, p. 24.

اشتراکیت کے ایک مکمل نظام ہونے کی بات صرف نظری طور پر ہی ثابت نہیں ہے بلکہ دوس کا تجربہ ہر حیثیت سے اس کی تائید کرتا ہے۔ کیروینٹ کے مفاد میں جس نظریہ پر سوئٹ نظام کی بنیاد ہے وہ ایک مادہ پرست آئیڈیالوجی ہے۔ اس کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ معاشی عامل اولیں اہمیت کا حامل ہے، اس کے سوا کچھ ہے اس کا کس ہے۔ اس کا سب سے پہلا اور منطقی تقاضا یہ ہے کہ معاشرے کی معاشی بنیاد کی تشکیل فرمید یعنی ان مسائل پیداوار کو قومی ملکیت میں لایا جائے جنہیں سرمایہ داری اب تک اپنے فائدے کے لیے استعمال کر رہی تھی۔ یہ وسائل پیداوار اب مزدوروں کی تحویل میں ہوں گے۔ لیکن مزدور ان پر تصرف کے بارے میں مجبور ہیں، اس لیے نئی منصوبہ بند معیشت کی ذمہ داری اشتراکی پارٹی پر ہوگی جو اب واحد طبقہ کی ماتخذہ تصور کی جاتی ہے۔ اس کا لازمی تقاضا ایک جماعتی حکومت ہے، اس لیے کہ ایسا کوئی گروہ یا مفاد باقی ہی نہیں رہا ہے جس کی ناعدگی دوسری پارٹی کرے گی۔ اگر وہ حکومت سے اتفاق کرتی ہے تو وہ بے کار ہے۔ اگر اختلاف کرتی ہے تو باغیانہ ہے۔ ہر حکومت کے اختیارات کی بھی کوئی حد نہیں ہو سکتی فرد معاشرہ اور گروہ کے ایک فرد ہی کی حیثیت سے اپنا کوئی وجود رکھ سکتا ہے، اس سے باہر نہیں۔ قانون انحرافی اور تخریبی عناصر کی سرکوبی کا آلہ بن جاتا ہے۔ غلط فہمی، آرٹ، اب، اور ساتش کوئی بھی اس نظام میں اپنے لیے آئو مقام کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ ان سب کی اصل قدر و قیمت اور حقیقی حجاز اس میں

ہے کہ نظام کی کارکردگی میں کیسے اضافہ کریں۔ خاندان کا نظام اس حد تک گوارا کیا جائے گا جس حد تک ریاست اسے مفید مطلب سمجھے۔ بچے معاشرے کی دولت ہوں گے، والدین کی ذاتی دولت نہیں۔ مذہب کا گوارا کیا جانا بہت ہی مشکل ہے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے وفاداریوں میں ثنویت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے اس معاشرے میں کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے جس میں سب کچھ قیصر کا ہے نئے نظام کا مہندس کسی رقیب کو گوارا نہیں کر سکتا۔^{۲۲}

یہ ایک بلند پایہ نظام کی رائے تھی۔ اب ایک چوٹی کے مداح کی رائے بھی سن لیجئے۔ بات وہ بھی یہی کہتا ہے اور کوئی لگی ٹیٹی رکے بغیر کہتا ہے، اور اعلیٰ یہ ہے کہ اس کلیت پسند مزاج اور ذاتی اور ثنویت کے ختم کیے جانے کے بارے میں زبان بھی تقریباً یہی استعمال کرتا ہے۔ کیرل ہنٹ سب کچھ قیصر کے لیے کہتا ہے اور شہزاد سوشلسٹ مفکرین سڈنی اور پرنس ویب اتوار اور باقی ایام کی تفریق کے مٹ جانے اور سب کے ایک رنگ میں رنگ جانے کی خبر دیتے ہیں۔ دامنچ رہے کہ اتوار اور باقی ایام کی تبلیغ بڑی معنی خیز ہے۔ حیسانیت میں اتوار خدا کا دن تھا اور باقی تمام دن دنیا پرستی کے۔ ایک اہم چرچ من منکر نے بہت غریب لکھا تھا کہ یورپ کی عیسائی انسانیت کا حال یہ ہے کہ اتوار کو ہر عیسائی کی بائبل اس کا بھی کھاتہ (Lodger) ہی جاتی

22. Carew-Hunt. *The Theory and Practice of Communism* p. 213-214.

ہے اور ہفتہ کے باقی تمام دنوں میں اس کا بھی کھانا اس کی بائبل ہوتی ہے۔ سٹرن ویب اور اس کی اہلیہ برطانیہ کے مشہور سوشلسٹ ہیں۔ ان کی کتاب اشتراکی روس کے ایک نہایت مستند اور دو تازہ مطالعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اشتراکیت کو ایک مکمل تہذیب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "Soviet Communism : A New Civilization" اس کا ثبوت ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۵ء میں آیا ہے ترجمہ نگین نے نئی تہذیب کے آگے ایک سوالیہ نشان (؟) لگا دیا تھا۔ لیکن بعد کے حالات کے مطالعہ کے بعد انہوں نے سوالیہ نشان ہٹا دیا۔ آخری ایڈیشن ۱۹۴۴ء میں ایک جگہ میں اس بات کا فیصلہ کن انداز میں اظہار کیا کہ وہ ایک نئی مادی تہذیب ہے۔

* یہ بلاشبہ تو جہات اور جادو وغیرہ کے سلسلہ کے ان تمام بچے بچے کے تصورات کا ابطال کرتی ہے جو بیسویں صدی کا انسان سرمایہ داری جو جہات میں کائنات اور اس میں انسان کے نظام کے بارے میں دکھتا ہے۔ روس اشتراکیت ایک نئی آئیڈیالوجی اور نئی معاشیات دیتی ہے۔ دوسرے کو ظلم کے لیے کوئی مدد نہیں کرتی اور سامنس کی ترقی پر انحصار کرتی ہے بلکہ اور یہ بات اس تہذیب کی امتیازی خصوصیت ہے، ہر اس ظلم کو مٹانے یا اسے اپنے مضابطہ اخلاق کی بنیاد بنانے سے انکار ہی ہے جو محض روایتی عقائد سے ماخوذ ہے اور جہان کی نفسی یا مذہبی معسک کی خیال دہانیوں کے سوا کوئی عقلی بنیاد فراہم نہیں کرتا۔

پھر یہ مصنفین کہتے ہیں کہ اب یہی نئی غیر مذہبی اخلاقیات پروری زندگی میں

جاری و ساری ہیں، معاشی پیداوار قومی ملکیت کے تحت اجتماعی مصرف کے لیے جو رہی ہے اور منصوبہ بندی کے ذریعہ جو رہی ہے۔ اتوار و مذہبی زندگی اور غیر کے یقیناً یا مکار و باری زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ ایک شہری ٹیکسٹری اور ملکیت میں بھی اسی نظام اقدار کے مطابق عمل کرتا ہے جس کے مطابق گھر، کھیل یا انتخابات میں کرتا ہے۔ مذہبی اور مذہبی ایک ہو چکے ہیں۔ مذہب کی نہیں دیوت کی بنیاد پر دورنگی کی جگہ ایک رنگی پیدا ہو گئی ہے، ایکسی لادینی کی ایک رنگی؛

مندرجہ بالا بحث ہمارے قائم کردہ نکات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اب ہم کو صرف دو امور کی وضاحت کی مزید ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ہم نے جو کہ اشتراکیت کی اس اصل اور مرکزی تحریک کے بارے میں کہا ہے، وہ ان سوشلسٹ تحریکات کے باب میں بھی صحیح ہے جو اپنے کمارکسی نہیں کہتیں۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ کیا ہم کیونززم اور سوشلزم میں کوئی تفریق کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر یہ دو مختلف چیزیں ہیں، تو ان میں کیا فرق ہے۔ ان دونوں امور کی وضاحت کے بعد سوشلزم کی نوعیت کے بارے میں غالباً کوئی اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔

سوشلزم اور کیونززم میں فرق

پہلی بات کے بارے میں ہم یہ عرض کریں گے کہ مارکس اور اینجلز کے بعد پوری اشتراکی فکر پر ان کے اثرات بہت نمایاں ہیں جن لوگوں نے جزوی طور پر ان سے اختلاف کیا ہے یا کچھ دوسرے انداز میں اشتراکیت کی حوت کو پیش کیا ہے، وہ بھی مارکس کی بنائی ہوئی ساخت (Framework) سے باہر نہیں نکل سکے ہیں تھا اہم سوشلسٹ مفکرین نے انفرادی اور قومی ملکیت کو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے

درمیان فرق کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اگر کسی دائرہ میں کوئی نمایاں فرق ہے تو وہ سیاسی ہیئت اور طریق انقلاب کا دائرہ ہے۔ بنیادی فکر یا سوچنے کے انداز کا نہیں۔ اس لیے دیکھئے کہ برطانیہ کی لیبر پارٹی اشتراکی منشور کو اپنی فکر کے ماخذ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ اور مارکس اور اینجلز دونوں کو ساری مزدور تحریک کا مرجع قرار دیتی ہے۔ قومی ملکیت کے مسئلہ پر تقریباً تمام سوشلسٹ مفکرین اور جماعتوں کے درمیان اتفاق رہا ہے اور یہی ان کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اور ساری اصلاح کا عہد اس ایک چیز پر کھنڈا دراصل مارکسزم کی روح ہے۔ دوسرے سوشلسٹ کسی ان دلائل کو بھی استعمال کرتے ہیں جو مارکس نے دیئے، کبھی صرف نتیجہ اور ماحصل بحث کو پیش کر دیتے ہیں اور کبھی اپنی طرف سے دوسرے دلائل کا اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن مرکزی فکر ان سب کی ایک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اصل اور مرکزی خیال کے اعتبار سے سوشلزم اور کمیونزم میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ اپنے اصل مقاصد کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ فرق جو بھی ہے وہ ضمنی اور فرعی ہے، بنیادی اور اساسی نہیں۔ چونکہ اس مسئلہ پر خاصی

۱۳۰ ملاحظہ ہو۔ پیش نظر از لیبر پارٹی، اشتراکی منشور سوشلسٹ گنگ میل، لاسکی منٹور۔ ۹
۱۳۱ ملاحظہ ہو۔

Laidler, Harry W.. Social-Economic Movements.

Routledge & Kegan Paul, London, 1953, p. 110.

انسانی کمیونٹی یا جٹ انیکا میں جامع بنناؤ شا کا معنوی بھی اس سلسلے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ثولیدہ نگری پائی جاتی ہے، یا پیدا کی جاتی ہے۔ اس لیے ہم اس کے ضروری پہلوؤں کی مختصر اوجھڑا کر دیتے ہیں۔

سوشلزم کے مقابلہ میں کیونزیم نسبتاً پرانی اصطلاح ہے۔ پرانی لٹریچر میں کیونزیم کا لفظ بار بار استعمال ہوتا نظر آتا ہے۔ مور (Muir) کی خیال جنت (Utopia) میں یہ غالباً پہلی بار دسائیل پیداوار کی اجتماعی ملکیت کے معنی میں استعمال ہوا اور اس طرح ایک سماجی نظام کا تصور ابھرا۔ اس سے پہلے کی تمام تحریکات میں یہ لفظ اشیائے صرف کے اشتراک کے لیے بولا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کے شروع میں سوشلزم کا لفظ مستعمل ہوا اور ایک اجتماعی نظام اور تحریک کی حیثیت سے یہ لفظ پہلے پہل رابرٹ اوون (Owen) اور اس کے متبعین کی تحریکات میں استعمال ہوا۔ ۱۸۴۵ء سے ۱۸۴۸ء تک اسے بڑا چارن ماحصل رہا۔ مارکس اور اینیبلز نے اپنے اس دور کے سوشلسٹوں سے جنہیں وہ خیال کہتے ہیں، تمیز کرنے کے لیے کیونسٹ کہا۔ پارلی کا نام کیونسٹ لیگ ادا اپنے نظریہ کو کیونزیم کہا۔ جلد ہی اس ٹکڑا کا اٹنا اثر ہوا کہ دونوں میں تفریق مشکل ہو گئی۔ پہلی بین الاقوامی تحریک کے بعد دونوں لفظ تقریباً مترادف کی حیثیت سے استعمال ہونے لگے۔ خود مارکس اور مائیکس نے اپنے سوشلسٹ کہا شروع کر دیا۔ اینیبلز نے سائنسی سوشلزم کی اصطلاح کو درج دیا۔ بقول سویزی۔

”انتہیاً کیونسٹ اور سوشلسٹ کے الفاظ کم و بیش ایک دوسرے کے متبادل کی حیثیت سے استعمال ہونے لگے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کیونسٹ کی جگہ سوشلسٹ تنے لے لی۔ کیونسٹ خسر کر سوشلسٹ

۳۱۵

تحریک کے مقاصد اور طریق کار کا مستند اور متفق ملیہ بیان سمجھا جانے لگا۔
 اس طرح من روشدم، روس شدنی کی کیفیت پیدا ہو گئی اور یہ سلسلہ تقریباً پہلی
 جنگ عظیم کے اختتام تک جاری رہا۔ روس کے اشتراک کی انقلاب کے بعد پھر فرق و تنا
 پیدا اور یارپ کے اشتراکیوں نے اپنے کو سوشلسٹ کہا جب کہ روس نے کیونززم کی
 اصطلاح استعمال کی، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ روس کا دستور بھی روس کو ایک
 سوشلسٹ ریاست کہتا ہے، کیونست ریاست نہیں، یہ فرق سیاسی اور ایک
 تک طریق کار کا فرق تھا، اصل مقاصد کا نہیں۔ حقیقی منزل اور بنیادی رویہ کے اعتبار
 سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسٹورڈ ڈکشنری میں کیونززم اور سوشلزم
 کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

سوشلزم

کیونززم

“A theory or policy of social organizations which advocates the ownership and control of the means or production, capital, land, property, etc., of the community as a whole, and their administration or distribution in the interests of all.”²⁵

“A theory of society according to which all property should be vested in the community and labour organized for the common benefit.”²⁶

25. Sweezy, *Socialism*, p. 9.

26. *Shorter Oxford Dictionary*, p. 352.

27. *ibid.*, p. 1936.

”سماجی تنظیم کا ایک ایسا نظریہ یا
مسک جو تمام وسائل پیداوار سرکاریہ
زمین، بلک وغیرہ پر پورے معاشرے
کی ملکیت اور اجتماعی تصرف کا مدنی ہو
اور جس کا مقصد سب کے مفاد میں ان
وسائل کی تنظیم اور تقسیم ہو۔“

”سماج کا ایک ایسا نظریہ جس کی
سے تمام ملکیت معاشرہ میں تقسیم
ہوتی چاہیے اور محنت کی تنظیم مفاد عامہ
کی خاطر انجام پانی چاہیے۔“

سورنٹی کیمریوینٹ، لوکس، ہیوسے سی وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ اپنے
اصل مقاصد اور منزل اور بنیاد کے اعتبار سے دونوں میں کوئی اساسی فرق نہیں ہے۔
ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک دو سوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔
”جہاں تک ان مقاصد کا تعلق ہے جو ان دونوں کے سامنے ہیں
ان کی رو سے سوشلزم اور کمیونزم تقریباً باہم مترادف اور قیابل اصطلاحات
(Interchangeable terms) ہیں۔۔۔۔۔ ان کے درمیان جو بھی
اختلافات ہوں اصل مقصد اور منشا کے اعتبار سے ایک ہیں، فرق
ذرائع کا ہے، مقاصد کا نہیں۔“
پال ہیوسے سی لکھتا ہے کہ:

28. Socialism, pp. 8-14.

29. Carew-Hunt, The Theory and Practice of Communism, p. 5.

سوشلزم اور کمیونزم کی اصطلاحات اپنے معاشی معنی میں تقریباً ہم معنی ہیں۔ اس لیے کہ دونوں نظاموں کا جن کا فرق کیفیت کا نہیں کیت کا ہے، آخری مقصد انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت اور آزاد کاروبار کی جگہ سرکاری منصوبہ بندی ہیں۔^{۳۰}

لوکس کا خیال ہے کہ فرق صرف زمانی سیزاں کا ہے۔ سوشلسٹ بھی اپنا طویل المدت مقصد کمیونزم ہی کو کہیں گے جبکہ کمیونسٹ اپنے قلیل المدت یا فوری مدت کی حیثیت سے سوشلزم کو پیش کرتے ہیں۔^{۳۱}

اس مقصدی اشتراک اور یک رنگی کے اعتراف کے بعد مزوری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ بھی بتاویں کہ علمی اعتبار سے ان کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے وہ کیا ہے۔ اگر تمام اہم مکاتیب نگ کا تجزیہ کیا جائے تو دو واضح رجحان ملتے ہیں۔

۱۔ جمہوریت پسند اشتراک۔ ان کا کہنا یہ ہے سوشلزم وسائل پیداوار کو قومی تحویل

30. Paul de Hevesy, *The Unification of the World*.

Pergamon Press, Oxford, 1966, p. 98.

31. Loucks, William N., *Comparative Economic Systems*,

Harper & Bros., New York, (Oxford edition for students), 1961, p. 187.

اس سلسلہ میں مزید شواہد کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ہائیکو پیڈیا برٹانیکا، مقالہ سوشلزم و کمیونزم اور یونیورسٹی آف کینزس کی کتاب سوشلزم، مقالہ سوشلزم اور نیپالی سوشلزم پر نوٹس۔

میں تو لینا چاہتا ہے۔ لیکن انقلابی اور تشددانہ طریقہ سے نہیں، بلکہ ایک تدریجی،
اصلاحی تبدیلی کے ذریعہ جس میں عوام کی رائے کو سفر کر کے انہی کے دونوں سے اشتراکی
قومیں برسرِ اقتدار آئیں گی۔ پارلیمانی قانون سازی کے ذریعہ اصلاحات نافذ ہوں گی،
بالواسطہ ذرائع کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔ اور عوام کی آزادیوں اور جمہوری فضا کی
حفاظت کی جائے گی۔ اس مکتب فکر کی طرف ایک فرق کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے
اور وہ یہ کہ اشیائے صرف میں اجتماعی ملکیت اس کے پیش نظر نہیں ہے اور نہ
ہی یہ ریاست کے ادارے کے بالکل فنا ہو جانے کا قائل ہے جب کہ کیونزم اپنی
انسانی شکل میں ان کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔

۲۔ مارکس اور اس کے متبعین ان دونوں اصطلاحات میں جو اصولی فرق کہتے ہیں
اسے پہلی مرتبہ خود مارکس نے ۱۸۷۳ء میں بیان کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک
اشتراکی ملکیت کا اولین یا جمہوری دور ہو گا اور دوسرا اس کا آخری اور تکمیلی دور۔
اولین دور میں مزدوروں کی آمریت قائم ہوگی۔ ریاست موجود رہے گی، اس کو
چلانے والے ہاتھ بدل جائیں گے۔ اُجرت کے تعین میں بھی کارکردگی کو ملحوظ
رکھا جائے گا۔ البتہ قومی ملکیت کا نظام نافذ کر دیا جائے گا اور وہ آہستہ آہستہ

32. "Critique of the Gotha Programme," *Selected Works*, Moscow, Vol. II.

یہ بات زیادہ صفائی کے ساتھ لینن نے کہی ہے

دور رس سماجی تبدیلیاں لے آئے گا۔ اس عبوری دور کے اختتام پر جو دور قائم ہوگا وہ اصل اشتراک دور ہے۔ اس میں غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں آئے گا۔ فوکل کوئی ملک نہیں ہوگا۔ کوئی ریاست یا آئین جبر نہیں ہوگا۔ پیداوار کی فراوانی ہوگی۔ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے گا وغیرہ۔ مارکس نے پہلے کہ ابتدائی دور اور سوشلزم کا دور کہا ہے جبکہ آخری مرحلہ کو کمیونزم کا آخری اسٹیج کہا ہے۔ یعنی اس تقسیم کو اور بھی نمایاں کیا اور ریاست اور انقلاب میں زیادہ صاف لفظوں میں پہلے اور عبوری دور کو سوشلزم اور دوسرے دور کو کمیونزم کہا۔ اس مناسبت سے روس کے دستور نے روس کو ایک سوشلسٹ ریاست قرار دیا۔ کمیونزم کا ذکر اس میں صرف کمیونسٹ پارٹی اور اس کے مقاصد کے ذیل میں ہے۔ البتہ اشتراک پارٹی نے اپنے تیسرے پروگرام میں (۱۹۲۷ء) کمیونزم کی تعمیر اور ۱۹۲۷ء تک غیر طبقاتی معاشرہ کے قیام کو اپنے ماننے رکھا ہے۔ اس پروگرام کی تکمیل کے بعد کیا صورت ہوتی ہے، ابھی کہنا مشکل ہے۔ لیکن فی الحال تو خود روس کا نظام بھی سوشلزم پر مبنی ہے، اور کوئین کے کہنے کے

۱۹۲۷ء واضح رہے کہ اشتراک پارٹی نے اپنا مانگیر پروگرام سب سے پہلے ۱۹۱۷ء میں پیش کیا تھا اور اسے پہلا پروگرام کہتے ہیں۔ اس میں اشتراک انقلاب کی عام دعوت دی گئی ہے۔ دوسرا پروگرام ۱۹۱۹ء میں آیا اور اس میں روس میں سوشلسٹ ریاست کی تعمیر کا پروگرام پیش کیا گیا۔ اور ۱۹۲۱ء میں سوشلسٹ نظام کو بالآخر کمیونزم سے جو آپہنگ کہنے اور اس آخری مرحلہ کو طے کرنے کا پروگرام پیش کیا گیا ہے۔

بعد ۲۰ سالہ پروگرام کے سلسلہ میں وہ جوش و خروش بھی نہیں ہے جس کا نظاہر
خروشیعت کر رہا تھا۔

اس وقت تک کی بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

۱۔ سوشلزم اور کمیونزم میں جزوی اختلافات کے باوجود مقصد اور بنیادی فکر کا اتفاق
پایا جاتا ہے اور ہم ان دونوں الفاظ کو ہم معنی اصطلاحات کے طور پر استعمال
کر سکتے ہیں۔

۲۔ سوشلزم ایک تمدنی نظریہ اور ایک مکمل نظام حیات ہے، جو مادیت اور اجتماعیت
کی بنیادوں پر معاشی وسائل کی قومی ملکیت کے ذریعہ ایک نیا سماج قائم کرنا چاہتا
ہے۔ وہ ملکیت پسند سماج ایک بنیادی اصول پر مبنی ہوگا اور اس میں روح
اور مادہ کی شمولیت اور دین و دنیا کی تفریق کا کوئی موقع نہ ہوگا۔ روح کی نفی اور
دین و مذہب کا ابطال اس کا نقطہ آغاز ہے اور لادینییت اور مادیت کی بنیادوں
پر پوری زندگی کی تعمیر اس کے پیش نظر ہے۔

۳۔ اس کام کا انجام دینے کے لیے اشتراکیت معاشی بنیاد کو تبدیل کرنا چاہتی ہے اور
اس کا دعویٰ ہے کہ وسائل پیداوار کی قومی ملکیت کے نتیجہ میں زندگی کے ہر پہلو میں
میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوں گی اور ایک نیا تمدن اور نئی تہذیب وجود میں
آئے گی۔ یہی تہذیب اشتراکیت کا مقصد ہے۔ ہم نے یہ بحث اتنی تفصیل
سے اس لیے کی ہے کہ اشتراکیت کی نوعیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی باقی
نہ رہے۔ جسے اس نظریہ کو قائم کرنا ہے وہ بھی سوچ کچھ کہ اور اس کے سامنے

مقتضیات کے شعور کے ساتھ اسے قبول کرے اور جسے اس کو درد
 کنا ہے وہ بھی یہ جان لے کہ وہ اسے کیوں ناپسند کرتا ہے۔

سوشلزم کو جانچنے کے معیار

سوشلزم کو جانچنے اور پرکھنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک طریقہ نگار و نظر کے مختلف گوشے ہمارے سامنے لاتا ہے اگر ہم تمام مندرجہ معیارات کو سامنے رکھ کر بحث کریں تو گفتگو بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لیے ہم چند پہلوؤں پر صرف سرسری نظر ڈالیں گے۔ اور چند دوسرے گوشوں پر نسبتاً تفصیلی نگاہ۔ اس سلسلہ میں جو اہم معیارات ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ عقلی تنقید اور تجربے کے ذریعہ اشتراکی نظریہ کا جائزہ اور یہ محقق کرنے کی کوشش کر وہ کہاں تک یعنی برصداقت ہے اور زندگی اور کائنات کے حقائق سے مطابقت رکھتا ہے۔

۲۔ فکری اور عملی دونوں پہلوؤں سے اس امر کا جائزہ کر وہ کیسی تہذیب قائم کرتا ہے اور انسان کی زندگی کے مسائل کو کہاں تک کامیابی کے ساتھ حل کرتا ہے۔ اس میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اور حق و انصاف کا کہاں تک بول بولا ہے۔

۳۔ محدود معاشی نقطہ نظر سے بھی اشتراکیت کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کا سب سے بنیادی دھوئی معاشی میدان ہی میں ہے۔ اس لیے اس پہلو سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ اشتراکیت کا معاشی پروگرام کہاں تک حقیقت پسندانہ

ہے اور شاخ کی روشنی میں ہر معاشی مثال (Model) اشتراکیت نے پیش کیا ہے اس میں انسانیت کے لیے کتنی کشش ہے؟

۴۔ ہر اشتراکیت کو خود اس کے اپنے دیتے ہوئے معیار پر بھی پرکھا جاسکتا ہے۔ یعنی اشتراکی نظریہ اور عملی مثال میں کتنی مطابقت ہے اور خود اپنے اصولوں پر وہ کہاں تک پوری اترتی ہے۔

۵۔ مطالعہ اور محاسبہ کا ایک اور طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ اشتراکیت اور اسلام کا تقابل و موازنہ کیا جائے کہ ان دونوں میں اشتراک اور اختلاف کے کون کون سے پہلو ہیں۔

ان میں سے ہر معیار اپنے طور پر بے حد اہم ہے اور بحث و نظر کے بہت سے پہلوؤں پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ مسلمانوں کے سوچنے بچنے والے عناصر کو ان میں سے ہر نقطہ نظر سے حالات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور اچھی طرح چھان چھک کر سوشلزم کے بارے میں اپنا موقف طے کرنا چاہیے۔ محض جذباتیت یا نعروں بازی سے ان مسائل کو حل نہیں کیا جاسکتا۔

اشتراکیت کے مثبت پہلو

اشتراکیت شروع ہی سے محض ایک نظریہ نہیں رہی، بلکہ اس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔ نظریہ نے جن لوگوں کو متاثر کیا وہ اس کو بروئے کار لانے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ پھر ہر کس نے اپنے تاریخی تجزیہ سے یہ تاثر پیدا کیا کہ سرمایہ داری کا نظام موت کی آغوش میں ہے اور نیا اشتراکی نظام تاریخ کی ناگزیر قوتوں کے سہارے طبعاً ہونے والا ہے۔ انقلاب و شک و سہا ہے، چار اکام اس کے لیے دروازے کھول دینا ہے۔ اس نقطہ نظر نے ایک عملی، پھل پیدا کر دی اور ہر طرف انقلابی گودہ اور تنظیمیں حرکت میں آ گئیں۔ یورپ کے مختلف ممالک میں اشتراکی پارٹیاں قائم ہوئیں مگر اس نے خود ایک بین الاقوامی تحریک بننے پر پار کرنے کی کوشش کی لیکن دس سال کی کوششوں کے بعد وہ تحریک منتشر ہو گئی۔ انیسویں صدی ہی میں ایک بار پھر بین الاقوامی تحریک قائم کرنے کی کوشش ہوئی اس میں انٹرنیشنل، لیبن اور یورپ کے بیشتر سوشلسٹوں نے

34. International Working Men's Association, (1864-1876).

35. Second International (1889-1914).

حصہ دیا لیکن دوسری جنگ کے آغاز پر یہ بھی قومیت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ فرانس میں ۱۹۱۷ء میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ تحریک ناکام رہی پہلی جنگ کے آخری دنوں میں روس میں اشتراکی پارٹی کو کامیابی حاصل ہوئی اور اکتوبر ۱۹۱۷ء میں پہلی اشتراکی ریاست قائم ہوئی۔ مغربی یورپ میں سوشلسٹ پارٹیاں وقتاً فوقتاً برسرِ اقتدار آتی رہیں لیکن جس نوعیت کی تبدیلی وہ لانا چاہتی تھیں اس کا پورا موقع ان کو نہ مل سکا۔ روس میں یہ موقع بددعہ کمال حاصل رہا اور یہی وجہ ہے اس کے بعد سے روس بین الاقوامی اشتراکی تحریک کا قائد اور سب کے لیے نمونہ بن گیا۔ وہ سوشلسٹ جمہور روس کے نظام کے کچھ پہلوؤں سے اختلاف کرتے ہیں وہ بھی اس تجربہ کو بر نظر تحسین دیکھتے ہیں۔ روس میں اشتراکیت کو ردِ عمل آنے اب ۵۰ سال کی مدت ہو چکی ہے اور یہ زمانہ کسی بھی تہذیبی تجربہ کو جانچنے اور پکھنے کے لیے کافی ہے۔ اس وقت جو فصل روس میں برسرِ اقتدار ہے وہ انقلاب کی آغوش میں پٹی ہے اور اشتراکیت کے سایہ میں پروان چڑھی ہے۔ دوسری جنگ کے بعد مشرقی یورپ کے مختلف ممالک میں اشتراکی انقلاب برپا ہوئے اور ۱۹۵۹ء میں چین میں اشتراکیت برسرِ اقتدار آگئی۔ ان تمام مقامات پر بھی اسے اپنے نظریہ کے مطابق سماج کو تبدیل کرنے کے لیے تقریباً ۲۰ سال کی مدت مل چکی ہے۔ آج اشتراکیت کا ایک طالب علم اس پوزیشن میں ہے کہ اس کا نظری اور عملی دونوں پہلوؤں سے مطالعہ کرے اور تحقیق و جستجو کے بعد کوئی راستے قائم کرے۔

۱۔ اس وقت اشتراکیت کی دنیوی پوزیشن یہ ہے۔

کل دنیا	اشتراک دنیا	سرمایہ دار کیپ	غیر ملک ملک
رقبہ (۱۹۹۳-۱۳۵۶۲)	۲۵۶۲	۱۵۶۰	۸۵۶۰

دلیں کلومیٹر

فی صد	۱۰۰	۲۶۶۱	۱۱۶۱	۶۳۶۸
آبادی	۱۱۳۶۰	۵۶۶۳	۱۵۳۶۷	
(دلیں)				

فی صد ۳۵۶۳ ۱۹۶۶ ۶۸۶۱
نوٹ:- سرمایہ دار کیپ میں امریکہ، برطانیہ، مغربی جرمنی، فرانس، اٹلی، جاپان اور
ان کے مقبوضات کو شامل کیا گیا ہے۔

اس طرح دنیا کے کل رقبہ کا ۲۶ فی صد اور کل آبادی کا ۲۵ فی صد اشتراکیت کے
زیر سایہ ہے۔ یہ اس کی مادی اور سیاسی طاقت کا ایک اشاریہ ہے۔ پھر ان اشتراک
ملک میں معاشی، تعلیمی، سائنسی، معاشرتی اور عسکری میدانوں میں نمایاں کارنامے
انجام دیئے گئے ہیں۔ کچھ روس دنیا کی دوسری بڑی قوت کی حیثیت رکھتا ہے اور
سائنس اور فنیت (Technology) کے میدان میں اس نے بڑا اور اہم مقام
محصّل کر لیا ہے۔ زندگی کی دوڑ میں تقریباً ہر دائرہ میں وہ مغربی اقوام کا سیلابی کے
ساتھ مقابلہ کر رہا ہے۔ اگر صرف مادی نقطہ نظر سے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو شک
کے دامن میں بہت سی کامیابیوں کے نشان ہیں اور مغربی ملک سے کچھ پہلوؤں
سے پیچھے ہونے کے باوجود وہ آگے نہیں ہٹا کر سکتی ہے۔

نظام سرمایہ داری کے سائنسی مطالعہ کا آغاز

نظری اعتبار سے اشتراکیت کا ایک نمایاں کارنامہ سرمایہ داری کا مطالعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے معاشی نظریے (Economic theory)

پر جتنا کام ملے گا دوسرے اشتراکی مفکرین نے کیا ہے اتنا سرمایہ داری کے طلبہ و اڑوں

نے نہیں کیا۔ اور اس موخر الذکر گروہ نے جو کام کیا بھی ہے وہ اس جہل و غی کے جواب

میں ہے جو اشتراکیت نے پیش کیا۔ اس طرح اشتراکیت نے علمی تحقیق، مطالعہ اور

بحوث و محاولہ کا ایک نیا میدان کھولا۔ فرانسیسی اہل قلم اسے مؤثر انداز میں نے بہت

صحیح کہا ہے کہ مارکسزم دراصل سرمایہ داری کی سائنس (Science of Capitalism)

ہے۔ سرمایہ داری کی خامیوں پر سے پردہ اٹھانا اور ان رستے ہوئے ناموسوں کو

دنیا کے سامنے بے نقاب کرنا جو اس نظام ظلم نے جسم انسانی پر پیدا کر دیئے تھے اشتراکیت

کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔

نظام سرمایہ داری کی اصلاح

پھر اشتراکیت نے سرمایہ داری کو ایک اور پہلو سے بھی متاثر کیا ہے اور وہ یہ

ہے کہ اس کی تنقید کے ذریعہ سرمایہ داری کی خرابیوں کو دور کرنے اور اس کے تناقضات

کو دفع کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ گزشتہ سو سو سال میں جو بھی اصلاحات ملٹیٹاری

میں ہوئی ہیں ان میں سے بیشتر کا سہرا بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر اشتراکیت کے سر

ہے۔ یہی نہیں بلکہ اشتراکیت نے جو نظریہ پیش کیا اس کے زیر اثر معاشیات کی

اہمیت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی۔ اشتراکیت کی بے اعتدالی اپنی جگہ، لیکن دوسرے

تمام علوم میں معاشیات کو جس طرح نظر انداز کیا جا رہا تھا وہ بڑا غیر حقیقت پسندانہ تھا۔

اشتراک انکار کے ذریعہ اس پوزیشن پر نظر ثانی کی گئی اور تقریباً تمام ہی عمرانی علوم اس سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے دائرے میں بہت سی اصلاحات کیں اور بہت سے نئے مباحث پر گفتگو اور تحقیق کا اندازہ کھل گیا۔

علمی خدمات

عمرانی علوم میں تاریخی نقطہ نظر کو فروغ دینے اور معاشرہ کے مختلف پہلوؤں کو ایک ہمہ گیر عمل کا جزو سمجھ کر شجریہ کہنے کے رجحان کو تقویت دینے میں بھی اشتراک فکر کا خاصا دخل ہے۔

اسی طرح طریق استنتاج (Pragmatic method) کو رواج بخشنے میں بھی اشتراکیت کا حصہ ہے۔ اس نے نظریہ کے ساتھ عمل کی اہمیت کو واضح کیا اور نظریات کو عمل کی تجربہ گاہ میں پرکھنے کی روش ڈالی۔

اشتراکیت کے یہ سارے علمی اثرات قابل ذکر اور ایک متکب لائق تحسین ہیں۔

انقلاب قوت

پھر اشتراکیت نے مغربی دنیا کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پیدا کیا ہے۔ غیب سے انحراف اور انکار کے بعد اس میں ذہنی تردید اور شک (Scepticism) کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ انسان عقیدہ کی قوت سے محروم ہو گیا تھا۔ ہر علم کسی خاص ست میں ترقی کر رہا تھا اور سب کو جوڑ کر ان میں یک دگی پیدا کرنے والا کوئی اصول باقی نہ رہا تھا۔ احموری باویت اور لذت پرستی بلاشبہ ہر میدان میں موجود تھی لیکن محض یہ کوئی انضمامی قوت (Integrating force) نہیں رہی سکتی تھی۔ اس لیے بڑے پیمانے پر ذہنی انتشار اور شکوک و شبہات رہنا ہوئی اور کیفیت یہ ہو گئی کہ

جانا ہوں تھوڑی دیر ہر ایک تیز رو کیساتھ

اس پس منظر میں اشتراکیت نے مغربی تہذیب کی ادھوری مادیت کی تکمیل کی اور مکمل مادیت اور معاشی عوامل کی اولیت کے اصول پر فکر و عمل کے ہر شعبہ کو منظم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے تاریخی وجہ (Historical necessity) کے تصور کے ذریعہ ایک نیا ایمان پیدا کیا۔ مستقبل کو بڑی امید بنایا اور انقلاب کو تمام آرزوؤں اور امنگوں کا مرکز و محور بنا دیا۔ اب دکھی انسانیت کو نجات کی ایک راہ نظر آنے لگی۔ عقیدہ سے محروم دنیا کو ایک نیا عقیدہ مل گیا۔ جو سرمایہ دارمی کے مظالم کا نشانہ تھے ان کے لیے نئی زندگی کا ایک تصور اُبھر آیا۔ اس چیز نے تمام مظلوم اور پس ماندہ عناصر کو اللہ ذہین طبقات (Intelligentsia) میں سے پر عزم، باہمت اور حوصلہ مند اشخاص کو اس نئی تحریک سے وابستہ کر دیا۔ اب ان کے دیے ہوئے احساسات کو اظہار کا راستہ مل گیا۔ سو یا ہوا انقلابی جذبہ بیدار ہو گیا۔ قوت عمل کو پامال کرنے والی تشکیک کی جگہ روش مستقبل کی امید نے لے لی۔ اشتراکیت نے پرانے مذہب کی بیخ کنی کی۔ لیکن خود ایک مذہب بن گئی وہ عینیت (Idealism) کی منکر تھی، لیکن اس کے اپنے فروغ کا سب سے بڑا سبب اس کی عینیت ہی ثابت ہوئی یہ وہ پہلو ہے جس پر اس کی مدی کامیابی کا انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھ جیسے ٹولے ملکر بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ

”کیونکہ ہم کام فروغ اس کی عینیت اور تصدیق (Idealism)

کی بناء پر ہے، حقیقت پسندی اور مادیت کی وجہ سے نہیں، اس

کے روحانی امکان کی وجہ سے ہے، مادی توقعات کی بنا پر نہیں بنتے
اور عیسویں صدی کے سب سے اہم معاشی مفکر کینس نے اس حقیقت کو یوں
اداک کیا ہے کہ

”اگر اشتراکیت کوئی کامیابی حاصل کرتی ہے تو وہ اس کے مسلط کردہ
معاشی تکنیک کی وجہ سے نہیں ہوگی، بلکہ ایک مذہب کی حیثیت
سے ہوگی۔“

مشہور اشتراکی اتحاد، کیرلوینٹ اس بات کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان
کرتا ہے۔

”اشتراکیت غربت اور خراب سماجی حالات کی پیداوار نہیں ہے۔
اس لیے کہ اس کی اصل اپیل نچلے اعلاس زدہ طبقات کے مقابلے میں
بہتر اُمیرت پانے والے مزدوروں اور تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ
کارکنوں کے لیے ہے۔ یہ اس امر کا نتیجہ بھی نہیں ہے کہ عوام میں
اب سرمایہ دارانہ نظام کی خباثتوں اور بے انصافیوں کا شعور پیدا ہو گیا
ہے اور نہ ہی یہ نظام پیداوار کی اکتادینے والی کیسانی کا نتیجہ ہے کیونکہ

37. Laski, Harold, J., *Communism*, Henry Holt & Co.,
New York, 1927, p. 250.

38. Quoted by Oscar Jaszi, "Socialism", *Encyclopaedia
of the Social Sciences*, Vol. XIV, p. 209.

اس امر کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ مزدور روٹیں کام سے کوئی نفرت رکھتے ہیں بشرطیکہ ان کو ملازمت کی ضمانت حاصل ہو اور ان کے معیار زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے، اور بے لگ تجزیہ ہمیں بالآخر اس نتیجہ تک لانا ہے کہ اشتراکیت ان نظریات کے مجدد کا نام ہے جنہوں نے ہماری زندگی کے اس خفا کو پکڑ لیا ہے جسے منظم مذہب کے انہدام نے پیدا کر دیا ہے اور جو زندگی پر لادرویت کے غلبہ کا لائق تجربہ تھا۔ اس نظام کا مقابلہ اگر کیا جاسکتا ہے تو ایک دوسرے ہمہ گیر نظام حیات ہی سے کیا جاسکتا ہے جو کچھ متبادل اصولوں کا علمبردار ہو۔

۴۱ Carew-Hunt, R. N., *The Theory and Practice of Communism*, op. cit., p. 6.

یہی نقطہ نظر سابق کمیونسٹ اور انگلستان کا کمیونسٹ پارٹی کے ترجمان *The Daily Worker* کے سابق ایڈیٹر ڈیوگلس ہائیڈ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مرثیہ نامہ میں پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو:

Hyde, Douglas. *The Answer to Communism*, London, 1951, pp. 44-50.

پہلیات صرف اس وظیفہ (Function) ہیں کہ جنہیں ہے جو مذہب کا اور تاریخ میں ادا کرتا ہے بلکہ اشتراکیت نے اپنے پیروؤں میں وہی تقلیدی ذہن پیدا کیا ہے جو مذہب کا خاصا راز ہے۔ اشتراکیوں کے لیے ہر کس اور اپنے بھلائی

اشتراکیت کے اس پہلو نے بیسویں صدی کی دنیا کو بے حد متاثر کیا ہے، لیکن سچی وہ پہلو ہے جس کی ترجمہ خالص اشتراکیت فکر (Framework) اور اصول تجزیہ کی روشنی میں نہیں کی جاسکتی۔ ایک نظریہ کی حیثیت سے اشتراکیت کی کامیابی

دہائی کی تحریراتِ ثنائی بتانی گا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی کتب کو وہی درجہ دیا جاتا ہے جو صحت سہادی کو دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کسی اور مثال کو چھوڑ دیتے صرف لینن کے خط سے یہ دو اقتباسات بغور پڑھ لیجئے۔

”اینگلز بالکل برحق تھا۔ میں اپنے زمانہ میں جب یہ سنا ہوں کہ اینگلز موقع پرست تھا تو مجھے بے حد دکھ ہوتا ہے۔ میرا رویہ ہر تاجرِ فکری کے لیے ہے۔ میں دھڑکی کرتا ہوں کہ آگے بڑھو اور صرف ایک پارٹی ثابت کرو کہ اینگلز سے کسی غلطی بھی ہوئی ہے۔ تم ایسا کبھی نہ کر سکو گے۔“

لینن خطِ بنام انیا اسلاند مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۱۶ء
 ”میں اب بھی مارکس اور اینگلز سے گہری محبت کرتا ہوں۔ ادیان کے خلاف کسی بد زبان کو خاموشی سے برداشت نہیں کر سکتا، نہیں! یہ دونوں تو اصل معیار ہی انسان ہیں۔ ہمیں لازماً ان سے یکساں چاہیے۔ اس بنیاد سے ہمیں سب کو اخراج نہیں کرنا چاہیے۔“

لینن خطِ بنام انیا ارماند، سوئٹزرلینڈ، جنوری ۱۹۱۷ء
 اس طرح ہمیں میں ماؤزے ٹنگ کی لال کتاب کو جس طرح صحیفہ آسانی کی

اشتراکیت کی فلسفیانہ بنیادوں پر ایک مغرب کاری ہے۔
اشتراک کی عالمگیریت

اشتراکیت نے بیسویں صدی کو نظریاتی مزاج دینے میں بھی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں جنہیں انسانی قوم پرستی کے بُت پر اشتراک کی عالمگیریت نے ایک نہایت ہی کامیاب مغرب لگائی ہے۔ اشتراک کی تجربہ کا مطالعہ اس پہلو سے بے مد معنی نہیں ہے کہ ایک نظریہ کس کس پہلو سے انسانوں کی قوتوں کو بیدار کرتا ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کیا کیا کام دے سکتا ہے۔ پھر تمام ہی علوم کے دائروں میں نظریہ کی بنیاد پر تحقیقی اور تخلیقی کام ہوا۔ چونکہ وہ نظریہ ایک متوازن نظریہ نہ تھا اور چونکہ وہ کائنات کی بنیادی حقیقتوں سے تصادم تھا اس لیے بلاشبہ اس نے ہزاروں سچائیوں اور مشکلات پیدا کیں، لیکن یہ بات کہ ایک نظریہ کس کس پہلو سے متاثر کن ہو سکتا ہے خود ایک دلچسپ موضوع مطالعہ ہے۔

معاشی تجربے۔

اشتراکیت نے بہت سے نئے تجربات بھی کئے ہیں اور یہ تجربات انسانیت کی شوک میراث ہیں، ان سے ہر قوم اپنی ضرورت، اپنے حالات اور اپنے

۱۔ حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ یہ کہہ کہا جاتا ہے کہ چینی سپاہیوں نے لائل آباد سے اقتباسات کی تلاوت کرتے ہوئے امریکی جہاز مار گرائے! یہ سب نڈھبی جذبہ کے اظہار کی صورتیں نہیں تو اور کیا ہیں؟ جیسی تو وائٹ نے کہا تھا کہ اگر خدا نہیں ہے تو ہمیں ایک خدا بنانا پڑے گا!

اسول و افتاد کی مناسبت سے استفادہ کر سکتی ہے۔ جس طرح ہم بہت سے معاملات میں مغربی سرمایہ داری کے کچے ہوتے تجربات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جس طرح بہت سے امور میں جمہوریت کے تجربے سے سبق لیکھ سکتے ہیں اسی طرح اشتراکِ تجربہ سے بھی بہت سی چیزیں سمجھی اور اخذ کی جاسکتی ہیں۔ البتہ ہر صورت میں اس امتیاز کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی چیز ہمارے دین و ایمان، ہمارے تمدن و معاشرت اور ہماری اقدار و حیات سے متصادم نہ ہو یا ان کے مزاج سے نامطابقت نہ رکھتی ہو۔ اشتراکیت نے جو مفید تجربات کئے ہیں ان میں سے ایک معاشی منصوبہ بندی ہے۔ مگر اس پہلو سے بھی اشتراکیت دوسری انتہا کو پہنچ گئی لیکن بے اعتدالیوں سے دامن بچاتے ہوئے اس پہلو سے بہت سی مفید چیزیں اخذ کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح یہ بات کہ ایک نظریہ کو کس طرح اور کس کس پہلو سے رد و بر عمل لایا جاتا ہے اور آج کی دنیا میں، اس کے مختلف ادوارات میں نظریہ کو کیونکر سمویا جاسکتا ہے یہاں بھی بہت سی امتیاطیں ضروری ہیں۔ بے اعتدالیوں اور تشدد سے بچنا ہوگا۔ لیکن کئی پہلو بہت مفید اور سبق آموز ہیں اور ان کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح معاشی ترقی کے سلسلہ میں انسانی سرمایہ کی تشکیل (Formation of Human Capital) اور پورے ترقیاتی عمل سے اس متغیر کا تعلق بھی ایک ایسا میدان ہے جس میں اشتراکِ تجربات سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ اشتراکیت کے مفید تجربات سے اس بنا پر صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دین و دھن تہذیب میں ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان ملک کو ان دونوں کے زہریلے پہلوؤں سے اپنے کو بچانا ہے اور مفید اور اپنے نظام کے لیے قابل قبول پہلوؤں سے بالغ ذہن اور آزاد رویہ کے ساتھ استفادہ

بھی کرنا ہے۔

اشتراکیت کی اخلاقی اصول

اشتراکیت نے اخلاق اور مذہب کی نفی کی ہے اور اپنے پورے نظام کو خالص مادی بنیادوں پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے اس کی پکار پر لبیک کہا ہے وہ اخلاقی جس کی بنا پر کیا ہے۔ اس نے انسانوں کی توجہ کو سرمایہ دارانہ نظام میں برپا ہونے والے ظلم و استحصال اور بے انصافی پر مرکوز کیا۔ اشتراکیت کے خالص مادی نقطہ نظر میں انصاف اور ظلم کا کوئی مقام بحیثیت اخلاقی تصورات کے نہیں ہے لیکن عام انسانوں کے لیے یہ الفاظ اخلاقی مفہوم ہی رکھتے ہیں اور سرمایہ داری کے خلاف ان کا غم و غصہ اخلاقی محرکات ہی کا پیدا کر رہے ہیں۔ اس پہلو سے اشتراکیت غیر ارادی طور پر ایک مفید کام کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، مگر اس کی نفی اس نے طبقاتی تصادم اور نفرت کو سداوے کر رکھی۔ اس نقصان دہ پہلو کے باوجود جو چیز کسی حیثیت سے بھی مفید تھی اس کا ذکر نہ کرنا ہم دیانت و انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ہم اشتراکیت پر جتنا بھی غور کر سکے ہیں ہماری نگاہ میں اس کے مفید اور مثبت پہلو میں یہی رہے ہیں۔ اور تنقیدی مطالعے سے پہلے ہم نے بلا تکلف ان کا اظہار کر دیا ہے۔

اشتراکیت کی نظری اُلجھنیں

اس مضمون میں ہم اشتراکیت کے نظری پہلو سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے۔
لیکن چونکہ یہ بھی اشتراکیت کو جاننے اور پرکھنے کا ایک اہم معیار ہے اس لیے ہم چند
ضروری نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ اشتراکیت کا صحیح کنزور پہلو اس کا بنیادی تصور ہے۔ یعنی معاشی عامل کی
اولیت اور بالادستی، یہ چیز عقلہ غلط، عملہ غلط، واقع اور تاریخی طور پر ناقابل
ثبوت ہے۔ اس کے لیے مارکس اور اس کے حامیوں نے جو بھی استدلال کیا
ہے وہ ایک دغا اور دھوکا ہے۔ انسان محض معاشی حیوان نہیں ہے اور نہ ہی

بھلے اس کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر عبدالحمد صدیقی کا مضمون "اشتراکیت کی نظری بنیادیں
اور ان کا تنقیدی جائزہ"۔ چراغ راہ اسلام نمبر ۱۲، جزیرہ مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو اشتراکیت اور
نظام اسلام از منظر الدین صدیقی، انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام از عبدالحمد صدیقی!

McFadden, *The Philosophy of Communism*"

Carew-Hunt, *"The Theory and Practice of Communism."*

Von Muris, *"Socialism"*

معاشی قوتیں اصل تاریخ ساز ہیں۔ انسانی زندگی بہت سے محرکات سے
اثر پذیر ہوتی ہے۔ سادہ تاریخ تہذیب کو کسی ایک جزوی تادمے کی
روشنی میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ کی جتنی بھی کوششیں ہوں گی
وہ سب خام اور غیر قیل بخش ہیں۔ اشتراکیت انسانی نفسیات کو سمجھ سکی
اور تہذیب کے عناصر ترکیبی کر۔ اس نے ہر چیز کو اپنے ایک مخصوص
تادمے پر صادق کرنا چاہا اور اس میں وہ بڑی طرح ناکام رہی۔

۲۔ اشتراکیت کا تصور کائنات و انسان بھی سراسر باطل ہے۔ اس نے انیسویں صدی
کے نصف ازل کی مادیت کو من و عن قبول کر لیا اور اس کی بنیاد پر ایک نکتہ
وضیح کر ڈالا۔ مالا مال مادیت کا وہ نقطہ نظر ان حقائق کی نفی کرتا ہے جنہیں انسانیت
نے وحی الہی اور انبیاء کے کام کی رہنمائی میں ہمیشہ سے سچ مانا ہے اور ان صد لفظ
سے بھی متصادم ہے جو انسانی تجربے اور خود سائنس کی جدید تحقیقات سے
ہمارے سامنے آتی ہیں۔ محض مادیت کائنات کے بنیادی حقائق اور انسانی زندگی
کے اولین سوالات کا کوئی معقول اور قیاسی بخش جواب فراہم نہیں کر سکتی۔ پھر اشتراکیت
نے اس مادیت پر عبوری عمل کا مزید اضافہ کیا جس نے اس کے پورے مطالعہ کو اور
بھی غیر متوازن اور غیر حقیقی بنا دیا۔

۳۔ اشتراکیت کا تصور تاریخ بھی نہایت خام اور غیر متوازن ہے۔ اگر سادہ تاریخ
طبقاتی تنازع کی تاریخ ہے تو ماننا پڑے گا کہ انسانیت کی تاریخ بہت ہی مختصر
اور جزوی ہے اس پر یہ کتاب میں صرف چند صفحات پر کوئی تحریر ہے اور وہ
بھی چند سطروں سے آگے نہیں بڑھتی۔ انہ تاریخ میں وہ جبریت ہے جس کی

نشان دہی اشتراکیت نے کی ہے، ذریعہ این واضح مرحلوں اور منزلوں میں منقسم ہے۔ جمی کی دریافت اشتراکیت نے کی ہے اللہ اس میں کش کش کی وہ نوعیت ہے جسے اشتراکیت نے ترقی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ پھر تاریخ میں محض یک طرفہ اثر ایک نہیں ہے۔ ایک ہی قوت دوسروں کو متاثر نہیں کرتی بلکہ ایک وقت بے شمار قوتیں کا دفرا ہیں جو اثر انداز بھی ہوتی ہیں اور اثر پذیر بھی۔ اشتراکیت تاریخی عمل کو اس درجہ آسان بناتی ہے کہ وہ غیر حقیقی ہو جاتا ہے۔

۵۔ اشتراکیت نے فکر و فن، فلسفہ و مذہب، سیاست و قانون، معاشرت و مذہب، اخلاق و ثقافت، غرض ہر چیز کو معاشی اسباب و کوائف کی پیداوار قرار دیا ہے۔ لیکن وہ یہ بتانے میں ناکام ہے کہ خود معاشی بنیاد پیداوار ہی ساخت میں تبدیلی کیسے ہوتی ہے؛ وہ کونسی قوتیں ہیں جو اس میدان میں تغیر کی لہروں کو پیدا کرتی ہیں اور پھر پورے نظام کی قلب مابست پر منتج ہوتی ہیں۔ تہذیب کے آغاز و ارتقاء کی پیداوار ہی قوتوں کی جبریت کی روشنی میں تو سمجھنا ناممکن ہے۔

۶۔ اشتراکیت شعور انسانی کے آزاد اور مختار وجود کی نفی کرتی ہے اور اس طرح خود حقیقت کی بنیادوں کو منہدم کر دیتی ہے۔ پھر جیسے کہ ہم پہلے بیان کیے گئے ہیں،

41. See Toynbee, Arnold, J., "A Study of History."

Vol. I.

Bober, M. M., "Karl Marx's Interpretation of History."

Harvard University Press, Cam : Mass : 1950

اشتراکیت کے اس دھوسے کے بعد خود اشتراکیت کی ترقی اور اس کے فروغ کی کوئی ترجیح نہیں کی جاسکتی۔ مارکس نے طبقاتی شعور کو پیدا کیا۔ یہ آپ سے آپ وجود میں نہیں آگیا تھا، پھر ہی اشتراک کی تحریک اسی شعور کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کرتی ہے۔ غلامی و مالکیت سے اس شعور کو ابھارنے کے بعد اس کا دھوی بھی رہتا ہے کہ شعور محض مادی کو آفت کا ایک بے جان پر تو ہے! اشتراکیت کی دہلی ہوئی تعلیمات بڑی بے بنیاد ہے۔ یہ انسانیت کی نفی پر مبنی ہے۔ معاشی دائرہ میں مارکس کا بنیادی تصور تعدد ذات کا نظریہ ہے لیکن اس کا باطل ہونا اب ایک ثابت شدہ حقیقت ہے لاسکی جیسا سوشلسٹ بھی اعتراف کرتا ہے کہ تعدد ذات کا نظریہ کوئی صداقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح سرمایہ داری کے ارتقاء کے بارے میں مارکس نے جو اصول وضع کئے تھے ان میں سے معاشی عدم توازن اور بحران کی پیشین گوئی کے علاوہ کوئی بھی صحیح ثابت نہیں ہوا۔ نہ ارتقاء کی وہ کیفیت رونما ہوئی جو مارکس نے بتائی تھی، نہ غربت میں امتنا و ہوا، نہ ہیئت سرمایہ میں وہ تغیرات واقع ہوئے اور معاشی بحران کو بھی غلامت بحران (Anti-cyclic Policy) کے ذریعہ بڑی حد تک قابو میں لایا جا چکا ہے۔ اجرتوں میں کامل مساوات بھی اسی طرح ایک استحصال کی کیفیت ہے جس طرح ان میں غیر فطری عدم توازن۔ مارکس نے ان تمام پہلوؤں کا مطالعہ بڑے جناباتی انداز میں کیا اور اپنے سائنٹیفک ہونے کے بارے میں سارے دعوؤں کے باوجود اپنے ان مفروضوں اور دعوؤں کو عقل و تجربہ کی میزان پر نہ کسا۔ اسی لیے مارکس کی معاشیات یک رخمی اور غیر حقیقت پسندانہ رہی۔

۸۔ ریاست میں بھی یہی کیفیت ہے۔ ریاست اور قانون کو نظم و استحصال کا اگر جتنا حالات کا بڑا غلط اور غیر حقیقت پسندانہ مطالعہ ہے۔ اسی طرح بلا ریاست کے سماج کا تصور بھی ایک خیالی دامن ہے۔ جب تک انسان انسانی ہے، اسے نظام کی ضرورت ہوگی اور کوئی نظم قانون اور احتساب کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اشتراکیت ایک تشاؤ اور انتہا پسند نظریہ ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ راہ اعتدال سے کوسوں دور ہے۔

۹۔ مذہب اور اخلاق کے بارے میں بھی اشتراکیت کی تنقید بڑی سلی اور غلط ہے۔ نہ اس کی معلومات صحیح ہیں، نہ تجزیہ درست ہے اور نہ نتائج میں برصغیر میں۔ ۱۰۔ اشتراکیت نے نفرت کے جذبہ کو ابھارا ہے، تشدد کے طریقہ کی تبلیغ کی ہے۔ انقلاب اور خون خرابے کو پسند کیا ہے، بلکہ راہِ نجات قرار دیا ہے اور جیسا کہ برٹنینڈرل نے کہا ہے کہ ایسی کوئی کمیونسٹ نہیں پائی جاتی کہ فساد، جنگ و بدل اور تشدد اور خون خرابے سے امن، تعاون اور محبت و مودت کو پیدا کر یا بچائے۔ ۱۱۔ اشتراکیت کا سارا کام منفی نوعیت کا ہے۔ اس نے زندگی کا کوئی مثبت نقشہ پیش کیا ہے اور نہ ہی ایک منصفانہ اور ملتانہ نظام کے خندہ خالی بیان کئے ہیں۔ وہ سرمایہ داری کے خلاف نفرت پیدا کرنے اور انقلابی جذبہ بیدار کرنے کا کام کرتی ہے، کوئی مثبت نظام نہیں پیش کرتی۔

۱۲۔ اگر اشتراکیت پر خود اشتراکی تجزیہ کا اطلاق کیا جائے تو بڑا دلچسپ نتیجہ نکلتا ہے۔ اشتراکیت کا دعویٰ ہے کہ ہر دور کے نظریات اپنے مخصوص معاشی حالات کی پیداوار ہوتے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو پھر اشتراکیت انیسویں صدی کے مخصوص

معاشی حالات کی پیداوار قرار پاتی ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر اشتراکیت اور اس کے معاشی تجزیہ کو ابدی صداقت کی حیثیت سے کیسے لانا جا سکتا ہے جبکہ کوئی بھی ابدی صداقت نہیں ہے تو اس نظریہ کو یہ مقام کیسے دے دیا جائے؟ اشتراکیت کچھ خاص حالات کی پیداوار تھی اور اس صدی کے خاتمہ اور ان حالات کے بدل جانے کے بعد اس کی Validity بھی ختم ہو گئی۔ اگر کوئی سنہری اصول نہیں ہے تو اس قول کو ایک سنہری اصول کیسے مان لیا جائے! جیسی قرآن مجید نے کہا تھا کہ اگر اشتراکیت صحیح ہے، تو اشتراکیت غلط ہے۔

اشتراکیت کی اصل ناکامی

اگر اشتراکیت کی نظریہ میں ایک نہیں ایک بلکہ نظریہ الجھنیں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں لیکن وہ ایک ایسی تہذیب قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی جس میں انسان کو اس کا حقیقی مقام حاصل ہوتا، جہاں حق و انصاف کا دور دورہ ہوتا، جو امن و سلامتی کا پیاسہ پیتا، جو نیکی اور مصلحت کا گہوارہ ہوتا، جہاں دل کو سکون اور روح کو اطمینان ہوتا تو شاید ان الجھنوں کو نظر انداز بھی کر دیا جاتا۔ لیکن اشتراکیت شدید نظریہ الجھنوں کے ساتھ اس معیار پر بھی پوری نہیں اترتی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ یہی وہ پہلو ہے جو اشتراکیت کا سب سے کمزور سب سے زیادہ تاریک پہلو ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اشتراکیت نے بہت سے پہلوؤں سے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اس کے زیر سایہ معاشی پیداوار بڑھی ہے اور تعلیم و سائنس نے فروغ حاصل کیا ہے۔ اس نے نئے ملک فتح کئے ہیں اور آج میں اقوامی دنیا میں اس کی آواز ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے پیروؤں نے تباہ کن سلطو سے لے کر مصنوعی سیاروں تک کی صناعتی میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ سب کچھ بہاؤ لیکن سوال یہ ہے کہ کسی نظام کی عظمت کا انحصار آخر کن چیزوں پر ہے؟ اگر اس کا انحصار محض دولت کی فراوانی اور پیداوار کی زیادتی پر ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ سرمایہ دارانہ

نظام اشتراکیت سے افضل ہے۔ آج بھی اس پہلو سے مغرب کے سرمایہ دار ملک اشتراکی ملک پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اگر آبادی کی گنتبانی اور رقبہ کی وسعت کسی نظام کی عظمت کی دلیل ہے تو سکندرا یونانی، سیزر کا روم اور تیمور کی سلطنت اشتراکیت سے اعلیٰ و ارفع قرار پائیں گے! اگر بڑی بڑی ٹیکسٹائل، اُنپے اُنپے قلعے اور عظیم معاشی منصوبے برتری کا ثبوت ہیں تو پھر زھو زوں کے دور میں مجید کسانوں کے زخمی ہاتھوں سے تیار شدہ اہرام انسانی کاریگری اور مادی عظمت کے زیادہ بڑے اور روشن نشان ہیں اور اگر کسی نظام کا صداقت کی دلیل اس کا تیزی کے ساتھ پھیل جانا دنیا پر چھا جانا اور چند سالوں میں بڑی بڑی آبادیوں کو اپنے زیر اثر لے آنا ہے تو پھر چنگیز اور بلاکسے طوفانی غلبہ اور یورپی استعمار کے بلاکیں تسلط کے بارے میں مضمت نقاد کیا راستے ظاہر کرے گا؟ اور ان میں سے کس کو عظیم تر قرار دے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ کسی نظام تہذیب کی عظمت نہ اس کے مال اگلنے ہوئے کارخانوں سے ہے اور نہ آگ برساتے ہوئے اسلحے، خود دولت کی فراوانی اسے عظیم بناتی ہے اور نہ فوجی سلطوت، اس کی بڑائی ذوقیہ کی وسعت سے ہے، اور نہ ہی غلبہ کی سرعت سے، عظمت کا اصل پیمانہ یہ ہے کہ ایک نظام انسانیت کے لیے کتنا مفید اور نافع ہے اور کائنات کے مقاصد سے کہاں تک ہم آہنگ ہے؟ اس کے ذریعہ انسانیت خراف کی اعلیٰ ترین منزلوں سے ہم کنار ہو رہی ہے یا غلامی اور ذلت کی گہرائیوں میں گر رہی ہے؟ اخلاق سفور ہے ہیں یا بہیمیت کو ترقی چھو رہی ہے؟ آزادی، اخوت اور سہائی چادر میں امانت ہو رہا ہے یا ظلم، فساد اور انسان کشی میں؟ دنیا میں حقیقی امن قائم ہو رہا ہے یا جنگ و جدل اور کش مکش و بیکار کو ہوا دی جا رہی ہے؟ انسان

کلود ووردہ ہے یا بے انصافی کا؟ حتیٰ وسد اوقت کو سر بند ہی نصیب ہو رہی ہے یا باطل
و طاغوت کو؟ انسان خوش اور مطمئن ہے یا اس کی روح بے چین و مضطرب؟^۱
اس لیے کہ

ذکلی ہے وجہ نظر کشی، ذکنول کے بھول میں نازگی
فقط ایک دل کی سنگتنگی، سبب نشاط بہا ہے

اگر ایک نظام، خواہ اس نے کتنی ہی مادی ترقی کیوں نہ کر لی ہو، انسانیت کے
بنیادی مسائل کو حل نہیں کرتا، انسانی شرف و عزت کو قائم نہیں کرتا، اخلاق کو صحت مند
بنیادوں پر تعمیر نہیں کرتا اور چمن حیات کو انصاف، آزادی، خدا ترسی، محبت اور اخوت
کے پھولوں سے آراستہ نہیں کرتا تو وہ دنیا کے لیے ایک نعمت نہیں لعنت ہے اور
وہ انسانیت کے دکھوں کا کوئی مداوا نہ کر سکے گا۔

جب ہم اشتراکیت کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجہ سے کوئی منفر
نہیں کر وہ بری طرح ناکام رہی ہے
فرو کی نفی

اشتراکیت نے جس مقام سے اپنے سفر کا آغاز کیا وہ مغربی تہذیب کا وہ دور تھا
جس میں انسان کی خاص شخصیت قدر (Devaluation) ہو چکی تھی۔ کبھی انسان

۱۔ حقیقی تہذیب لازمی طور پر ایک روحانی حقیقت ہے اور اس کے جانچنے کا وسیع

مادی دولت نہیں بلکہ روحانی نظر ہے۔ چاروس ڈس

نیویارک ۱۹۳۲ء صفحہ ۹-۲۳۰

کامکس دنیا کائنات کامر کو تھی اور انسان اس کا مقصد تخلیق کائنات کی ہر شے انسان کے لیے تھی اور انسان کا مقام خدا کے خلیفہ کا تھا۔ ہر دوسری چیز اس کے تابع تھی۔ اب زاویہ نظر بدلتا شروع ہوا۔ سائنس دانوں کی ایک کھوپ اٹھی اور اس نے یہ ثابت کیا کہ دنیا کائنات کامر نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اس عظیم کائنات میں دیت کے ایک خفیہ ذرہ سے زیادہ نہیں۔ پھر یہ تصدیق کیا کہ انسان کوئی خاص مخلوق اور خدا کا خلیفہ نہیں بلکہ محض جانور کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ پھر یہ بتے گئے، اور بندہ سب اس ہلکے افراد نامہ دان ہیں! پھر ایک اور ضرب لگی کہ انسان مختار اور آزاد بھی نہیں ہے بلکہ معاشرہ کی پیداوار ہے۔ اشتراکیت نے ایک قدم ادا کر کے بڑھایا اور اس نے بتایا کہ معاشرہ جس مخصوص معاشی بنیاد کا ثمر ہے۔ فرد کا کوئی مستقل وجود نہیں، وہ تاریخی قوتوں کے ہاتھوں مجبور محض ہے۔ اب انسان مرنے کی ایک پلٹا پھرتا پرزہ مشین ہو کر رہ گیا۔ اشتراکی فلسفہ نے شعور، اخلاق اور روح ہر چیز کی نفی کی۔ اب انسانی اقدار کو کوئی مقام حاصل تھا اور نہ انسان کی کوئی اعلیٰ اخلاقی حیثیت تھی۔ انسانی احساسات اور جذبات کی بھی کوئی وقعت باقی نہ رہی۔ فکر و نظر کامرگز انسان نہ رہا۔ پیداوار ہی نظام بن گیا۔ اصل اہمیت مالمیں پیداوار کی قرار پائی، انسانی اقدار کی نہیں۔ پھر اخلاقی ایک انسانی شے قرار دی گئی اور اس کو مادی ترقی کے تابع کیا گیا۔ حتیٰ وانصاف، سپاہی و محبت اور خیر و فلاح کی کوئی مستقل حیثیت باقی نہ رہی۔ اصل اہمیت پیداوار میں اضافہ کی ہو گئی خواہ وہ کسی قیمت پر ہو، اور کسی بھی طریقے سے حاصل ہو۔ مستقل اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہا۔

مغرب کی سرمایہ دارانہ جمہوریت میں انسان کی کائنات میں اور اس کے مقام کی

تخصیص ہو گئی تھی، لیکن نظری طوع پر ایک چیز باقی تھی۔ فرد کا احترام، فرد کی شخصیت کا اثبات موجود تھا اور اس کی آزادی کو ایک ناقابل تخصیص حق مانا جاتا تھا۔ اشتراکیت نے روح اور مطلق کی نفی کے ساتھ فرد کی نفی بھی کی اور اسے اجتماع اور طبقہ کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اب فرد زیادہ سے زیادہ ایک گردہ یا طبقہ کا جزو تھا۔

گردہ اور طبقہ کے اس ضمیمہ کی آزادی اب بے معنی تھی طبقہ کا مفاد اس کا مفاد تھا اور طبقہ کا نقصان اس کا نقصان۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی دست برد سے جو کچھ بچ گیا تھا اس سے اشتراکیت نے اگر محروم کر دیا۔ اب فرد بالکل مجبور تھا۔

یہی وہ تصور ہے جس نے اشتراکی کلیت پسندی (Totalitarianism) کو جنم دیا۔

غیر اخلاقی ذرائع کا جواز

پھر اس پر ایک فتنہ کا مزید اضافہ ہوا۔ یعنی اس تصور کا کہ مقصد برائی کے لیے کوئی سے بھی ذرائع استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اصل چیز حصول مقصد ہے، ذرائع کا درست یا نادرست ہونا نہیں۔ اگر تشدد، دھوکہ، فریب، جھوٹ، قتل و غارت گری کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو یہ سب روا ہیں۔ لیکن نے اشتراکی پارٹی کے کارکنوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

”اگر ضرورت پیش آئے تو مزدور تنظیموں میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے، ان میں گھسے رہنے اور ہر قیمت پر اشتراکی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے ہر قسم کے حربوں سے بلا تکلف کام لے سائیں، جو توڑ، فریب و کفری

فدائی کا استعمال، دھوکہ دینا وغیرہ سب پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے
ایک اور موقع پر یعنی نے کہا،

جب کسی کے پاس عظیم اکثریت ہو تو وہ بلا واسطہ سامنے سے حملہ کرے
جو کہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن جب قوت، مکانی جو تو پھر دوسرے حربوں
کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے یعنی اصل رستے سے ہٹنا اور عینی راستہ اختیار کرنا،
استلزام کرنا، پیچھے ہٹنا، پیچ و خم کرنا وغیرہ۔

پھر اپنی مقصد برائی کے لیے اشتراکیت تشدد واد قوت کا استعمال بھی ضروری
کہتی ہے۔ مارکس اور اینیبلز نے اشتراکیت تشدد ہی میں کہہ دیا تھا کہ
”اشتراکیت اپنے اصل نظریات اور عزائم کے اظہار میں پردہ پوشی سے
کام لینے سے انکار ہی ہیں۔ وہ ہملا اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ان کے مقاصد
کا حصول مرد و سماجی نظام کو بے حیرانہ پھینکنے ہی سے ممکن ہے۔“
اینیبلز نے بڑے فخر کے ساتھ کہا تھا کہ

”امیروں اور فریبوں کی یہ جنگ دنیا کی ساری جنگوں سے زیادہ خفاشاں ہے۔“

44. Lenin, V. I., *Left Wing Communism*, p. 38.

45. Marx, *Communist Manifesto*, ed. Laski, op. cit.,
p. 160.

اس بات کا اظہار مارکس نے اور بھی واضح الفاظ میں کیا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۶۹ مطبوعہ

لارنس اینڈرسن پبلشرز۔

46. Engels, F., *Conditions of the Working Class in
England*, George Allen and Unwin, p. 296.

اور مارکس نے یہ تک کہہ کر تشدد کی تبلیغ کی کہ

”رہائی یا موت، خونی جدوجہد یا تباہی — اصل سوال لازمی طور پر اسی طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔“

لنین نے انہی ارشادات کی روشنی میں تشدد کی تعلیم دی اور بغاوت کے اصول بیان کئے۔ تشدد اشتراکی انقلاب اور مہجر اشتراکی پالیسی کا ایک جزو اور خشک ہی گیلہ ہے۔ مندرجہ بالا بحث سے ہم یہ تا قایل انکار نتائج نکال سکتے ہیں۔

(الف) اشتراکی فکر اور اس کے تحت رونما ہونے والے تبدیلی میں اصل مرکوزی مقام انسان کو حاصل نہیں ہے۔ اس کی حیثیت محض امتناعی اور طفیل ہے۔

(ب) اشتراکیت کا خالص مادی اور مادی فلسفہ روح اور شعور کی نفی کرتا ہے اور انسانی کردار یعنی قوتوں کے سامنے مجبور محض قرار دیتا ہے۔

(ج) فرد کے آزاد، مختار اور مژدہ خورد کی نفی کی گئی ہے۔

(د) انفرادی آزادی کے لیے کوئی حقیقی فلسفیانہ اور اخلاقی بنیاد باقی نہیں رہتی۔

(ه) اخلاق اور غیر اخلاق دراصل میں کوئی تیز یا کی نہیں رہتی اور جبر و تشدد اور قوت کے استعمال کا ایک گزہ فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

47. Marx. K., Poverty of Philosophy Lawrance and Wishart, p. 147.

۱۔ علامہ ہولینن کی تحریکات کا مجموعہ (Lenin, Collected Works) مطبوعہ
سٹورن بکس ۱۹۲۹ء، خصوصیت سے صفحہ ۵۶-۵۷۔

(د) صداقت اور سچائی کا کوئی مستقل معیار باقی نہیں رہا ہے۔ اسی طرح عدل اور انصاف کی کوئی مستقل اقدار نہیں باقی جاتیں۔ مصلحت اصل رہنمائی قوت قرار پاتی ہے۔

یہ تمام نتائج اشتراک کی فلسفہ سے فطری اور منطقی طور پر رونما ہوتے ہیں۔ اب دیکھتے کہ اشتراک سماج میں یہ تمام کیفیات کیسے رونما ہوتی ہیں۔
اشتراک سماج کی مثال

۱۔ جن ممالک میں بھی اشتراک انقلاب رونما ہوا ہے وہاں مادی ترقی و ترقی پیداوار کو بڑھانے اور فوجی قوت کو مضبوط کر کے پر دی گئی ہے۔ یہی روس کی پالیسی ہی ہے۔ اسی پر مشرقی یورپ کے اشتراک ممالک کا رہنما ہیں اور یہی چین کی بنیاد میں حکمت عملی ہے۔ ہر وہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے خواہ اس کی کیسی ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔ درست اقدار دست کا معیار انسان اقدار اس کی تلاش نہیں، قومی پیداوار اور ملکی قوت کی تعمیر رہے ہیں مغربی تہذیب نے اور اس کے تحت خود سرمایہ داری نے انسان کی یہ تحفیف بڑے گھمٹاؤ نے انداز میں کی تھی۔ اشتراکیت نے اس عمل کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اب باب میں سرمایہ داری اور اشتراکیت ایک ہی بنیاد میں نقطہ نظر رکھتی ہیں مگر اشتراک نے معاشی نفع کو اصل رہنمائی قوت بنایا تھا اور اشتراکیت نے پیداواری قوتوں کے اضافہ اقدار کی خصوصیت کو تسلیم کیا۔ انسان دونوں کے نظام میں کسی مرکزی اہمیت کا حامل نہیں۔ اس کی حیثیت بھی بس ایک پیداواری قوت (Means of production) کی ہے۔ سوشلزم نے یورپ میں جس

انسانی مسائل کو اسٹایا تھا اور انسان کی ذہنی حالت پر جو تاہم کیا تھا اس کا کوئی اثر اشتراکیت کے عملی نظام پر نہ پڑا۔ وہ تمام چیزیں عوام کی ہمدردیوں کو حاصل کرنے کے لیے متعین، بنیادی اشتراکی فلسفہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ حقیقی اصل فلسفہ پر عمل ہوا اور نہ ہی حکمت عملی وضع ہوئی تو جسے سب سے زیادہ نظر انداز کیا گیا وہ انسان ہے! ہم اس کے چند مظاہر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پنشن نے برسرِ اقدام کرنے کے بعد یہ کہنا اشتراکیت نام ہے سوٹ (+) برقی قوت کی تعمیر۔ دوسرے موقع پر اس نے کہا کہ ٹھوسٹ اور صنعتی ترقی سے مشغول مملکت ہے۔ یعنی کے یہ جملے روسی اشتراکیت کا بنیادی اصول قرار پائے۔ اس کے بعد کی ساری ترقی اس اصول پر ہے کہ گویا صنعتی ترقی اور پیداوار میں اضافہ اشتراکیت کے ہم معنی ہیں۔ نقطہ نظر کی یہی وہ تبدیلی ہے جس کی وجہ سے خوب و ناخوب کا معیار اضافہ پیداوار قرار دیا گیا۔ اب یہ اضافہ کسی بھی قیمت پر ہو، ساری توجہ اس پر صرف ہوئی ہے۔ جب اس ذہن کے ساتھ پورے نظام کو چلایا جائے تو انسان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے اس کا اندازہ ان چند مثالوں سے کیجئے۔

تشدد کا استعمال

(۱) زراعت کو اجتماعی کمیتوں میں منظم کرنے کے لیے کسانوں سے ایک مستقل جنگ کرنی پڑی۔ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی زمین اور اپنے سریشیوں کو اجتماعی تحریک میں دینے کے لیے تیار نہ تھے لیکن سخت ترین تشدد کے ذریعہ ان سے زمین کو حاصل کیا گیا۔ اس خونی عمل میں ایک کروڑ انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں لیکن

اس نظام نے اس پر کوئی کمک محسوس نہیں کی۔ یاٹا کا انفرنس کے موقع پر خود اشالی نے جہل سے کہا کہ دوسری جنگ میں جانوں کا اتنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔ (روانج رہے کہ دوسری جنگ میں روس نے تقریباً ۴۰ لاکھ افراد کی قربانی دی، ہم نے تو ذرا محنت کا اجتماعی کھیتوں میں تبدیل کرتے وقت اس سے دو گنی قربانی دی تھی۔)

عورتوں کا استحصال

(۱۱) پیداوار کو بڑھانے کے لیے عورتوں کی محنت کو استعمال کیا گیا اور صرف یہی نہیں کہ انہیں ان کاموں میں لگایا گیا جو محکم محنت طلب ہیں، بلکہ بڑی صنعت، اور کونے اور لہجے کی کاروں میں ان کو استعمال کیا گیا۔ انگلستان میں سرمایہ داروں نے عورت کے ساتھ بر سلوک کیا تھا وہی سلوک پیداوار کو بڑھانے کی خاطر اشتراکیت نے کیا۔ انقلاب سے قبل محنت کار عورتوں کی عظیم اکثریت روڈ تھائی سے لیا وہ، ہلکی صنعت میں ملازم تھی۔ ۱۹۳۰ء میں کیفیت یہ تھی۔

۱۱۔ یہ چیز تمام اخبارات میں آئی تھی۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Lin Yu Tang. The Secret Name, Heineman, London, 1958.

۱۲۔ مائیکو رڈن کی کتاب *Workers Before and after Lenin* میں انقلاب سے پہلے کے ۲۵ سال اور انقلاب کے بعد ۲۵ سالوں کا بڑا گہرا اور حقیقت پسند مطالعہ کیا گیا ہے۔ ہماری معلومات کا ماخذ سرکاری کتب کے علاوہ یہ کتاب بھی ہے۔

صنعت	کل مزدوروں میں عورتوں کا تناسب
کوتنے کی کانیں	۲۴۶۸ فی صد
لوہے کی کانیں	۲۳۶۶
لوہے کی صنعت	۲۴۶۹
مختلف وصافوں کی صنعت و تجارت	۳۱۶۷
کڑوی کی صنعت	۴۳۶۹

سرکاری اخبار پراودا کی ۱۴ ستمبر ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں ایک صوبائی کونسلٹ پارٹی کے سیکرٹری کی زبانی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ بہت سی کانوں میں عورتیں بنیادی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔ بہت سے کوتنے کے ٹرسٹوں میں جیسے Kuibagshevugol

Sovetskugol Artemugol وغیرہ کل کان کنوں میں عورتوں کا تناسب ۱۵-۲۰ فی صد تک ہے۔

اٹلی کی ٹیڈ یونیوں کی فیڈریشن نے لکھا ہے کہ اس نے ٹیڈ سروی کے زمانے میں چھٹی منزل پر عورتوں کو اینٹیں رکھنے کا کام کرتے ہوئے دیکھا اور یہ سارا کام ان تمام تحقیقات کے بغیر انجام دیا جا رہا تھا جو ساری مہذب دنیا میں اس قسم کے کام کے لیے لازمی ہیں۔ کل محنت کاروں میں عورتوں کی محنت کا تناسب کس قدر سے بڑھ جائے اس کا اندازہ اس سے کیجئے۔

منشی بھواری "The Soviet World" لہاز روسیٹرو ساشی، صفحہ ۴۱۴

ایسے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ Henry Schwarz.

سال کل محنت میں عورتوں کا تناسب

۲۸-۱۹۲۷	۲۷۶۰	فی صد
۱۹۲۹	۳۲۶۷	"
۱۹۳۲	۳۹۶۳	"
۱۹۳۷	۴۷۶۰	"

۸ مارچ ۱۹۳۵ء کے Pravda میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کل اجیروں اور تنخواہ دار ملازموں میں سے ۷۷ فی صد عورتیں ہیں۔

عورتوں کو محنت ترین کام کرنے ہوتے ہیں انسان کی حیاتیاتی ضرورتوں تک کا پورا خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ قومی صحت کے کیا رہنے ایک باقاعدہ اعلان کے ذریعہ ڈاکٹروں کو منیج کیا ڈاکٹروں کو مخصوص ایام کی وجہ سے کام سے رخصت کی اجازت نہ دیں۔ عورتیں بھی کام پر مجبور ہیں کہ وہ کاتے بغیر اپنا ادا اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پال سکتی ہیں۔

بچوں کا استحصال

۱۱۔۱۱) بچوں کی محنت کو قانوناً ممنوع ہے۔ (ادویہ ممانعت دار کے زمانے سے ہے ۱۸۸۲ اور ۱۸۸۵ء کے قوانین کے ذریعہ بچوں کی محنت کو روک دیا گیا تھا، لیکن پیداوار کو بڑھانے اور منصوبے کو پورا کرنے کے لیے اس سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

نوجوانوں کے لیے سرکاری ترجمان Komsomolskaya Pravda

نے اپنی ۳۱ اگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں اس کا اعتراف کیا کہ بارہ اور چودہ سال کے بچے ۱۳ اور ۱۱ گھنٹے کی سہولتوں پر کام کرتے ہیں۔ پرچے میں اس نوعیت کے متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی دی گئی ہیں جن میں

بارہ بارہ سال کے بچوں نے قین تیں دیں لگاتار کام کیا ہے اور پھر بے ہوش
پڑ گئے ہیں۔

مزدوروں کا استحصال

ادان، پیداوار کو بڑھانے کے لیے سرمایہ دار اوقات کار کے بعد بھی کام لیتا ہے اور
مزدوروں کو پیسے کماتے کے لیے اپنی صحت اور زندگی کو خطرے میں ڈال کر
Over-time کام کرتا ہے۔ روس میں بھی یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اس
کا نام اسٹاکانوفزم (Stakhanovism) رکھا گیا ہے۔ اسٹاکانوف ایک کوئلہ
کا کان کن تھا جس نے ایک دن میں، ٹی کی جگہ ۱۰۲ ٹن کوئلہ ایک مقام سے دوسری
جگہ منتقل کیا۔ اس کے بعد یہ رویہ پکڑ گئی اور ہر ٹیکہ ٹری میں وہ مزدور رونما ہو گئے جو
اصل مقدار سے ۲۰۰ فی صد ۵۰۰ فی صد ۱۰۰۰ فی صد حتیٰ کہ ۲۰۰۰ فی صد تک پیداوار
کرنے لگے اور ان کو انجرت بھی دوسروں سے زیادہ دی جانے لگی اسٹاکانوفزٹ

میں روسی اخبارات کے حوالے سے متعدد مثالیں مانیا گورڈن کی مذکورہ بالا کتاب میں
منقول ہیں۔ ایک طرف یرشالیں ہیں اور دوسری طرف اشتہار ہو رہیں اور انیسویں صدی
کے انگلستان کے واقعات سامنے رکھیے۔ وہی واقعات جنہیں مارکس نے سرمایہ میں

بیان کیا ہے اور جن کی تفصیل Ashlay اور Webb اور Hammonds
کی کتابوں میں اور چارلس ڈکنس کے ناولوں میں ملتی ہے۔ انسان کے استحصال کی حیثیت
دونوں جگہ ایک ہی ہے، صرف مقامات کے نام بدلے ہوئے ہیں۔

مزبور کو عام مزدور سے کئی گنا زیادہ اجرت دی جاتی ہے۔ اس طرح ایک مزدور کی قوت کی آخری دقت بھی چھوڑ لی جاتی ہے۔ یہاں بھی انسان نہیں پیداوار اصل چیز قرار پاتی ہے۔

غیر انسانی ترجیحات

(۷) پھر پیداوار میں بھی ان چیزوں کو اولیت دی جاتی ہے جو نظام کے لیے ضروری ہیں، خواہ انسان کی ضرورتیں وہ پوری کریں یا نہ کریں۔ تمام اشتر کی مالاک میں سببائی صنعت کو اولیت دی گئی ہے اور عام استعمال کی چیزیں نظر انداز کی گئی ہیں۔ ترجیحات کا یہ نظام اسی ذہن کی پیداوار ہے۔ روس میں اشتر کی انقلاب کو اب ہر پاس سال چورس ہے ہیں۔ لیکن معاشی پالیسی اسی بنیاد پر ردی ہے اور آج تک اشیائے صرف کی قلت ہے۔ پھر کاروں کو محدود کیا جاتا ہے کہ خواہ ان کی ضرورت پوری ہو یا نہ ہو۔ پیداوار کا ایک خاص حصہ ایک خاص قیمت پر حکومت کوٹے دیں۔ حکومت کے حصہ کے تعین میں اس کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا کہ پیداوار کا زخمہ اپنی ضرورت بھی پوری کر سکیں گے یا نہیں، اور قیمت مقرر کرنے میں اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا کہ وہ کم از کم مصارف پیداوار کو تو پورا کرے۔ اس کے ثمرات کے بے کسی اور کی نہیں خود شیفت کی شہادت پیش کی جاسکتی ہے جس نے وہ بربر ۱۹۲۵ء کو کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے ایک تقریر میں اٹھائی اور سوڈوٹنٹ کے بارے میں کہا کہ وہ غلط ملک سے برآمد کرتے تھے جب کہ ملک میں لوگ بھوک سے مر رہے ہوتے تھے۔ صرف دوسری جنگ سے قبل ہی نہیں اس کے بعد بھی۔

ہاں کامریڈز! یہ ایک حقیقت ہے کہ ششہ میں بہت سے علاقوں میں، مثلاً کریمک (Krimk) کے علاقے میں عوام بھوک سے مر رہے تھے۔ اور میں اس وقت یہ لوگ ملک سے باہر ہمارا پیدا کردہ غلام بیچ رہے تھے۔^{۵۳}

قیمتوں کے لاگت سے بھی کم ہونے کا اعتراف بھی سرکاری طور پر کیا جا چکا ہے۔ گزشتہ پالیس سال سے اس تالانہ اور غیر انسانی پالیسی پر عمل کیا جا رہا تھا کہ جون ۱۹۶۲ء کو حکومت نے اس غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے قیمتیں بڑھائیں۔ جملہ اقسام کے گوشت کی قیمت اوسطاً ۲۰ فی صدی اور موشیوں سے حاصل کی جانے والی دوسری اشیاء کی قیمتوں میں ۳۵ فی صدی کا اضافہ کیا گیا۔ لیکن روسی معاشیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ متعدد قیمتیں اب بھی لاگت سے کم ہیں۔ مثلاً موشیوں کے گوشت کی قیمت ۸۳۰۰ روبل فی کونٹیل ہے جبکہ لاگت ۸۸۱۵ روبل آتی ہے۔ اسی طرح مرغی کی قیمت ۱۲۴۰۰ روبل ہے فی کونٹیل جبکہ لاگت ۱۳۲۰۵ روبل آتی ہے۔ یہ صرف

53. Vide, Luca Pietromarchi, *The Soviet World*, Allen and Unwin, London, 1965, p. 162n.

اس کتاب کا مصنف روس میں اُن کی کا سفیر تھا اور موصوت نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ متوازن انداز میں یہ کتاب لکھی ہے۔ اور پوری کتاب ہی آغز پرستی

54. Naum Jasny, "Ten Years After", Survey, London, No. 47, April 1963, p. 96.

چند مثالیں ہیں درخت زراعت کے بارے میں عمومی پالیسی اسی ظلم و استحقاق پر مبنی ہے۔

مزدوروں کی حق تلفی

(vi) مہر مزدور کو وہ حقوق حاصل نہیں ہیں جو اسے سرمایہ دارانہ ممالک تک میں حاصل ہو چکے ہیں۔ مثلاً مزدوروں کی تنظیمیں۔ ڈیڑھ یونین، ان کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کی بجائے حکومت کی غشا۔ کی تعمیل کرانے والا ادارہ بن گئی ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں فری پارٹی کانگریس میں طے کیا گیا کہ

”ڈیڑھ یونین کی طرف سے سویٹ حکومت کے ادارہ کی مخالفت کا

کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مخالفت دراصل بلکہ نرم سے انحراف اور بعد ذہنی ڈیڑھ یونین کی طرف مراجعت کے مترادف ہے۔“

دوس میں ڈیڑھ یونین کا کام مزدور کے مطالبات اور اس کی تکالیف کو پیش کرنا نہیں؛ اشتہار کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے۔ اب مزدوروں کے ناکہ بندے خود مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں زیادہ اجرت دینی جائے اور جو زیادہ اجرت چاہتے ہیں انی کو رجعت پسند اور حریص کہا جاتا ہے۔

”عجب اجتماعی معاہدات کی تحدید کا وقت آتا ہے تو رجعت پسند گروہ،

جن کو دوائیں بازو کے موقع پرست عناصر، غلات، انقلاب ٹرائیکل پرست، ٹولیک نواز افراد اور خبری کہنے والے لوگ شہ دیتے ہیں، اپنے غیر پروکاری اور حریصانہ مطالبات پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔“

یہ الفاظ وحاش کے دو کارخانوں کے مزدوروں کے نمائندوں کے ہیں جو ۳۲

اکتوبر ۱۹۲۹ء کے پرووا میں شائع ہوئے ہیں۔ اب مساوات اور خوش حالی پر ڈروائی
 نعرے بن جاتے ہیں اور مزدوروں کو ان سے محفوظ رکھنے کی کوششیں ہوتی ہیں۔
 ٹریڈ یونین کے مجلہ Voprosy Truda (نومبر دسمبر ۱۹۳۳ء) کی اشاعت میں کہا
 جاتا ہے کہ:

”ٹریڈ یونین اور کیسار آف لیبر میں موقع پرستوں کی وجہ سے ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء
 کی اجرتوں کی اصلاح کوششیں نیم بورژواکھیت (Egalitarianism) ^{صفحہ}
 کے لیے ہرگز کام کا نقطہ آغاز بن گئیں۔“

نوی ٹریڈ یونین کنونشن کے سامنے مرکزی ٹریڈ یونین نے جو رپورٹ پیش کی اس
 میں کہا گیا کہ:

”مجلا ہو کیونٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی اور کامریٹے مثال کی بلور دست
 ذاتی مداخلت کا کہ ان کے زیر اثر اب ٹریڈ یونین اس تاق ہو گئی ہیں کہ پرانے
 نظام کو مٹا دیں اور عداکھیت سے اپنے کو پاک کر لیں
 (Expunge equalitarianism)۔“

اب جو لوگ اُجرت بڑھانے اور مزدوروں کے لیے سہولتیں حاصل کر کے کہات
 کہتے ہیں وہ مزدوروں کے دشمن ہیں! اب اُجرت کا تعین بھی انتظامیہ کا کام ہے،

عداکھیت (Egalitarianism) جدید معاشیات کی ایک اصطلاح ہے
 جس کے معنی خوش حالی، عدم مساوات میں کمی، معیار زندگی کو بلند کرنے کی کوشش
 اور سماجی انصاف کا حصول ہے۔

مزدوروں کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ مرکزی ٹریڈ یونین کونسل کے سیکرٹری نے ٹیٹنری میٹن کے سامنے ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء، اشتراکی نظام میں ٹریڈ یونین کے وظیفہ کے بارے میں کہا:

”اہم توں کے نظام کے تعین اور کارکردگی کے معیار کے مفروضے کا کام ٹھیک ٹھیک اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی کل ذمہ داری ٹیکٹری کا انتظام اور فنی مینجروں پر ہو۔ بجز انتظامیہ کے کوئی اس بات کا مجاز نہیں جو کارکردگی معیار، اجرت، کام کا کوڑ، شرح ادائیگی وغیرہ کا تعین کرے۔ آج بھی ٹیکٹریوں میں کچھ کارڈ ایسے ہیں جو یہ راستے دیکھتے ہیں کہ اجرت کے تعین میں ٹریڈ یونین کو بھی اتنا ہی دخل ہونا چاہیے جتنا انتظامیہ کا ہے۔ یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہے۔ اس کے تو معنی یہ ہوتے کہ یونین انتظامیہ کی جگہ لے لے۔ یہ ایک باتیں بازو کی مرقع پر ستارہ تحریریت ہے۔ اس کے نتیجہ میں یک نفری انتظامیہ کمزور ہو جائے گی اور انتظامیہ کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں بے جا مداخلت ہوگی۔ اس کو لازماً ختم ہونا چاہیے۔“

اور کار اور جیشن کی شائع کردہ کتاب ”Soviet Labour Law“ حتی طور پر یہ اعلان کرتی ہے کہ روس کے قانون کی مدد سے

”اجتماعی معاہدات میں اب ایسی کوئی دفعہ شامل نہیں کی جائے گی جو متغیر پانے والوں یا اجیروں کو موجودہ قانونی تنظیمات کے سوا کسی اور

حق یا سہولت اور شفقت کی ضمانت دلائے۔

ہڑتال کے حق کا خاتمہ

(۱۷) مزدور کو ہڑتال کا حق نہیں ہے۔ اشتراکی نظام میں ہڑتال ایک قانونی جرم ہے۔ پیداوار کو بڑھانے کی کوشش نہ کرنا ایک جرم ہے۔ دیر سے آنا قابلِ مزا ہے۔ کام چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ کام تبدیل کرنا نہایت مشکل ہے۔ خروشت نے دینا میں ٹریڈ یونین کے نمائندوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اشتراکی نظام میں ہڑتال کا حق نہیں دیا جاسکتا اور پردہ کی ۲۶ دسمبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں یہ قانونی شائع ہوا ہے کہ اسٹرکک کرنے والوں کو ۱۵ سال کی سزائے قید تک دی جاسکتی ہے۔ روس ہی نہیں ساری اشتراکی دنیا میں یہی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔ مشرقی برلن میں پولینڈ اور ہنگری میں مزدوروں کے مظاہروں کو جس طرح پولیس اور فوج سے کچلا گیا ہے وہ ایک اندوہناک داستان ہے۔ پولینڈ میں ہڑتال ممنوع کی جا چکی ہے اور مشرقی جرمنی بھی اس نوعیت کی قانون سازی کر چکی ہے۔

اب مزدور اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو کر صرف بے پروا اور بڑھلنے

قے مزدوروں اور ٹریڈ یونین کے سلسلہ کے یہ سارے حوالے اصل روسی ماخذ سے ہیں اور ان کو چینی فلسفی لن یونگ کی کتاب "The Secret Name" سے لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۸۰ تا ۹۱۔

یہی ملاحظہ ہو دی سویٹ ورلڈ صفحہ ۱۲۴

کے کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔
جبری محنت

(آئہ ۷) اسی استغناء اور استحصال کا ایک بدترین پہلو جبری محنت تھی۔ اب یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ روس میں اسٹالن کے زمانے میں جبری محنت لگائی تھی اور پڑے پیمانے پر رائج تھی۔ جبری محنت کے کیمپوں کے مکینوں کی داستانوں سے لے کر اقوام متحدہ کے ایڈ ہاک کمیشن آف فورسڈ لیبر کی رپورٹ تک ہر ایک اس پر شاک ہے۔ پھر اس کا ثبوت خود روس کے منصوبہ بندی کمیشن کی رپورٹوں سے ملتا ہے جن میں کل محنت کا ۱۰ سے ۱۴ فی صدی تک حصہ وہاں کی خفیہ پولیس کے ٹھکانے کی طرف سے فراہم کردہ دکھایا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی مذکورہ بالا رپورٹ میں Large Soviet Encyclopaedia سے یہ حوالہ بھی دیا گیا ہے کہ

”ملاحظہ ہو روس کی مرکزی ٹریڈ یونین کمیٹی کے صدر V. V. Girshin کی رپورٹ ۴۴ ویں انٹرنیشنل کانگریس کے لیے۔ ان کا اعلان ہے کہ اصل کام جس پر روسی ٹریڈ یونینس اپنی قوتیں صرف کر رہی ہیں یہ ہے کہ پیداوار، نئی وسائل کو مزید ترقی دے دے، ”بحوالہ دی سویت ورلڈ“ صفحہ ۵-۴۰۴“

59. Report of the Ad Hoc Commission on Forced Labour, United Nations and International Labour Office, 1953.

اس میں پوری دنیا کا جائزہ لیا گیا ہے اور روس کی جبری محنت پر ایک مفصل حصہ ہے۔

تمام محاذوں پر اشتراکیت کی عظیم کامیابیوں نے یہ ممکن کر دکھایا کہ قیدیوں کی محنت کو اشتراکیت کی تعمیر کے عمومی کام میں استعمال کیا جائے۔

جبری محنت کے اس نظام کا اعتراف خروشیف کی اس تاریخی تقریر میں بھی ملتا ہے جس میں شالائی کو بے نقاب کیا گیا ہے اس میں ایک ایک بات میں ہزاروں افراد کو سائبیریا منتقل کرنے کا اعتراف ہے۔ یہی وہ بد نصیب انسان تھے جن سے جبری محنت لی جاتی تھی۔ ویسے تو اشتراکیت نے تمام ہی مزدوروں کی عمومی آزادی کو باقی نہیں رکھا ہے لیکن لاکھوں افراد سے جبری محنت کے کیمپوں میں برسوں کام کے عزم اور انسان کشی کی جو شرساک شالائی اس نے قائم کی ہے اس کی نظیر مصر کے فرعونوں کے بعد نہیں ملتی۔

نئے رپورٹ مذکورہ بالا صفحہ ۸۷-۸۸۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل لٹریچر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

Slave Labour in Russia, 1949, Report Presented to U.N. by American Federation of Labour.

Dallin, D. D., "Forced Labour in Soviet Russia"

Orlov, Alexander, "Secret History of Stalin's Crimes"

Trotsky, "The Revolution Betrayed"

Tchernavin, Vladimir V., "I Speak for the Silent"

Koestler, Arthur, "Darkness at Noon"

Averbakh, "From Crime to Labour"

۲۔ اسی خالص معاشی اور مادی نقطہ نظر کا تعنا ہے کہ اشتراکی انقلاب کو برپا کرنا اور اس انقلاب کی حفاظت کرنا اعلیٰ ترین قدر قرار پاتی ہے اور اس کے لیے باقی جو کچھ بھی قربانی کر دیا جائے وہ کم ہے۔

سیاسی، تمدنی اور ثقافتی زندگی میں کسی اخلاقی قدر کو باقی نہیں چھوڑا گیا ہے اور ہر چیز کو نام نہاد انقلاب کی بارگاہ پر صحنیت پر حادیا گیا ہے۔ اس کے لیے کیا کچھ ہوا ہے اس پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

(i) انسانوں کے درمیان محبت اور دوست کے تعلقات پیدا کرنے کی سہانے اشتراکیت کا اصل سرمایہ کار نفرت کے جذبات ہیں وہ وصل نہیں فصل ٹہر پانا چاہتی ہے۔ وہ انسانوں کو انسانوں سے لڑانا چاہتی ہے اور طبقاتی نزاع کو گہرا کرنا چاہتی ہے۔ اس کی روش منفی ہے۔ برٹنڈرسل جیسا سوشلسٹ بھی اشتراکی فکر کی اس کمزوری کا اعتراف کرتا ہے کہ

”نفرت..... معاشیات کے ماضی مطالعہ کے لیے کوئی اچھی فیائدہ

متھی اور نہ ہی اس نظام کے مثبت نظریہ کے لیے کوئی صحیح اساس تھی جسے سرمایہ کی جگہ لیتا تھی..... نفرت سے اپیل ایک لڑائی جیتنے کے لیے اچھا نفسیاتی حربہ ہو سکتا ہے اور سارے ہی جنگ آزمادوں نے ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۸ء تک اس کا استعمال کیا ہے۔ لیکن بعد میں حقیقی تعمیر کے لیے یہ صحیح نفسیات نہیں ہے۔ مارکس کا کردار کوئی بہت ہی خوش کن کردارہ تھا۔ ان کی تحریرات نفرت اور حسد اور غیظ و غضب سے پُر ہیں۔ یہ ایک انفرادی حقیقت ہے کہ اس کی شخصیت میں جو چیزیں تاپسندیدہ تھیں ان میں

سے اکثر و بیشتر اس کے پیروں میں سرایت کر گئیں۔ ایک بے لگ
مبصر یہ کہنے پر مجبور ہے وہ لڑائی جو اس جذبہ سے لڑی جائے اگر
کامیاب بھی ہوتی تو اس کے نتیجہ میں دنیا ہی تباہ کن امن قائم ہو سکتا
ہے جیسا معاہدہ درساکنہ کے تحت قائم ہوا۔ نفرت جب حد سے بڑھ
جاتی تو ایک عادت بن جاتی ہے اور یہ عادت بد ہمیشہ نئے نئے
شکار تلاش کرتی رہتی ہے۔

شعری انقلاب

اشتراکیت نے نفرت کے جذبات کو بھڑکایا ہے اور اسی ناپاک مال کی تجارت
کی ہے۔ نتیجتاً انسانی تاریخ میں نفرت اور غیظ و غضب اور حسد و رباہت کے جذبات
کو جس درجہ اس نے استعمال کیا ہے کسی دوسری اجتماعی تحریک نے نہیں کیا۔ اس
تحریک کے نتیجے میں انسانیت کی جھول میں کڑوسے کیلے پھل ہی آ سکتے ہیں، اس کا
داسی کانٹوں ہی سے تاتار ہو سکتا ہے، اور اس کی قسمت میں آگ اور خون ہی آ سکتے
ہیں، خیر و برکت نہیں۔

۱۱۔ اشتراکیت کی بنیادی تکنیک یہ ہے کہ حالات کو اصلاح یا بد نہ ہونے
دیا جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ بگاڑا جائے تاکہ سمران شدید ہو اور انقلاب
کا راستہ آسان ہو جائے۔ پیرس کمیون پر تنقید کرتے ہوئے مارکس نے کہا تھا انقلاب

کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ برسرِ اقتدار طبقہ کا قلع قمع کرنے کی بجائے سماجی انصاف کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش جوڑنے لگی۔ نیز یہ کہ مزدور طبقہ نے مالی ظفر کی کا مظاہرہ کیا اپنے مخالفین کو نیست و نابود کرنے کی بجائے وہ ان پر انقلابی اثرات ڈالنے کے چکر میں پڑ گئے۔^{۶۳}

اس ذہن کا نتیجہ یہ ہے کہ اصطلاح کی کوششوں کو تاپہ نہ کیا جاتا ہے، بحران کو شدید تر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، غرضی انقلاب کے لیے راستہ ہموار کیا جاتا ہے انقلاب میں جبر و تشدد اور ظلم و فساد گری سے کام لیا جاتا ہے اور پھر انقلاب کے بعد بھی تشدد اور مخالفین کا قلع قمع کیا جاتا رہتا ہے۔ نتیجتاً خوف، جبر اور تشدد اس نظام کا لازمی جزو اور مستقل فیچر رہتے ہیں۔ پھر انسانی خون ہر شے سے اونچا ہو جاتا ہے اور توڑ پھوڑ اور فساد گری میں انسان لذت لینے لگتا ہے۔ اشتراکی انقلاب دنیا میں جہاں بھی آیا ہے اس نے انسانی خون سے اپنی پیاس بجھائی ہے اور مذکورہ کو ایک بار اس کا مزہ لگ جانے کے بعد یہ انقلابی قوت مستقلاً آدم خور

63. Marx, *The Civil War in France*, New York, 1933, p. 80.

انہی خیالات کا اظہار لینن نے *The State and Revolution* میں (صفحہ ۹) اشتراکی نے *The Foundations of Leninism* میں (صفحہ ۵) اور عالمگیر اشتراکی پارٹی نے *Programme of the Communist International* (صفحہ ۲۶-۲۷) کیا ہے۔

ہی باقی ہے۔ لیسن نے پروتیری کی آمریت کی تعریف ۱۹۲۳ء میں یہ کی تھی کہ
 ”ڈکٹیو شپ کے معنی اس کے سامنے تصور کی رو سے نہ اس سے
 کچھ زیادہ ہیں اور نہ کم کروہ نام ہے اس غیر محدود قوت کا جو تشدد پر مبنی
 ہے، نہ کوئی چیز اس کی حد بندی کرتی ہے، نہ کوئی قانون اس پر گرفت رکھنے
 کے لیے ہے اور نہ کوئی حتمی اور کلی قانون یا اصول۔“

میں وہ جہے کر لیسن کی خفیہ پولیس (Cheka) کے سربراہ (Felix Dzerzhinsky) نے اپنے پہلے ہی خطاب میں صاف صاف کہا تھا کہ ”یہ نہ
 سمجھ لینا کہ میں انقلابی انصاف کی کسی شکل کی تلاش میں ہوں میں
 اب انصاف کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔“

حب تشدد و جبر کو تشدد کا یہ مقام حاصل ہو جائے اور اقتدار کے لیے کوئی
 صدارت پابندی باقی نہ رہے تو انسانوں پر جو بھی مظالم ہوں کم ہیں۔ مشہور روسی ماہر
 عمرانیات اور فلسفی پروفیسر میچی رم سوروگین انقلاب روس اور انقلاب فرانس کا موازنہ
 کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) میں انقلابی طاقتوں کے ذریعہ ۱۷
 ہزار افراد کو سولی پر چڑھایا گیا اور کوئی ۲۵ سے ۳۰ ہزار افراد انقلابی جبر
 کا شکار ہوئے۔..... جو لوگ اشتراکی انقلاب کے سرخ کوا کے
 (۱۹۱۷-۲۲ء) کے بلا واسطہ شکار ہوئے ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار

انسانوں کے مطابق ہلاک ہے۔ ایک لاکھ فی سال سے بھی زیادہ ! اس میں خاتمہ جنگی سفید خنجر کے اکن نذر ہونے والے افراد اور انقلاب کے بالواسطہ ہونے والے لگ شامل نہیں ہیں، اگر ان تمام صورتوں کو شامل کر لیا جائے تو ایک کروڑ ہلاک سے لے کر ایک کروڑ ۷۰ لاکھ افراد کی جانیں انقلاب کے بت پر مہینٹ چڑھا دی گئیں۔ انسانی زندگی اپنی قدر و قیمت کھو چکی ہے۔ جیسے جاگتے انسانوں کو غیر لگ کسی غلش اور زناست کے کسی احساس کے بغیر پاؤں تھے دفنابار رہا ہے۔ عملِ ظلم شب و روز کا عمل بن گیا ہے اور قتل و غری روزمرہ کا روٹین ہے۔

اشتراکیت کس طرح ایک آکٹلم بن گئی، اسے ایک دوسرے ماہرِ علمیات اور مورخ کی زبان سنئے۔ لونی مسعود دیکھتا ہے:

”تجربے کامیابی کے لمحہ میں جب کہ اشتراکیوں نے اقتدار پر قبضہ کیا ایک درجہ عمل رونما ہوا۔ سوشلزم کا انسان پرستی کا چہرہ، اس کا مادی خوشامالی اور جمہوری اخوت کا خواب، جنگ اور استبداد کے آہنی خود کے پیچھے چھپ گیا۔ باشندہ کیوں پر جنگ مسلط کی گئی تھی لیکن سوشلزم کا استبدادی پہلو مارکس کا بلا واسطہ وار تھا۔ یعنی نے مارکس کے نظریہ کو مکمل وفاداری

65. Sorokin, Pitirim A., *The Crisis of our Age*, E. P.

Dutton & Co., New York, 1951, pp. 229-230.

کے ساتھ رو بہ عمل لاتے ہوئے ان تمام گروہوں اور تنظیموں کا صفایا کر دیا جو کسی طرح بھی ریاست میں اقتدار کے شریک ہو سکتے تھے اور اس طرح اس کے منقسم ہونے کا باعث ہوتے — مادہ جو چیز ریاست کا وجود کی جاسکیں انہیں ریاست کا جزو بنایا گیا۔ جاسوسی، بلا کھلا مقدمہ چلائے سزائیں دینا، دور دراز کے انسانی بازوؤں

(Concentration camps) میں مخفی طور پر انسانوں کو قید کرنا یا مخفی طور پر انہیں موت کی نیند سلا دینا، جبری محنت، آزادی تقریباً کو ختم کر دینا، سیاسی تبدیلی اور عقلی طور پر تلاش کیے جانے والے متبادل سیاسی حلقوں کے امکانات کا خاتمہ، ایک ایسے نئے حکمران طبقہ کا ظہور جو عوام سے اتنا ہی دور ہے جتنا پرانا سرمایہ دار طبقہ اللہ بین کٹر جس کی جگہ اس نے لی اور معاشی قوت کا مکمل ارتکاز — اشتراکیت کے ان تمام نئے خصائل نے اس کے اصل عنوان کو خاک میں ملانے کا کام انجام دیا۔ اور بالآخر خود ان لوگوں کی اکثریت جس کے ہاتھوں انقلاب برپا ہوا متاخذ شدہ قرار دی گئی اور انہیں قنداروں کی حیثیت سے سزا دی گئی۔ جس طرح انہوں نے اپنے سے اختلاف کرنے والے سماجی انقلابیوں اور جمہوریت پرستوں سے معاملہ کیا تھا بالکل اسی طرح کا معاملہ ان کے ساتھ ان کے اپنے دوستوں کے ہاتھوں کیا گیا۔ اگر ان انقلابیوں پر جواز الزامات لگائے گئے وہ درست تھے تو یہ امر خود انقلاب اللہ اس کے نقطہ آغاز پر ایک بنیاد افحہ ہے، اور اگر غز میں معصوم

اور بے گناہ تھے تو خود ان کے بنائے ہوئے نظام اور اس صورت حال کے جو ان کی کوششوں سے رونما ہوئی تھیں اور بننا ہیملے کی دلیل ہے۔
اشتراکی سماج میں داخلی کشمکش

آٹا، صرف انقلاب ہی کی داستانِ خون سے اکوڑ نہیں ہے، تشدد اور استبداد اس نظام کا خاصہ ہی گئے ہیں۔ نفرت کے بیج سے جو درخت نکلا اور انسانی خون سے جس کو سیراب کیا گیا اس کا پھل بڑا ہی کڑوا اور تلخ نکلا اور اس کی بونے پوری فضا کو متصفیٰ کر دیا ہماز شوں، مظالم اور زیادتیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لینن نے اپنے دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا کام انجام دیا اور اسٹالین نے اس کے کو آٹا بڑھایا کہ صرف دشمنوں ہی کو نہیں دوستوں کو بھی تہ تیغ کر ڈالا۔ انقلاب کی ڈاتھن نے اپنے ہی بچوں کو کھانا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آتا صرف دوس ہی میں نہیں ہر اشتراکی ملک کا مقصد اندرونی کشمکشیں اور خون خرابا ہے۔ صرف چند حقائق :

۱۔ ایک نئی زبان ایجاد ہوئی اور اس کا طرزِ اختیار گالیاں، سب و شتم اور دشنام تھا۔ اس زبان کی چند خاصہ اصطلاحیں یہ ہیں سازشی سفید محافظ، باشعے ("White Guard Pigmyes") کیرے کوڑے (Insects) دہنے "Fiends" قسائیوں کے قابلِ نفرت دم چھلے (Contemptible)

66. Mumford, Lewis, *The Condition of Man*, Martin Secker & Warburg, London, 1944, pp. 340-341.

(Scums of انسانیت کی کچھٹ Lackeys of the Fascists)

humanity) فداکار (Traitors) بیرونی ممالک کے ایجنٹ امپریلزم کے

کاسریس دشمن کے تنخواہ دار غنڈے اور ناسور (Scabs) وغیرہ۔

یہ وہ زبان ہے جسے اشتراکیت نے رواج دیا، اور جسے آج بھی ہر ملک کے اشتراکیوں کی تحریرات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

لینن نے اپنے دور میں

• غیر بالٹک سوشلسٹ لیڈروں کو گرفتار کیا اور قتل کرایا

• چھپتے مزدوروں پر گولی پلائی (۹ جنوری ۱۹۱۸ء)

• کروڈسٹاڈ (Kronstedt) بغاوت (۱۹۱۸ء) کے موقع پر باغیوں کے

خاندانوں کو پرغمال کے طور پر رکھا

• پارٹی کے اندر مخالفت منصر کے وجود کو مٹانے کی کوشش کی۔

• قتل کے ساتھ ساتھ مخالفین کو سائبریا منتقل کرنے اور ان سے جبری محنت

لینے کا آغاز کیا۔

اسٹالن نے اس نظام ظلم کو اس کی انتہا تک پہنچایا۔ اس کے زمانے میں عالم

کتے یہ ساری مقدس گالیاں

(Short Course of the History of the All Union Community)

(Bolshevik)

مطلوبہ ماسکو سے ماخوذ ہیں۔

یہ ہو گیا کہ

• پارٹی کانگریس جو محض ایک دکاندار کی چیز تھی اس کا اجلاس بھی باقاعدگی سے نہیں بلایا گیا۔ چند صوبوں اور سولہویں کانگریس میں ۳ سال۔ سولہویں اور سترہویں میں ۴ سال۔ سترہویں اور اٹھارہویں میں ۵ سال اور اٹھارہویں اور انیسویں کانگریس میں ۳ سال فاصلہ ہے۔

• مقدمات کا ڈھنگ رکھا کہ بڑے جہانے پر پارٹی میں تطہیر (Purge) کی گئی اور اشتراکی نظام کے بانیوں تک کو قتل اور سرمایہ داری کا ایجنٹ قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

• لینن کے پویشیوں کا تقریباً ہر رکن شرم کر دیا گیا۔ لینن کی موت کے وقت سات رکن زندہ تھے۔ ان میں سے اٹالیوں کے سوا ہر ایک قتل قرار دیا گیا اور مجرم ٹھہرا دیا گیا۔

• پرانے باشندوں میں سے کوئی قذافی اور ملک دشمنی کے الزام سے ذبح کیا۔
• ۱۹۳۷ء کی جنگی کونسل کے استی کے استی رکن قتل کر دیئے گئے یا گرفتار۔

• سترہویں کانگریس کے ۱۹۶۶ء سندھ میں سے ۸۰۰ افراد تقریباً دو تہائی پارٹی سے نکالے گئے اور بارہویں گئے یا کمیوں میں بھیج دیئے گئے۔ اسی موقع کی مرکزی کمیٹی کے ۱۳۹ ارکان میں سے ۹۰ بعد میں گرفتار کئے گئے اور قتل کر دیئے گئے۔

• جون ۱۹۳۷ء کی تطہیر میں ۹ جرنیل اور ۳۰ ہزار فوجی قتل کر دیئے گئے۔
اسی طرح جو لوگ مزید بائوس اور قتل قرار دیئے گئے اور انہیں گولی مار دی

گنتی ان میں یہ بھی تھے ۔

- ۱۹۳۶ء کی مرکزی کابینہ کے ۱۱ میں سے ۹ وزیر ۔
- مرکزی انتظامی کمیٹی جو ۱۹۳۶ء کے دستور کے آنے تک مرکزی پارلیمنٹ کی حیثیت رکھتی تھی ، کے ، میں سے ۵ صدر ۔
- کیونسٹ پارٹی کی مرکزی تنظیم کے ۳ سیکریٹریوں میں سے ۲۲ ۔
- صوبائی تنظیم کے تقریباً تمام سیکریٹری ۔
- ۱۹۳۶ء کے دستور کا مسودہ تیار کرنے والے ، ۲ چوٹی کے اشتر کی قادی میں سے ۱۵ ۔

- روسی فوج کے ۵ ہارشلوں میں سے ۳
- فوج کے جرنیلوں میں سے ۶۰ فیصدی ۔
- ٹریڈ یونین کے سیکریٹریوں میں سے ۸۰ فی صدی ۔
- پارٹی کے ممبروں میں سے پندرہ اور بیس لاکھ کے درمیان ارکان کا اخراج کیا گیا ۔
- پہلی تقریر ۱۹۳۱ء ۵ لاکھ ۸۵ ہزار ارکان میں سے ایک لاکھ ۵۰ ہزار کا اخراج ہوا ۔
- دوسری تقریر ۱۹۳۳ء ۱۳ لاکھ ارکان میں سے ۲ لاکھ ۶۰ ہزار کا اخراج ہوا ۔
- تیسری تقریر ۱۹۳۶-۳۷ء تقریباً ۲ لاکھ ارکان کا ہر سال اخراج ہوا ۔
- اس طرح ۱۹۳۶ء میں روس میں کیونسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد ۲۰ لاکھ اور خارج شدہ ارکان کی تعداد ۲۰ لاکھ تھی ۔

۱۹۳۷ء یہ تمام معلومات روس کی کیونسٹ پارٹی کی سرکاری تاریخ سے ماخوذ ہیں ۔ اس سلسلے میں

Michael Padev کی کتاب What Happens to Communists

مطالعہ بھی مفید ہوگا جس نے تمام اعداد و شمار کا خلاصہ مرتب کر دیا ہے ۔ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء

ان محتاجی کا اعتراف اب خروشیف نے بھی کر لیا ہے۔ لیکن کیا یہ سب کچھ محض اسٹالن کے جرات تھے؟ ہماری نگاہ میں صرف اسٹالن کو مورد الزام ٹھہرانا درست نہیں۔ بلاشبہ اس پر بلا واسطہ ذمہ داری آتی ہے لیکن اصل چیز وہ کلیت پسند استبدادی نظام ہے جو اشتراکیت نے قائم کیا، جس میں اسٹالن ایک ایسا جاہل حکمران بن سکا، جس قدر نے یہ سب کچھ ظلم گرا کیا۔ اسٹالن کی موت کے بعد کچھ تبدیلیاں ضرور آئی ہیں۔ لیکن وہ بنیادی نظام بدستور قائم ہے۔ جو تبدیلیاں بھی آئی ہیں اسی نظام کے اندر ہیں، اس کی بنیادوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے حالات نسبتاً بہتر ہوتے ہوئے بھی کسی جوہری فرق کا پتہ نہیں دیتے۔

اسٹالن کے بعد اقتدار ایک سرحد کنٹی کیٹی کے ہاتھوں میں آیا۔ میکوف، میریا اور مولوٹ، ۴ ماہ کے اندر اندر میریا اقتدار قرار دیا گیا اور ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد میکوف اور مولوٹ بھی اقتدار سے ہٹا دیے گئے۔

خروشیف کے دور میں صورت یہ رہی ہے۔

خروشیف کے دست راست	خروشیف کا شمار	
میکوف	میریا	۱۹۵۲ء
مولوٹ، کاکانوچ	میکوف	۱۹۵۵ء
دوسم گرا، ذخوف	مولوٹ، کاکانوچ	۱۹۵۷ء
دوسم بہار، بلگانی	ذخوف	
خروشیف، ایک نظری قیادت،	بلگانی	۱۹۵۸ء
خروشیف نے اسٹالن پر جو تنقید کی اور بیسویں اور اکیسویں کانگریس میں جو کچھ اقتدار		

کئے ان کو بھی اس طرح خاموشی سے قبول کر لیا گیا جس طرح پہلے کی کانفرنسوں میں لٹاکے دور میں ہوتا رہا ہے۔

خود خروشیف کو بھی ایسی ہی سے ہٹا دیا گیا۔ اب پتہ نہیں یہ توفیق کسے حاصل ہوتی ہے کہ خروشیف کے اعمال پر اسے پردہ اٹھائے۔

ایک اور اہم چیز جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ سازشوں، مقدموں، تطہیر، گرفتاریاں اور گولی سے اڑانے کا یہ سلسلہ صرف روس ہی میں نہیں ہے بلکہ جہاں جہاں اشتراکی نظام قائم ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ملک میں یہ موجود ہے۔ صرف چند شامل ہیں:

مشرقی یورپ کے چھیون اشتراکی ممالک (البانیہ، بلغاریہ، نیکوسلاویکیہ، یوگوسلاویہ، پولینڈ اور رومانیہ) میں برابر عمل تطہیر جاری ہے اور پہلے ۸ سالوں میں جو لوگ قتل و حمل بن چکے ہیں ان میں یہ لوگ شامل ہیں۔

- دو نائب وندائے اعظم
- ایک سربراہ مملکت

- وزراء میں سے تقریباً - تقریباً تمام وندائے خارجہ نکالے جا چکے ہیں،
- اہم سرکاری عہدہ داروں اور کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹریوں میں سے تقریباً - ۱
- پارٹی کے کل ارکان کا تقریباً ۲۵ فی صدی - ۸۰ کاٹھا ارکان میں سے ۲۰ سے ۲۵ کاٹھا ارکان نکالے جا چکے ہیں۔

چین میں ثقافتی انقلاب کے نام پر جو ڈرامہ ہو رہا ہے اس کی تہ میں لگا رہی کش کش کا رہا ہے۔ غرض اشتراکیت جہاں بھی آئی ہے اس نے اپنیوں اور غیروں سے خون کی ہولی کیلی ہے۔ انسانی نقطہ نظر سے اشتراکیت نے کتنی بڑی

قیمت وصول کی ہے، اس کے تصور سے روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۱۷) پھر تشدد کی صورت یہی صورت نہیں ہے۔ ملامتوں سے اعتراضات حاصل کرنے کے لیے جبر اور ظلم کے جو حربے اختیار کیے جاتے ہیں وہ انتہائی مشرک ہیں۔ ان میں سے کچھ کی تفصیل خود خورشیدیت نے اپنی تاریخی تقریر میں بیان کی ہے صرف ایک جملہ: ”اور یہ کس طرح ممکن ہوا کہ ایک شخص ان جرائم کا احترام کر لیتا ہے جن کا اہی سے صدور نہیں ہوا؟ یہ صرف ایک ہی وجہ سے ممکن ہوا۔ اس پر جسمانی ایذا اور تعذیب کے طریقوں کا استعمال، مار پیٹ، اسے تعذیب سے بے ہوش کر دینا، اس کی عقل کو موقوف کر دینا، انسانی عزت اور شرف کو ختم کر دینا، بے حرمتی۔ یہ ہیں وہ ذرائع جن سے اعتراضات حاصل کئے گئے۔“

پھر صرف ملامتوں میں ہی کو مظالم کا نشانہ نہیں بنایا گیا، ان کی اولاد، اعزہ اور ویتوں کو بھی مشق ستم بنایا گیا، بچوں کو ایذا نہیں پہنچا کر والدین سے اعتراضات حاصل کیے گئے۔ مارچ اور اپریل ۱۹۳۹ء کے قانون کے ذریعہ ۱۲ سال کے بچوں کو بھی انہی سزاؤں کا مستحق قرار دیا گیا جو بالغوں کے لیے تھیں اور سرکاری ملاک کی چوری پر موت ٹھک کی سزا نافذ کی گئی۔ بارہ سال کے بچوں کو فروج داری کے معاملات میں بالغوں کی سزا کا مستحق قرار دینا دنیا کی تاریخ ظلم میں ایک نادر چیز ہے۔ انگریزوں نے کارہی کی ۱۳ سال کی لڑکی کو اس طرح بے سہارا کیا گیا کہ وہ دیوانہ وار گلیوں میں پھرتی تھی اور کوئی اس کی بات نہ سمجھتا تھا۔ لیسن کی بیوی جس کی حیثیت اشتراکیت کی پہلی خاتون کی تھی، وہ بھی مظالم سے نہ بچ سکی۔ ادراک خود اسٹالین کی بیٹی کو امریکہ میں پناہ لینے پڑی ہے!

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟

پھر اس کی نظیر بھی صلیب اشتراکی روس ہی پیش کر سکتا ہے کہ سزا صرف مجرموں ہی کو نہیں، ان کو بھی ملتی ہے جو جرم کے بارے میں کوئی علم بھی نہیں رکھتے۔ مار جون سنہ ۱۹۳۷ء کے قانون کی رو سے جو فوجی ملک سے جھاگ جاتے اس کے ساتھ رہنے والے تمام اعزہ، بیوی، اولاد وغیرہ کو آزادی سے محروم کر دیا جائے گا اور ساتیریا کے حدود ملاقاتوں میں بھیج دیا جائے گا۔ اگر ان کو اس کے جرم کا علم ہو تو وہ سال سے دس سال کی مدت کے لیے اور ان کی تمام املاک ضبط کر لی جائیں گی اور اگر ان کو علم نہ ہو تو وہ سال کے لیے ساتیریا بھیجا جائے گا۔ داند ستیا۔ ۹ جون سنہ ۱۹۳۷ء اس کے صرف یہ معنی ہی نہیں ہیں کہ وہ کسی جرم کا کوئی علم بھی نہیں رکھتے ان مصدوموں کو بھی سزا دی جا رہی ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں یہ مہیمانہ نظام قائم کرنا پیش نظر ہے کہ بیوی شوہر پر ادا اولاد والدین پر باسوسی کریں دند اپنی چڑی محفوظ رکھ سکے۔

سوال یہ ہے کہ جو نظام اس درجہ بے اعتمادی پر مبنی ہو، جس میں ہر طرف تعداد سازی کے کارخانے کام کر رہے ہوں، جس کو جبر و قہر کے ذریعہ چلایا جا رہا ہے، اس کو ایک صحت مند نظام کیسے کہا جاسکتا ہے۔ پھر اگر ہم ملے کس کے اس نظریہ کو مان لیں کہ انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے، تو اس ماحول کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جو خود اشتراکیت کے بہترین سپوتوں کو فساد، پاگل اور ملک دشمن بنائے ڈال رہا ہو! پھر بات یہ بھی نہیں ہے کہ یہ سب کچھ سیاسی کمزوری کی وجہ سے ہو، یہ نظام بننا مضبوط ہوتا جاتا ہے، اس کی سنت گیری اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۹ء تک اخبارات میں اشتکافی رائے چھپتی تھی، لیکن کی جوری کی

یادداشتیں آخر دوسری میں چھپی تھیں، لیکن اس کے بعد جب ملک مضبوط ہو گیا تو یہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ عدل کے کیسا رکھیکو نے ایک بار کہا تھا کہ:

”ہر زمانے کے موقع پر ستن کا یہ قول ہے کہ ایک ملک جتنا مضبوط

ہوگا، اپنے مخالفین سے اس کا رویہ اتنا ہی نرم ہوگا، نہیں مہرگز نہیں!

ملک جتنا مضبوط ہوگا، جتنا طاقت ور ہوگا، پارٹی اور حکومت کا رشتہ

عوام کے ساتھ جتنا مضبوط اور گہرا ہوگا، اتنا ہی سوشلسٹ تعمیر کو متاثر

کرنے والے دشمنوں کے خلاف ہمارا غصہ سخت تر ہوگا اور ہم ان

کے خلاف اتنے ہی سخت تر اقدام کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔“

(بحوالہ از ویسٹیا فروری ۱۹۳۳ء)

یہ ہے اشتراکیت کا ذہن! کمزور ہوں تو بقا کے لیے تشدد منور می ہے،

مضبوط ہوں تو مخالفین کے خلاف غصہ کے اظہار کے لیے تشدد لازم

ہے۔ تشدد اس نظام کی روح ہے، اس کا مزاج ہے، اس کا طرز عمل

ہے۔ یہ انسانوں سے انسانوں کی طرح معاملہ نہیں کرتا، دھندوں کی طرح

کرتا ہے اور دوست و دشمن ہر کوئی اس کا نشانہ بن سکتا ہے،

بنیادی انسانی حقوق کا انکلاف

انسان نقطہ نظر سے اشتراکیت کی سہلج کا جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس

نے جو سیاسی نظام بنایا ہے وہ آزادی اور جمہوری اقدار سے محروم ہے۔ فرد کے آزاد

وجود کو یہ نظام گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ نہ اسے نظریہ عدلیہ کی آزادی

ہے، نہ اختلاف اور اعتراض کا حق ہے، نہ پیشہ اور روزگار کی آزادی ہے،

نہ تنظیم بندی کی آزادی ہے، نہ نقل و حرکت کی مکمل آزادی ہے، نہ بے لگ انصاف کے حصول کا حق ہے، نہ نظام حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے اور تبدیل کرنے کا اختیار اور موقع ہے۔ اشتراکی نظام ایک کلیت پسند آمرانہ اور استبدادی نظام ہے جس میں آزادی اور جمہوری حقوق کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ ان کو ایک سامانِ تعیش قرار دے دیا گیا ہے جس کی کلیت بورژوا نظام میں تو ہو سکتی ہے، پروتادی نیا میں نہیں!

حقیقت یہ ہے کہ معاشی لگاڑ سے زیادہ بنیادی مسئلہ انسانی آزادی کا مسئلہ ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ اس کو باقی حیوانوں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ اس کی آزادی ہی ہے۔ اگر دنیا کی تمام سہولتیں اس کو حاصل ہو جائیں لیکن انسانی خودی مجروح ہو جائے اور اسے آزادی سے محروم کر دیا جائے تو یہ نعمتیں نہیں مصیبتیں ہیں۔ مگر اقبال نے بہت صحیح کہا تھا کہ

اسے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو، پرواز میں کوتاہی

اشتراکی نظام میں انسان کو مشین کے بے جان پرندوں کی سطح پر اتار دیا گیا ہے۔ وہ اپنی سیاسی اور تہذیبی قسمت کا مالک نہیں رہا ہے بلکہ اقتدار کے ہاتھوں میں بے جان مہروں کی مانند ہے۔ یہ محض کچھ افراد کا نہیں، پوری انسانیت کا المیہ ہے۔ ملک کے سارے انتخابات ایک پارٹی کے ہاتھوں میں ہیں جس کے کل ارکان کی تعداد آبادی کے سو فی صد سے بھی کم ہے۔ کسی دوسری پارٹی کا کوئی دعوہ نہیں۔ یہی پارٹی انتخابات کے لیے اپنے نامزد کمرے کرتی ہے، کوئی ای کے مقابلے

پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی دنیا کا ایک عجیبہ ہے کہ انتخاب میں صرف ایک نمائندہ ہوتا ہے اور پھر اس الیکشن کو رائے شماری کہا جاتا ہے! برطانیہ کے سوشلسٹ وزیر اعظم اٹلی نے روسی انتخابات کو ایسی گھوڑ دوڑ سے تشبیہ دی تھی جس میں صرف ایک ہی گھوڑا شریک دوڑ چو!

پورے ملک میں صرف دو اخبارات ہیں۔ پراودا اور ازویستیا۔ ایک پارٹی کا ترجمان ہے اور دوسرا حکومت کا۔ تمام ملک کے سب سرکاری اخبارات ازویستیا (Izvestia) کا ادارہ چھاپتے ہیں اور تمام پارٹی کے ترجمان پراودا (Pravda) کا۔ صرف ایک نیوز ایجنسی ہے۔ ٹاس (Tass)۔ مقامی خبریں صرف سرکاری ہیڈ لائن آؤٹ ہوتی ہیں۔ اس طرح خبروں پر مکمل کنٹرول ہے اور کوئی خبر چھاپی نہیں جا سکتی۔ حد یہ ہے کہ ۲۳-۱۱۹۳۲ کے یوکرین قحط کی کوئی خبر پورے روس میں شائع نہیں ہوئی حالانکہ اس میں ۲ لاکھ کے قریب افراد بھوکوں مرے۔ اب اس قحط کا کھل بندھن اعتراض کیا جاتا ہے۔

عدالت اور قانون انفرادی آزادی کے محافظ ہوتے ہیں لیکن ان کا بھی کوئی آزاد وجود نہیں ہے۔ قانون کو اشتراکی نظام کا ایک آلہ کار بنایا گیا ہے۔ نظام عدل بھی انہی اشتراکی مقاصد کے تابع کیا جا چکا ہے۔ بنیادی حقوق کی تنفیذ کا کوئی حق نہیں پایا جاتا۔ جو سرکاری وکیل کارول اوکرتے ہیں۔ عدالت کا کوئی آزاد مضابطہ نہیں ہے۔ ۵۰ سال میں تمام عدالتوں میں کوئی ایک فیصلہ بھی حکومت وقت کے خلاف نہیں ہوا ہے۔ ایڈوری وائی شینسکی (Andrey Vyshinsky) جو سرکاری وکیل اور ماہر قانون کی حیثیت رکھتا ہے اپنی کتاب میں کہتا ہے:

”ایک اشتراکی عدالت کا کام یہ ہے کہ عوام کے دشمنوں کو خواہ وہ اشتراکیت کے خلاف اپنی چہرہ دستیوں کا اظہار کسی بھی صورت میں کریں فورہ برابر جھڑوسی کے بغیر نیست و نابود کر دے۔“

”تمام درالتیں طبقاتی پالیسی کا آلہ کار ہیں۔“

”اشتراکی انصاف مزدور طبقہ کے ہاتھوں میں جبر و تشدد کا ایک ہتھیار ہے۔“

”ایک اشتراکی جج کا غنہ محض قانونی منطق نہیں ہے۔ اسے ہمیشہ یہ حقیقت اپنے سامنے رکھنی چاہیے کہ قانون پارٹی کی پالیسی کے غنہ کے اظہار کے سوا اور کوئی وجود نہیں رکھتا۔“

”اگر قانون اور پارٹی کی وہی ہوتی لائن میں تصادم ہو گیا اشتراکی جج کو بلا ٹکلف قانون کے لفظی اطلاق کی کو ترک کر دینا چاہیے تاکہ وہ پارٹی کی ہدایت کی مکمل اطاعت کر سکے اس لیے کہ پارٹی کی ہدایت اس کے لیے ایک ہمارے قانون کی حیثیت رکھتی ہیں۔“

اس کے بعد قانون کی سکرانی کے کیا معنی باقی رہتے ہیں۔

خاندانی نظام کا خاتمہ

اشتراکیت نے جو سماجی نظام بنایا ہے اس میں بھی انسان کو نظر انداز کرنے

نئے مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو ”قانون کا اشتراکی تصور“ از ابن ندیرہ ”چراغ راہ“ اسلامی قانون نہر جلد اول۔

کی وہی پالیسی کا دہرایا ہے جسے ہم معاشی اور سیاسی دائرے میں دیکھ چکے ہیں۔
 خاندان کا نظام جو ہمیشہ سے تہذیب کا گہوارہ رہا ہے، متضاد اور متناقض پالیسیوں
 کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اس نظام میں کوئی چیز محرم باقی نہیں رہی ہے۔ نہ فرد کی شخصیت
 نہ قریب ترین رشتے، نہ مالی ادارے اور تعلقات۔ ہر چیز اضافی ہے اور وقت کے
 بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنا مقام بدلتی رہتی ہے۔ اولاد پر والدین کے حقوق باقی نہیں
 رہتے ہیں، ریاست کے مفاد میں بچوں کو جس طرح پا ہے استعمال کیا جاسکتا ہے۔
 مذہب اور اخلاق نے سماجی زندگی کی جد بندی کی تھی اسے توڑ دیا گیا ہے۔ نکاح اور
 طلاق کا نظام وقت کی ضرورتوں کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ جائز اور ناجائز رشتے
 میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ انقلاب کے فوراً بعد جنسی آزادی دی گئی،
 خاندان کے نظام کا مذاق اڑایا گیا، نکاح کی مذہبی تقدیس کو ختم کر دیا گیا۔ طلاق کا
 دروازہ چھپٹ کھول دیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک مناسبت میں صرت پوسٹ کارڈ سے
 اطلاع دینا کافی قرار دیا گیا۔ پھر حیب حملات خراب ہوئے اور قابو سے باہر ہو گئے تو
 اس جنسی آزادی پر پابندیاں مائد کی جانے لگیں، طلاق کو مشکل تر بنا دیا گیا۔ طلاق کی فیس کو
 ۵۰ روپے سے بڑھا کر ۵ ہزار روپے تک پہنچا دیا گیا و دفعہ ۴ قانون طلاق جو ۱۹۳۹ء
 کنوینشن پر ٹیکس مائد کر دیا گیا۔ اسقاط حمل کو قانونی جرم قرار دیا گیا۔ بچوں کی تعداد
 ۷۷ اسقاط کا قانون دس کی تاریخ میں وہ دوا د قانون ہے جس کے بارے میں عوامی برقی
 معلوم کرنے کے لیے ٹیکسٹ بکس سے رجوع کیا گیا۔ استصواب رائے کا ورد کیا گیا تھا لیکن
 جب کہنے والی اور ان کی اکثریت حکومت کے مجوزہ قانون کے خلاف معلوم ہوئیں تو استصواب
 کو روک دیا گیا اور ۱۵ دسمبر ۱۹۴۱ء کو ممانعت کا قانون نافذ کر دیا گیا۔

پرہیز کرنا اور دیا جانے لگا۔ غرض کسی ایک کیفیت کو بھی معاشرے میں حقیقی قدر و قدر حاصل نہیں، محض وقتی مصلحت کی بنیاد پر ایک انتہا سے دوسری انتہا تک معاشرہ متحرک رہ کر کھاتا رہتا ہے۔

اس کا نتیجہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی مفاسد جو مغربی تہذیب میں رونما ہوتے ہیں اشتراکِ سماج میں رونما ہو رہے ہیں۔ چوری اور سبوتاژ وہاں عام ہے۔ زنا اور دوسرے جنسی جرائم بے پناہ ہیں۔ ہاسکے کی نگینوں میں قہر گری اسی طرح ہوتی ہے جس طرح لندن اور نیویارک میں شراب نوشی عام ہے اور نقص امن مار کے ہروس واقعات ہیں سے نوہ ہوتے ہیں جن کے مرکب شراب کے نشے میں مست ہوتے ہیں۔^{۷۲} میں صرف مینٹل گراڈ کے ایک محلہ میں دو سو سے زیادہ نوجوان شراب نوشی کے جرم میں گرفتار ہوئے۔ شراب نوشی کا یہ عالم ہے کہ ہر چھٹی کے بعد کے دن مزدوروں کی پیدا آمدی نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہے۔ ملاقوں میں سے نصف اس وجہ سے ہیں کہ شراب نوشی میں حصے گزر جاتے ہیں۔ اطفال اور نوجوانوں کے جرائم بڑھ چکے ہیں۔ کچ روپی (Delinquency) کا رجحان اسی طرح رونما ہو رہا ہے جس طرح مغربی ملک میں۔ نوجوانوں کے غول کے غول (Gangs) وہاں بھی رونما ہو گئے ہیں اور مختلف سماج دشمن سرگرمیوں میں مبتلا ہیں۔ فرد معاشرے سے کٹا ہوا ہے اور شدید

72. Vide CDSP, December 8, 1965.

73. See : Hollander, Paul, "The Homelessness" Survey, July 1966.

مفارت (Alienation) محسوس کرتا ہے۔

اشتراکی مواقع پرستی کی چند مثالیں

اشتراکی نظام کا یہ بہت ہی عظیم المیہ ہے کہ اس میں حتیٰ الفضا، خیر اور صداقت کے کوئی مستقل معنی نہیں ہیں۔ مصلحت پرستی وہاں کا چلن ہے اور ہر وہ چیز جو مقصد بخلائی کا ذریعہ بنے قابل قبول ہے۔ اقدار کی اس اضافیت نے انسان کو وہ نقصان پہنچایا ہے جو اس سے پہلے کے کسی نظام تہذیب نے نہیں پہنچایا تھا۔ خروشیف نے اشتراکی کو جس طرح بے نقاب کیا ہے۔ اس نے اشتراکی کے بارے میں تو ہماری معلومات میں کچھ زیادہ اضافہ نہیں کیا البتہ اس نظام کی اس بنیادی کمزوری پر سے مزور پردہ ہٹا دیا ہے۔ اس نظام میں خوب و ناخوب کا معیار اس طرح بدلتا رہتا ہے جس طرح صحرا میں ریت کے ٹیلے۔ دوستی اور دشمنی کا بھی کوئی مستقل اصول موجود نہیں ہے۔ یہاں آسمان پر غلط رنگ بدلتا رہتا ہے۔ مدعا کی وضاحت کے لیے ہم صرف چند مثالیں دیتے ہیں۔

(۱) پہلی جنگ کے بعد اشتراکیت نے جنگی تادان (Reparations) کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کی۔ لیکن دوسری جنگ کے بعد جنگی تادان وصول کرنے پر اصرار کیا۔

(۲) فاشزم کی مخالفت کی اور اسے سرمایہ داری کی بدترین شکل قرار دیا لیکن پھر شلکے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا اور تھوڑی سی زمین حاصل کرنے کے لیے پولینڈ پر قبضہ

74. See: Chalasinski, Jozef, "The Homelessness of 'Universal Man', Survey, January, 1967, p. 163.

کے حق کو تسلیم کر لیا۔ جب جرمنی سے دوستی ہوئی تو نہ صرف یہ کہ فاشزم پر تنقید بند ہو گئی بلکہ ہٹلر کے قومی تہنیک کو دوسری فوج نے گایا۔ لیکن پھر جلد ہی تھلر کی کھائی اللہ دوس جرمنی کے خلاف برسرِ جنگ ہو گیا۔ اب سرِ بار دارانہ ملک سے دوستی شروع ہو گئی اور انہیں غرض کرنے کے لیے اشتراکیت کی بین الاقوامی تنظیم کو منسٹر، چمک کو توڑ دیا۔ جنگ کے فوراً بعد جنگ کے زمانے کے انہی ملیغوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گیا۔

(iii) اشتراکیت کے قادیوں کے بارے میں جو تضاد باتیں سامنے آتی ہیں وہ سخت حیران کن ہیں۔ جب اسٹالن برسرِ اقتدار تھا تو عالم پر تھا کہ انڈولیتیا میں ۲۰۰ سطروں میں اسٹالن کا نام، ابلر آتا تھا اور ہر بار کئی کئی لائنوں کی تعریفوں کے ساتھ اور پر اور اد میں یہ تھتھ شائع ہوئی تھی کہ

اے عظیم اسٹالن، اے عوام کے راہنما
تو وہ ہے جس نے انسان کو وجود بخشا
تو وہ ہے جو زمین کو بار آور کرتا ہے
تو وہ ہے جس سے صدیوں کی زندگی عبادت ہے
تو وہ ہے جو بہاروں کو میری عطا کرتا ہے
تو میری بہاروں کا مرکز ہے
سورج کی مانند، جو لاکھوں دلوں پر جلوہ نگر ہے

اور سچا اب عالم یہ ہے کہ اس عظیم اسائن کی لاش تک مقبرہ سے نکال کر کسی گناہ پر دفن کر دی گئی ہے اور اب اس کی قبر کا بھی کسی کو علم نہیں۔ اسے زاروں سے زیادہ بڑا ظالم ثابت کیا جا رہا ہے اور کوئی اس کے حق میں ایک کلمہ تک نہیں کہہ سکتا۔
 بیریا کو بیچتے۔ پروڈا اسے اسائن کا وفادار دست راست اور شاگرد رشید مکتا تھا اور سوئٹ انسائیکلو پیڈیا دینسٹ^{۱۹۵۱} ایڈیشن، اسے سوئٹ کیونسٹ پارٹی اور حکومت کے نمایاں ترین قائدین میں سے ایک قرار دیتا تھا۔ لیکن تین ہی سال بعد روسی ریڈیو اور پریس نے اس کی جو تصویر کشی کی وہ یہ تھی،

”ذلیل اور بے وفاء، کم ظرف دشمن، ملعون دشمن، قابل نفرت خداوند موقوف پرست، اشرار، پاداک خدا، بد معاش خدا، ذلیل خدا، ہورڈوائی بد کردار، سامراجی ایجنٹ، باؤ لاکتا، تیز چگامہ پرست، نظریاتی بلا لاکتا بلغاریہ کے کامریڈ کوسٹووکا حشر بھی اس سے مختلف نہ ہوا۔ اس کی سپاسویں سالگرہ کے موقع پر پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے اس کا قصیدہ یوں پڑھا تھا۔

”کامریڈ کوسٹووکا تمہاری خدمات عظیم ہیں، تم پارٹی کے معمار اور پارٹی کے ارکان کے استاد اور معلم ہو۔ تمہاری قیادت میں اور تمہاری سنہری شکل سے متاثر ہو کر ہزاروں ارکان نے پارٹی کی مکمل اطاعت کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مارکسزم لیننزم کے بارے میں تمہاری معلومات بڑی گہری ہیں تمہاری شرافت عظیم، محنت اور استقلال میں تمہاری مثال بڑی اونچی ہے تمہارا آپنی اردو، پارٹی اور مزدور طبقہ کے لیے تمہاری بے لوث فداکاری وہ درخشاں بالشتی کی صفات ہیں جو تمہاری پوری حرکت اور جدوجہد سے

بھر پور زندگی کو اور بھی حسین بنا دیتی ہیں۔ تم آج ہماری پادشہی کے محبوب ترین
قائدوں میں سے ایک ہو۔ ایک عظیم مدبر اور نئے بلعاریہ کے معمار۔
اور دو سال بعد ہی کو سٹو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور اسے سزائے موت
دی گئی۔ سرکاری اخبار نے لکھا کہ

”کٹہرے میں کو سٹو کھڑا تھا۔ وہ پرانا ہالک، دو ٹوک، ہانا بوجھا ہوا
بازو کا فرقہ پرست اور جھوٹ ڈالنے والا سمجھ بھڑکا سا سچنٹ جو بلعاریہ کی
شاہی اور فسطائی پولیس کا تنخواہ دار تھا، برطانیہ کے نظام ہاسوس کا کتا
ٹیو جیسے ہاسوس اور فقار کا قریب ترین ساتھی، قابلِ نفرت مجرم، وہ
زمین کی غلامت جس نے اپنے تحریری اعتراف نامہ کو ماننے سے
انکار کر دیا۔“

جس نظام میں اصولوں، نظاموں، اداروں اور افراد کے بارے میں آسان طرح
بدلتی ہوں، جس میں کوئی اصول مستقل ہو اور نہ کوئی قد و اتنی، جہاں حق و انصاف
اور صداقت کا کوئی وجود نہ ہو۔۔۔ وہ نظام انسانیت کے لیے ایک رحمت ہو سکتا
ہے یا لعنت!

اشتراکیت پر انسانی نقطہ نظر سے جتنا بھی غور کیا جائے گا اس کے سوا کوئی دوسرا
نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک انسان دشمن نظام ہے، جس میں بدن کی سیوا اور کٹ گئی
ہے، لیکن روح کو سچ کر دیا گیا ہے اور انسانیت کو اس کے ہر شرف سے محروم کر دیا
گیا ہے۔ ہم بحث کے اس حصہ کو ایک اشتراکی اور ایک غیر اشتراکی مفکر کی رائے
پیش کر کے مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے مشہور سوشلسٹ ایل ٹرم جارج برنارڈ شاؤکلے

کا مطالعہ کیجئے۔ شانے ایک مدت پہلے روس کے دورے کے بعد اپنی اس رائے کا اظہار کیا تھا اور اسے پروردگار نے بھی بلا تبصرہ شائع کیا تھا۔

دوروس نے فردا اور ریاست کے درمیان ایک نیا رشتہ تعمیر کر دیا ہے۔ اس نئے تصور میں انسانی زندگی کی حقیقی اور اندرونی قدر و قیمت کے جھوٹے اور خیالی نظریہ کی جگہ حیات انسانی کے بارے میں ایک حقیقت پسند اور افادہ ی رو بیاختیار کیا گیا ہے۔ روسی اشتراکیت کی کامیابی میں بہت بڑا دخل اس حقیقت کو ہے جسے ہر روسی شہری جانتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے ملک کے لیے کارآمد نہیں بناتا تو امکان غالب ہے کہ وہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ خفیہ پولیس کا کوئی ایجنٹ اسے شانے سے تھامے گا اور اسے اس مشہور و معروف جگہ پر لے جائے گا جہاں پہنچنے کے بعد اس کی داستانِ حیات ختم ہو جائے گی۔ اس کے سارے اعزاز و کرمی سے مطلع کر دیا جائے گا۔ کہ انہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ اب گھرواپس نہیں آئے گا؟

برنارڈ شانے نے اپنے مخصوص انداز میں بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔ اشتراکِ نظام میں انسان بحیثیت انسان محترم نہیں ہے۔ حیات انسان کی خود کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اگر زندگی ملک اور نظام کے لیے مفید نہیں ہے تو اس کی بچاؤ کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ مادہ پرستانہ ذہن کی بالکل عین حکاسی ہے۔ البتہ دوسرے مادہ پرستانہ نظاموں میں ایسے انسان کو اس کے مال پر چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن اشتراکِ مادہ پرستی کو اس کے منطقی نتائج تک لے جاتی ہے۔ وہ ایسے انسان کو جو نظام کے

یہ افادیت نہ رکھتا ہو، اگر ارا بھی نہیں کرتی۔ وہ اسے شکانے لگانے کا مناسب بندوبست کر دیتی ہے !

دوسرا مسئلہ جس کی رائے ہم پیش کرنا چاہتے ہیں وہ یعنی فلسفی ڈاکٹر میں یونٹانگ ہے۔ وہ اشتراکیت پر اپنے پورے غور و فکر کا بخوڑ اس طرح بیان کرتا ہے کہ

”میں اپنے آپ کو ایک نفی عدالت میں تبدیل کر رہا ہوں اور اپنے ضمیر کی تنہائیوں میں حقائق کو اشتباہات، غلط سمجھ اور توڑنے مروڑنے کے عمل سے جدا کر کے ان پر غور کرتا ہوں۔ میں ساری شہادتوں کو زیر غور کرتا ہوں اور اپنے سے سوال کرتا ہوں، کیا انسان اور انسانی تمدن کی قسمت میں یہی کچھ لکھا ہے؟ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اشتراکیت کا یہ پورا تجربہ اس لائق نہ تھا کہ اسے کیا جانا۔۔۔۔۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فنی ترقی کے تمام دعووں کے باوجود، ایک بچے کی زندگی کو بچا لینا، سانبیر یا سے ایک ماں کا اپنے بچے کے پاس بھیج دیا جانا، ایک غلام کو اس کی زنجیروں سے آزاد کر دینا، فسادات میں اسپرنگ اڑانے سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ ایک انسان کا انسانی سطح سے پست زندگی گزارنا اور اس کا محسوس اور کم خرد کی سے چور ہو کر بروت پر مردہ گر پڑنا، ایک قیدی کا اپنی کال کو مشرطی سے اپنی بے گناہی کی دل خواش پکار لگانا اور لیتوانیا کے علاقہ میں ایک بچے کا آدھی رات کو سکیورٹی پولیس کے ہاتھوں اپنی ماں کی گرفتاری اور روانگی کا منظر دیکھنا۔۔۔ یہ ساری چیزیں ان اسپرنگوں سے حتمی طور پر کہیں زیادہ اہم ہیں۔ اور یہ سارے امور

خود ہم سے متعلق ہیں، اس لیے کہ بیسویں صدی میں ان کو گوارا کر رہے ہیں۔
 اشتراکیت انسانوں کے مسئلہ کو محض حیوانوں کی سطح پر حل کرنا چاہتی ہے اور وہ اسے
 کبھی حل نہیں کر سکتی انسان کہ روح اس مادی ترقی کے باوجود جو یہ حاصل کر لیتی ہے بے معنی
 اور مضطرب رہتی ہے۔ وہی ترقی انسان کی ترقی ہو سکتی ہے۔ جس میں انسان سے بحیثیت
 انسان معاملہ کیا گیا ہے۔ اگر مقام انسانیت ہی باقی رہے تو پھر کوئی چیز بھی مفید
 نہیں ہو سکتی۔ یہی اشتراکیت کا الیہ ہے۔ سب کچھ پانے کے بعد بھی انسان اپنے کو
 خالی ہاتھ محسوس کرتا ہے۔ اس کے دل و دماغ کی نگہی اجاڑ رہتی ہے۔ اس کی شخصیت
 ایک سایہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ زندہ ہوتے ہوئے زندگی کو ترستا ہے،
 سانس کی آمد و رفت کے باوجود اپنے کو زندہ محسوس نہیں کرتا، مادی صلاحیتیں رکھنے
 کے باوجود مجبور محض ہو جاتا ہے۔ چند معاشی سہولتوں کے بدلے انسانیت کے
 پورے سرمایہ کی قیمت ادا کر کے وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے لوٹ لیا گیا۔ یہ سودا اسے
 بڑا ہی مہنگا پڑتا ہے۔ روسی ادیب پاسٹرناک کے الفاظ میں اس کی کیفیت اس

فک ہیرالڈین پراگ، کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۱۷۷

برٹرنیڈر حل نے بھی ایک جگہ کہا ہے کہ میں مجبور ہوں کہ باشعور کم و ودوجہ سے
 رو کر دوں۔ پہلا یہ کہ انسانیت کو اشتراکیت کو باشعور کی طریقوں سے حاصل کرنے کی برقیہ
 اور کرنی پڑتی ہے وہ ہونا کہ ہے، اور دوسرے اس لیے کہ اتنی بھاری قیمت ادا
 کرنے کے بعد بھی میں سمجھتا ہوں کہ نتیجہ حاصل ہوگا، وہ، وہ نہیں ہوگا جس کا دعوئی
 باشعور کی کہتے ہیں۔

اس سے ڈاکٹر شوگر ازابورس پاسٹرناک

کسان کی سی جہتی ہے جو محسوس کرنا ہے کہ:

”عجب انقلاب آیا تھا اور اس نے اسے بیدار کیا تھا تو وہ سمجھا
تھا کہ اب اس کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کو ہے۔ اس کا پرانا خواب
کہ وہ زمین پر اپنے ہاتھوں کی محنت سے بے قید و زندگی گزارے، پوری
طرح آزاد ہو، کسی کا کچھ بھی دینا نہ چاہی، لیکن اس کے برعکس اُس نے محسوس
کیا کہ اس نے صرف آکا جیل لیے ہیں، پرانے زارمی ریاست کے نظام
ظلم و تشدد کی جگہ نئی انقلابی بالائی ریاست کا زیادہ دوزخی اور سخت گیر چوا
اس کے کندھوں پر ہے۔“

اشتراکیت کے اس الیہ کو پولینڈ کے شاعر آدم وازیک نے بڑی سہجائی
اور دردمندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

یہاں انسان ہیں جو کام سے تھک گئے ہیں۔
پولینڈ کے سبب ہیں جن کو پولینڈ کے پوتے حاصل نہیں کر سکتے
یہاں بچے ہیں جنہیں مجرم ڈاکٹر غصہ کی نظر سے دیکھتے ہیں
یہاں معصوم بچے ہیں جن کو جھوٹ بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے
یہاں معصوم بچیاں ہیں جن کو غلط بیانی پر مجبور کیا جاتا ہے
یہاں انسان ہیں جو انصاف کے منتظر ہیں
یہاں لوگ ہیں جو ایک مدت سے انتظار کر رہے ہیں

اس زمین پر ہم اپیل کرتے ہیں
 انسانوں کے نام پر اپیل کرتے ہیں
 ان انسانوں کے نام پر جو کام سے خشک چکے ہیں۔
 ہم ان تالوں کے خواہش مند ہیں جو ہمارے دروازوں پر لگ چکیں
 ان کڑوں کے طالب ہیں جن میں کھڑکیاں ہوں۔
 ان دیواروں کے جو خستہ و خراب نہ ہوں
 ہاں اس لیے کہ انسانوں کی طرح وقت گزارا جا سکے
 فرانس کی سوشلسٹ پارٹی کے سیکرٹری پیرے کامن نے سرخ جنت کی زیارت
 کے بعد بہت خشک کہا تھا کہ
 ”ہمیں یہ احساس ہے کہ انقلاب انسان کو ناقہ پہنچانے اور اس
 کی عزت اور اس کے وقار میں اسراف کرنے کا باعث نہیں ہو رہا ہے،
 بلکہ یہ انسان کو محض ایک آلہ بنانے میں کامیاب ہو رہا ہے۔“
 آخر اکی تہذیب میں انسان کا جو انجام ہوا ہے اس کی بہترین عکاسی روس کے
 انقلاب کے بعد کے دور کے ایک چوٹی کے شاعر کی زندگی میں ہوئی ہے۔
 (Yessenin) یہ سینیں۔ صرف تین سال کی عمر میں وہ اپنی شہرت کے نصف
 اعتبار پر متلا۔ لیکن اس کی روح بے چین و مضطرب تھی۔ وہ اپنے سے کہتا ہے کہ
 ”اے میرے سرائیری تیزی مجھے کہاں لے آئی ہے؟“
 میں بے آبرو ہوں! میں نے عزت کا کوئی پاس نہیں کیا! میں بدعاش ہوں!
 آہ یہ سب کچھ اور صرف اس لیے کہ اور بھی تیزی کے ساتھ، اور بھی شدت

سے ملیں۔“

اس نے اپنی کیفیت کڑا پنے اخلاقی ابتلا کو۔ پورے اشتراک سماج کے اخلاقی ابتلا کو۔ یوں پیش کیا ہے۔

تیس اپنے ہی وطن میں اجنبی ہوں

میں خود ہی راستے پر کھڑا ہوں

میں کوئی نیا انسان نہیں ہوں، میرا ایک پاؤں ماضی میں ہے۔ اور پھر بھی

میں فولاد کی دنیا میں شرمک مہونا چاہتا ہوں۔ ہاں گو میں نگشاں رہا ہوں اور روکڑا

رہا ہوں۔ لیکن چاہتا یہی ہوں۔“

عزت، شہرت، دولت اس کی روح کو نکلیں نہ دے سکے۔ اس نے خود کشی کی

اور موت کے وقت جو اس کی نگھی ہوئی تحریر ملی وہ پورے اشتراک نظام پر ایک بھراؤ

طنز بھی ہے اور اس کی حقیقی کیفیت پر ایک حتمی فیصلہ بھی۔

اے میرے دوست! اے میرے دوست!

اس زندگی میں مر جانے میں کوئی نئی بات نہیں ہے

لیکن

بلاشبہ زندہ رہنے میں بھی کوئی بات نئی نہیں!

جب بھی انسانی بنیادوں سے ہٹ کر اور انسانی حقائق کو نظر انداز کر کے کوئی

سماج قائم ہوگا اس میں انسان کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی

رہے ہی گھر میں غیر انسانوں کے درمیان تنہا، اور اپنے ہی ماحول میں بے سہارا ہوگا۔

پھر موت میں کوئی نئی بات ہوگی اور نہ زندگی میں کوئی نئی چیز۔ زندگی اور موت کا فرق

سٹہ جاتے گاہ اس لیے کہ یہ فرق پیدا ہی ہوتا ہے اخلاق کے احساس سے !
 اشتراکیت نے ایک ایسا غیر انسانی سماج قائم کیا ہے کہ اس میں سب کچھ ہوتے ہوئے
 بھی انسان کے لیے کچھ نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نہ موت کا خوف ہوتا ہے
 اور نہ زندگی کی انگ ! انسان اس تختہ کا دینے والے ہیچان سے پناہ حاصل کرنے
 کے لیے خودکشی کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ سینیں نے اپنی شہرت کے عروج کے
 وقت اس زندگی سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ یہ صرٹ یہ سینیں کی خودکشی نہیں،
 انسانیت کی خودکشی ہے ! اور یہی ہے اشتراکیت کی سبب بڑی ناکامی۔

اشتراکیت اور معاشی مسئلہ

انسانی نقطہ نظر سے

اشتراکیت کے مجموعی نظام کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نظریہ حیات کو اس کے اپنے دیتے ہوئے محدود معیار پر بھی جانچنے کی کوشش کریں گے۔ اشتراکیت کا سب سے اہم اور مرکزی دعویٰ یہ ہے کہ وہ انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کرتی ہے اشتراکیت کی نگاہ میں تہذیب انسانی کی اصل کنجی اقتصاد ہے۔ تہذیب و تمدن کی ہر چیز کا انحصار اسی بنیادی حقیقت پر ہے۔ یہ سونہرے بوائے تو ساری دنیا سونہر باتی ہے۔ یہ بگاڑ کا شکار ہو تو پوری تہذیب بگاڑ میں مبتلا رہتی ہے۔ اور پر کی بحث میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس یک رستے اور چاروہی سے جو تہذیب بنتی ہے اس میں کس کس پہلو سے فساد رونما ہوتا ہے اور بالآخر انسان پر کیا گزرتی ہے۔ لیکن اب ہم صوفی معاشی بنیاد پر اشتراکیت کا مطالعہ کریں گے اور خود اس کے دیتے ہوئے معیار پر اسے پرکھ کر دیکھیں گے کہ وہ فی الحقیقت انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کر دیتی ہے یا کر سکتی ہے؟ گو ہماری نگاہ میں کسی نظام کو جانچنے کا یہ کوئی صحیح معیار نہیں ہے اور جب تک پورے مسئلہ کو خاص انسانی نقطہ نظر سے اور اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے کوئی صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا لیکن دو وجوہ سے

اس محدود معیار پر اشتراکیت کو بانسپنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(i) اشتراکیت کا مرکزی خیال اور بنیادی نکتہ یہی ہے۔ اس لیے اگر اپنے متذکرہ معیار کے علاوہ ہم خود اس کے دیتے ہوئے معیار پر بھی اس کو بانسپیں تو یہ علمی دیانت سے اقرب ہوگا۔ نیز اشتراکیت کے بارے میں کوئی قیہ و خیز فیصلہ کرنے میں یہ مطالعہ محدود معادلی تو بہر صورت ہوگا۔

(ii) یہ اشتراکیت کی خوش قسمتی اور انسانیت کی بدبختی ہے کہ دور جدید نے جو ذہن پیدا کیا ہے وہ چیزوں کو خالص مادی نتائج سے جانچنے کا مادی ہو گیا ہے۔ اس دور میں غیر محسوس پر محسوس کو ایک ففنیات حاصل رہی ہے۔ عظمت کو ماننے کے لیے گزروں اور انچوروں یا ٹنوں اور منوں کے پیمانے استعمال کیے جانے لگے ہیں۔ آج علم کی قدر بھی اس کی افادیت اور مائنس کی اہمیت اس کی ففیت (Technology) سے عبارت ہے۔ اخلاق اور روحانی حیوانوں کو غیر اہم بلکہ غیر ضروری اور بیکار (Irrelevant) تصور کیا جا رہا ہے اور صرف مادی نتائج پر حسن و قبح کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک عمومی مرض ہے جس میں سرمایہ داری اور اشتراکیت، جمہوریت اور آمریت، امریکہ اور روس سب ہی مبتلا ہیں۔ اس فساد عام میں اشتراکیت کے محدود معیار

۱۴ اکبر لار آبادی نے اپنے خصوصی انداز میں اس عمومی بیماری کی بڑی ریمح نشانہ دہی کی تھی کہ
 نہیں اس کی کوئی پشش کرنا و اللہ کتنی ہے
 یہی سب پر چھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

کو قبولیت کا ایک مقام حاصل ہو گیا ہے اور اچھے خاصے مجدد ارگوگ بھی کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ تو معاشی مسئلہ ہے۔ ان حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خالص معاشی نقطہ نظر سے بھی اشتراکیت کے دعویٰ کو اچھی طرح پرکھا جائے۔ ہم اس حصہ میں مختصر ایسی کوشش کریں گے۔

کیا اشتراکیت کوئی معاشی پروگرام دیتی ہے؟

سب سے پہلا مسئلہ جس پر غور کرنا چاہیے، یہ ہے کہ کیا فی الحقیقت اشتراکیت نے کوئی واضح اور مفصل معاشی پروگرام دیا ہے؟ کچھ لوگ یہاں اس سوال پر شاید چونک جائیں۔ اشتراک پر ونگینڈے نے ہر عمومی نصیحت بنا رکھی ہے وہ یہ ہے کہ گریہ معاشی پروگرام تو صرف اشتراکیت ہی کے پاس ہے باقی سب لوگ اس پہلو سے ہی رہیں ہیں۔ ہر تحریک اور جماعت پر ان کا پہلا اعتراض یہی ہوتا ہے کہ ان کے پاس کوئی معاشی پروگرام نہیں ہے۔ لیکن یہ سب پر ونگینڈے کی کرامت ہے۔ علم اور تحقیقی سطح پر اشتراکیت کے ترقیہ اپنے مقابل سے مشکل ہی سے آنکھیں چار کر سکتے ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ محض پر ونگینڈے کا ظلم زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رکھا جاسکتا لیکن نے سچ ہی کہا تھا کہ تم سب انسانوں کو کچھ عرصہ کے لیے یا کچھ انسانوں کو ہمیشہ کے لیے بے وقوف بنا سکتے ہو، لیکن سب انسانوں کو ہمیشہ کے لیے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

جھوٹ کا پول ایک دن کھل کر رہتا ہے!

نہ اسی موضوع پر مزید ملاحظہ فرمائیں خانہ اشتراکیت اور معاشی ترقی پھر اس راہ
سوشلزم فیبر کراچی، ۱۹۹۶ء

ہم پوری دوسو لاکھ کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اشتراکیت کے بانیوں کی تحریرات سے کوئی واضح اور مثبت معاشی پروگرام پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اشتراک کی منظر میں نے ایک نقطہ تو دیا، سماج کا ایک تصور بھی دیا، طبقاتی نزاع کی ایک کیفیت بھی بیان کی، سرمایہ داری کی خامیوں کو تفصیل سے بے نقاب کیا، اور لوگوں میں انقلاب کا ایک دلولہ اور انگ پیدا کیا، لیکن کوئی مفصل معاشی پروگرام نہیں دیا۔ جن لوگوں نے مارکس، اینجلز اور لینن کا صرف نام سنا ہے وہ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ ان معماران اشتراکیت نے کوئی معاشی پروگرام ضرور دیا ہوگا۔ لیکن جن کی نگاہ ان کی تحریرات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس پورے انقلابی لٹریچر میں کوئی معاشی پروگرام موجود نہیں۔ بنیادی معاشی مسائل کو مثبت طور پر کس طرح حل کیا جاتے گا۔ اس میں کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ کسی مثبت معاشی پروگرام کو بیان کرنا کم از کم مارکس کی بنیادی رسائی سے مطابقت ہی نہیں رکھتا۔ اس کی توجہ کا اصل مرکز نظام سرمایہ اور سرمایہ پرستی تھی۔ اس نے اس نظام کے بٹنے کا آئے اور فنا ہونے کے قوانین بیان کئے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ فطری تاریخی قانون کے بغیر میں اس کے بطن سے اشتراک نظام رونما ہوگا۔ اصل چیز انقلاب ہے اور اس کے بعد وسائل پیداوار کی قومی ملکیت۔ باقی تمام چیزیں اس کے فطری نتائج کے طور پر اسی طرح رونما ہوں گی جس طرح بیج سے درخت نکل آتا ہے۔ مارکس نے پرگلا مانگنے والوں کا مذاق اڑایا ہے اور کبھی اشتراک کی پرگلا کی تفصیلات کو بیان نہیں کیا۔

اشتراکیت کا سارا اثر یہ سرمایہ داری کا علم (Science of capitalism) ہے، اشتراکیت کا نہیں۔ کپٹال (Capital) میں جذباتی اور معنی طور پر اشتراک کی چند خصوصیات کا ذکر آگیا ہے اور وہ بھی سرمایہ داری سے اختلاف کو ظاہر

کہتے ہوئے یا اس کے تعادلات پر روشنی ڈالتے ہوئے مارکس کی صورت ایک تحریر ایسی ہے جس میں کچھ عملی باتیں آئی ہیں اور وہ ہے کہ مختار پروگرام پر تنقید کسی اندجگہ اشتراکی پروگرام کا کوئی نقشہ بیان نہیں کیا گیا۔ اور اس تحریر میں بھی سماجی اشتراکیوں پر تنقید کر کے بتایا گیا ہے کہ جو پروگرام تم پیش کر رہے ہو وہ اشتراکیت کا پروگرام نہیں ہے۔ اشتراکیت کا اصل پروگرام تو انقلاب ہے، اسے برپا کرو، پھر سب کچھ خود بخود چل جائے گا۔

چند کثرتِ اقسام کے مزاج کے خلاف ہے لیکن کیا کوئی اشتراکی اپنی قلم دلیل کے ساتھ اور اصل اشتراکی لٹریچر کے حوالوں کے ساتھ اس دعویٰ کی تردید کر سکتا ہے۔

البتہ حیرات اشتراکیت کے مقابل میں کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ اس کا بنیادی نقطہ نظر ہی یہ ہے کہ پرستے سماج اور پوری معیشت میں اصل چیز وسائل کی پیداوار کی ملکیت ہے اور چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں پیداواری قوتوں میں جو فرق واقع ہو گیا ہے وہ اس نظام کے مقرر کردہ پیداواری تعلقات سے متصادم ہے۔ اس لیے وسائل کی ملکیت بھی اصل معاشی پروگرام ہے اور یہ باقی تمام امور کو آپ سے

شے ڈیفینٹیل نظر کے تحت کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔
 حقیقت یہ ہے کہ مارکس کبھی بھی محض معاشیات میں بحیثیت معاشیات دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ دراصل اس کے لیے معاشیات فلسفہ کا عکس پہلو تھی۔ بحوالہ

آپ حل کر دے گا تو ہم اس پر اعتمادی تھناؤ کا الزام نہیں لگائیں گے لیکن معاشیات کا کوئی طالب علم اس ایک نعرہ (Slogan) بکر معاشی پروگرام قرار نہیں دے سکتا ہر معاشی نظام کو ان بنیادی سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور کوئی معاشی پروگرام ان کا جواب دیتے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔

(۱) انسانوں کی احتیاجات کیا ہیں؟ ان کو پورا کرنے کے لیے کن اشیاء و خدمات کی ضرورت ہے؟ احتیاجات اور مطلوبہ اشیاء و خدمات کا تعین کیسے کیا جائے گا اور متعین مقداروں میں ان کا اظہار کیسے ہوگا؟

(۲) ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کیا وسائل موجود ہیں؟ ان وسائل کی تنظیم کیسے واقع ہوگی؟ مختلف ممالک میں ان کی تقسیم بہترین اور معقول ترین انداز (Rational allocation of resources) میں کیسے واقع ہوگی۔

اس کے لیے کن عاملین کی اور کن ادارات کی ضرورت ہوگی۔ ان کا باہم ربط کیسے قائم ہوگا اور تناسب استعمال کی صورت کیا بنے گی؟

(۳) اشیاء و خدمات کی تقسیم (Distribution) کیسے واقع ہوگی۔ افراد اور اداروں اور معاشی اکائیوں کو ان کا حصہ کیسے پہنچے گا؟

(۴) معیشت میں انسانی اور مادی وسائل کا مکمل استعمال (Full employment)

کیونکر واقع ہو سکے گا؟ پھر یہ استعمال بہترین (Most efficient) کیسے ہو سکے گا؟ نظام میں لچک اور تغیر پذیری کا حصول کیونکر ہوگا؟

(۵) معاشی وسائل، معاشی سامع اور معاشی فلاح میں کیا تعلق ہوگا؟ معاشی بہتری کا اصل مقصد کیا ہوگا اور پوری معاشی زندگی کی اعلیٰ ترین کارکردگی کو کیسے

حاصل کیا جاسکے گا؟

۱۰، نیز ان تمام دائروں میں کون کون سے معاشی قوانین کارفرما ہوں گے اور کس طرح ان سب کے تقاضے پورے کیے جاسکیں گے؟ اشتراکی معاشیات اس پہلو سے بڑھی کڑور رہی ہے کہ اس نے ایک معاشی نظام کے بنیادی مسائل کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق طے انداز سے بیان نہیں کیا۔ بلکہ قومی ملکیت کو مکمل سرمہ سرمہ کی ایک چیز قرار دیا جس کے رو بکار آنے کے بعد سارے بندہ اندازے آپ سے آپ کھل جائیں گے۔ خود یہ بات کو مسائل کو قومی ملکیت میں کس طرح لایا جائے گا؟ کس ترتیب سے لایا جائے گا؟ متبادل انتظام کیا ہوگا؟ قیمتوں کا تعین کس طرح کیا جائے گا؟ طلب و رسد کی کیفیت کیا ہوگی؟ کارکردگی کو جانچنے کا معیار کیا ہوگا؟ مرکزیت اور لامركزیت (Decentralisation) کے بارے میں کیا رویہ ہوگا؟ کارکردگی کے لیے کون سے محرکات استعمال ہوں گے اور کس مدد تک؟ نظام میں لچک کیسے پیدا کی جائے؟ نتائج کو جانچنے اور پیداواری طریقوں کو تبدیل کرنے کا راستہ کیا ہوگا؟ یہ تمام سوالات وہ ہیں جو سب سے

اٹھ پروفیسر جارج ہالم لکھتا ہے: "معاشی مرکزیت سرمایہ داری پر ایک تنقید ہے اور اس کے پاس اجتماعی معیشت (Collectivist economy) کی ہیئت اور اس کے نظام کا نیز اس کے کارفرما اصولوں کے بارے میں کہنے کے لیے حلف کچھ بھی نہیں ہے۔"

Halm, George N., *Economic System: A Comparative Analysis*.

کلاسیکی اشتراکیت نے کوئی بحث نہیں کی۔ بلکہ ان کے شعور کو بھی انقلابی دلولہ کے غلام سمجھا گیا۔ ان مسائل پر باقاعدہ غور و فکر اس وقت شروع ہوا جب مخالفین نے اشتراکی ماہرین معاشیات کو آٹھ دہائیوں لیا اور بنیادی معاشی سوالات کے بارے میں ان کو چیلنج کیا۔ پہلی جنگ کے فوراً بعد جرمن ماہر معاشیات لڈوگ فون مائٹزیر (Ludwig Von Mises) نے یہ اعتراض کیا کہ اشتراکی نظام میں کسی معاشی بنیاد پر قیمتوں کا تعین ممکن نہیں ہے۔ آزاد بازار اور طلب و رسد کی قوتوں کو قومی ملکیت کے ذریعہ ختم کر دینے کے بعد وسائل کی صحیح تقسیم کے لیے کوئی اصول باقی نہیں رہے گا۔ اشتراکیت کے معاشی نظریہ کا ارتقاء اس اعتراض کے بعد ہوا ہے اور سوشلسٹ ماہرین معاشیات نے معاشی حساب کاری (Economic calculation) کے بارے میں مختلف تصورات پیش کئے۔ یہاں ہمارے پیش نظر ان نظریات سے بحث نہیں ہے۔ بلکہ ہم صرف اس حقیقت پر توجہ مرکوز کرنا چاہتے

ہے جو حضرات اس بحث میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ مندرجہ ذیل کتب سے رجوع کریں:

- Mises, Ludwig Von., "Socialism", Translated by J. Kahane, Johanthan Cade, 1951 (First Edition : 1936).
 Hyek, F. A. Von (Ed.), "Collectivist Economic Planning", George Routledge and Sons, London, 1947 (First Edition : 1935).

ہیں کر دوسری تجربہ کے غامضے آگے بڑھ جانے تک اشتراکیت کے پاس کوئی

(۴۱)

Lange, Oskar and Taylor, Fred M., "*On the Economic Theory of Socialism*", University of Minnesota Press, 1938.

Dickinson, H.D., "*Economics of Socialism*", Oxford University Press, London, 1939.

Hall, R. L., "*The Economic System In a Socialist State*", Macmillan and Co., London 1937.

Hoff, T. J. B., "*Economic Calculations in the Socialist Society*", William Hodge and Co., London, 1949.

Sweezy, Paul M., "*Socialism*", op. cit.

Nikitin, P., "*Fundamentals of Political Economy*" Progress Publishers, Moscow, 1966.

معاشی نظریہ اور واضح پروگرام نہ تھا اور اس کا اعتراف علی اور علی دونوں
 سلی پر کیا گیا ہے۔ علی سلی پر مشہور سوشلسٹ مفکر اسکا راہ گئے نے اشتراکی معیشت
 میں قدر اندازی کے مسئلہ کا حل تجویز کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ
 "سوشلسٹ بوجہ پروفیسر مائینز کے بے حد شکر گزار ہیں.... اس
 لیے کہ یہ ان کا پیش کردہ مفید چیلنج تھا جس نے انہیں مجبور کیا کہ اشتراکی
 معیشت میں وسائل کی تقسیم کاری کے لیے معاشی حساب کاری کے
 مناسب نظام کے مسئلہ کی اہمیت کو محسوس کریں۔"
 لانگے مزید تجویز کرتا ہے کہ:

پروفیسر موصوف کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اور خود اصل
 مسئلہ یعنی معاشی حساب کاری کی بنیادی اہمیت کو تسلیم کرنے کے
 لیے پروفیسر مائینز کا ایک مجسمہ سوشلسٹ ریاست کے مرکزی منصوبہ بندی
 کے ادارہ یا وزارت اجتماعیت کے بڑے ہال میں ایک محترم مقام پر
 آویزاں ہونا چاہیے۔^{۸۳}

اور مشہور کسی اہلی علم اور لائبرٹ (Otto Leichter) نے ۱۹۲۳ء میں
 لکھا تھا کہ:

"یہ اعزاز میکس ویبر اور لٹوگ مائینز کو جاتا ہے کہ انہوں نے

83. Lange, *On the Economic Theory of Socialism*, op.
 cit., pp. 57-58."

اتنی قوت کے ساتھ سوشلسٹوں کی قوجہ اس مسئلہ کی طرف مبذول کرائی۔
خواہ اس تنقید سے ان کا انٹاریو نہ ہو کہ وہ سوشلسٹ نظریہ اور عمل کے
غیبت ارتقاء کا باعث ہوں گے۔ لیکن پھر بھی عزت و احترام اور اعزاز
اس کے مستحق کو جانے چاہئیں۔

مدرس میں اشترکی تحریک کا آغاز جس شخص کی ساتھ کیا گیا وہ مارکس اور اینجلز
رخصوصیت سے ثانی الذکر کا یہ احساس تھا کہ قومی ملکیت کے بعد ماری بھرتہ
معاشیات آپ سے آپ ختم ہو جائے گی۔ قدر بندی (Valuation) کی کوئی
ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اینجلز کا استدلال یہ تھا کہ
قدر کے جس تصور سے معاشیات آشنا ہے وہ اشیاء کی قدر ہے۔

اشیا کیا ہیں؟ مصنوعات جو ایک ایسے معاشرے میں پیدا ہوں جس میں
انفرادی پیدا کار ہوں اور جو تبادلہ کے ذریعہ اجتماعی استعمال میں آتی
ہیں۔ لیکن جس لمحہ وسائل پیداوار کی ملکیت سوسائٹی کی طرف منتقل ہو جاتی
ہے اس لمحہ تعلقات کی نوعیت میں بنیادی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اب
اجتماعی محنت کو ذریعہ قدر کے پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکتا بلکہ اس کی پیمائش
کا فطری، حقیقی اور مناسب اور مطلق پیمانہ وقت و پیداوار میں صرف
ہونے والا وقت، ہوتا ہے۔ اب لوگ اپنے معاملات کو مشہور زمانہ

تصور قدر کی مداخلت کے بغیر پڑی آسانی سے منظم کر لیں گے۔

روس کے ماہر معاشیات پلینخانوف (Plekhanov) نے اسی بنیاد پر پورے علم معیشت کے دم توڑ دینے کی خبر سنائی۔ اشتراکی انقلابی کونسل کے دماغ بونخاتین (Bukhatin) نے اپنی کتاب Economics of the

transitional period میں جو ۱۹۲۱ء میں آئی یہاں تک کہہ دیا کہ:

”معاشیات ایک غیر منظم قومی معیشت کے علم کا نام ہے۔ صرف ایک ایسے معاشرہ میں جس میں پیداوار کا نظام نراج پر مبنی ہو، سماجی زندگی کے قوانین قطری، اور آزاداں آپ سے آپ رونما ہونے والے قوانین محسوس ہوتے ہیں۔ ایسے قوانین جو افراد اور گروہوں کی مرضی سے آزاد ہوں اور اس طرح ضرورت کی پیداوار ہوں، جیسے قوانین ثقل۔ حقیقت یہ ہے کہ جو نہیں ہم ایک منظم قومی معیشت کا مطالعہ کرتے ہیں تو علم معاشیات کے تمام بنیادی مسائل مثلاً قیمت، قدر، نفع وغیرہ پاہر ہوا ہو جاتے ہیں۔ اب انسانوں کے درمیان تعلقات کے اظہار کی یہ صورت نہیں ہوئی کہ وہ اشیاء کے درمیان تعلقات ہیں۔ اس لیے کہ یہاں معیشت کی مضابطہ بندی منطقی اور سبقت کی اندرونی قوتوں کے باوجود نہیں ہو رہی ہے، بلکہ شعوری طور پر ایک منصوبہ کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ اشیاء کا خاتمہ دراصل اس حقیقت کا مظہر ہے کہ

معاشیات کا خاتمہ ہو گیا۔^{۸۵-ا}

گو لینن نے نئی معاشی پالیسی کے آغاز کے وقت معاشیات کے تلخ حقائق کو محسوس کر لیا تھا اور اس نے اس امر کا اعتراف بھی کیا تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک عرصہ تک سوشلسٹ حساب کاری اور کنٹرول سے گزرے بغیر اشتراکیت کے ادنیٰ ترین مسئلہ تک بھی پہنچا جاسکے گا۔^{۸۵-ب} لیکن اسٹالن نے پھر معاشیات کے خاتمہ کی بات کو اٹھایا۔ ایک مشہور مضمون میں^{۱۹۴۶} میں اس بات کا اعلان کیا گیا جو مصنف کے نام کے بغیر Pod Znamenem Marksizma یہ ملاحظہ ہوا تھا اور جس کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ اسٹالن ہی کا لکھا ہوا تھا۔ اس پر سے دور میں معاشی تجزیہ، معاشی مسائل کا فنی اور علمی مطالعہ اور حقیقی مشکلات کے احساس کا فقدان پایا جاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۶ء تک معاشیات کی کوئی نصابی کتاب تک روس میں شائع نہ ہوئی۔ محض قومی ملکیت، اجتماعی کھیت اور منصوبہ بندی کے راگ الپے جاتے رہے۔ معاشی پروگرام اور سائنسی تجزیہ تو بعد کی چیزیں ہیں، ابتدائی امور کا بھی کوئی شعور اس زمانے میں نظر نہیں آتا۔ اشتراکی معاشیات

85-A. *Ekonomike Perekhodnove periode*, Moscow 1920.

Translation quoted by Alan Kaufman, "The Origin of the Political Economy of Socialism".

Soviet Survey, January 1953, pp. 273.

85-B. Quoted, Halm, *Economic Systems*, op. cit., p. 161.

پر جو بھی کام ہو رہا تھا وہ سرمایہ دارانہ ممالک کے سوشلسٹ کر رہے تھے۔ روس میں جو باتیں ہو رہی تھیں، وہ یہ تھیں کہ اس کے اقتصادی مسئلہ باقی ہی نہیں رہا۔ اشالی کی موت کے بعد اس خوش فہمی کو ختم کرنے کی کوشش ہوئی۔ انسٹی ٹیوٹ آف ایکونومکس کے ڈائریکٹر وی ڈیاچنکو (V. Dyachenko) نے ۱۹۵۵ء میں لکھا کہ ہم صرف اقتدار سے بچھٹے رہے ہیں اور ان پر حاشیہ چڑھانے کے مرض میں مبتلا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ

”معاشیات کے کلیدی مسائل کی تشریح و توضیح کے میدان میں بہت پسماندہ ہیں۔ برسوں سے اس میدان میں کوئی ایک بھی مخلص علمی کتاب پیش نہیں کی گئی ہے۔“
موصوف نے یہاں تک لکھا ہے کہ

”۱۹۵۱ء کے معاشی مباحث کے بعد سے میں یہ فیشن ہو گیا ہے کہ ہر تحریر میں یہ کہہ دیا جائے کہ سوشلزم کے معاشی قوانین اپنا معروضی وجود رکھتے ہیں لیکن کوئی ایک بھی تحریر ایسی نہیں ہے جس میں اس سے بحث کی گئی ہو کہ اس یا اُس قانون کے معروضی وجود کا اظہار کس شکل میں ہوتا ہے، اس کے لوازمات کیسے پورے ہوتے ہیں اور ان لوازمات کی خلاف ورزیوں اور ان سے انحرافات کی تشخیص کیسے کی جاسکتی ہے۔“ ۱۹۵۵ء

85-C. Vop. Ekon., No. 10/1955 pp. 3-4, vide Alec Novak
The Soviet Economy, Allen and Unwin, London,
1961, p. 271-2.

یہ ہے اشتراکی معاشیات کی حالت اور یہ تھا ۱۹۵۵ء تک اشتراکی دنیا میں معاشی فکر کا افلاس۔

یہ سب ناقابل انکار حقائق ہیں لیکن عالم اشتراکی ان سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور یہ یاد کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اشتراکیت کس پاس کوئی مثبت معاشی نظریہ اور پروگرام موجود ہے۔ لیکن اشتراکی لٹریچر ایسی ہر چیز سے پاک ہے اور اس پر ایک واضح پروگرام پیش کرنے کی تہمت تک نہیں لگائی جاسکتی!

کیا اشتراکیت کی عملی مثال کوئی نمونہ بن سکتی ہے

یہ تو تھا نظری پہلو۔ آئیے اب اشتراکیت کی عملی مثال کے تجزیہ سے اس کی معاشی حکمت عملی کا سراغ لگانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں پہلی بات جو سامنے رہنی چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ تمام اشتراکی ملک معاشی اعتبار سے ایک سطح پر نہیں ہیں اور نہ ہی سب اشتراکیت کی طرف اپنے سفر کا آغاز ایک ہی مقام سے کیا۔ اس لیے ان کے اختیار کردہ راستوں میں فرق بالکل فطری چیز ہے۔ تاریخ نے ہر کس کے اس دعوے کی تردید کر دی ہے کہ اشتراکیت سرمایہ داری کی پختہ سالی کے بعد رونما ہوگی اور یہ اس کی تکمیل کے بعد لازمی مرحلہ ہے۔ جن ممالک میں سرمایہ داری اپنی پختگی کو پہنچی، وہاں اشتراکیت قدم نہ جما سکی اور جہاں وہ ابھی اپنے اولیں ادوار میں تھی وہاں وہ کامیاب ہو گئی۔ لیکن اس پہلو سے بھی اشتراکیت کی طرف آنے کے وقت روس جس مقام پر تھا چین اپنے انقلاب کے وقت اس مقام سے بہت پیچھے تھا۔ اسی طرح مشرقی یورپ میں پولینڈ، ڈیکوسلاویہ، مشرقی جرمنی اور یوگوسلاویہ صنعتی اعتبار سے آپس میں بھی مختلف تھے اور رومانیہ، البانیہ اور بلغاریہ سے تو بہت

ہی آگے تھے۔ اس لیے ان تمام ممالک کی معاشی حکمت عملی میں بنیادی محتاط کے اختلاف کی وجہ سے مکمل کیانی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

روس میں اشتراکیت کو پھیلنے چھوٹے کاسٹنگ زیادہ موزوں ملا ہے اور اب اس نے اپنے پہلے سپاس سال پورے کر لیے ہیں۔ لیکن وہاں بھی معاشی حکمت عملی میں بنیادی تغیرات آتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کئی اصل اشتراک پرور گرام کہا جاتے، مثلاً

پہلے تین سال اشتراکیت کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ تمام صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ زمینوں کو بڑے زمینداروں سے چھین لیا گیا اور کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کی تحویل میں دے دیا گیا، بیرونی سرمایہ اور ماہرین کو بے دخل کر دیا گیا، صنعت کار کنٹرول عملاً مزدوروں کی طرف منتقل کرنے کی کوشش ہوئی۔ زندگی ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ لیکن جلد ہی اس پالیسی کو ترک کر دیا گیا۔

دوسرے دور میں اصل توجہ پیداوار کو بڑھانے پر صرف کی گئی۔ اس کے لیے نجی سرمایہ اور نجی کاروبار کو جزوی طور پر بحال کیا گیا منصوبہ بندی کی پیشی تو قائم رہا لیکن باقاعدہ منصوبہ بندی کا کوئی بیخ کن قائم نہ ہو سکا۔ جنگاری، مزدور اور اعتبار کو دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ بیرونی سرمایہ اور ماہرین کو واپس بلا لیا گیا۔ مالی اور معاشی محرکات کو استعمال کیا جانے لگا۔ یہ پالیسی ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۷ء تک جاری رہی۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ اشتراکیت سے مراجعت کی پالیسی تھی لیکن اس کا مصنف خود لینن تھا اور اسٹالن نے بھی اپنے اقتدار کے پہلے چار سال اس پٹی چلی کیا۔ اور بعد کے ادوار میں بھی اس کے کچھ پہلو باقی رکھے گئے اور آج تک موجود ہیں۔

۱۹۴۹ء سے منصوبہ بندی اور قومی ملکیت کا دور شروع ہوا۔

اس زمانے میں اشتراکیت کے بنیادی اصول و مسائل پیداوار کی قومی ملکیت پر عمل ہوا اور ایک ملک میں اشتراکیت کی تعمیر کی کوشش ہوئی، لیکن نئی معاشی پالیسی کے قائم کئے ہوئے چند اصولوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ مثلاً زر و بنکاری، اعتبار اور سود، عدم مساوات، معاشی محرکات کا استعمال وغیرہ۔ البتہ اس دور میں مرکزیت میں اضافہ کرنے کی ہر ممکن کوشش ہوئی اور سارا جہان مضبوط مرکز کے قیام اور ایک مرکزی مقام سے پوری معیشت کے انتظام و انصرام کا تھا۔ لیکن تیس سال کے تجربے کے بعد اب اس مرکزیت کو کم کیا جا رہا ہے اور لامرکزیت (Decentralization) کی روش ضرور پکڑ رہی ہے۔

روس نے بھاری صنعت کی ترقی، زمین کی اجتماعی اور مشینی کاشت اور فوجی قوت کی تعمیر کو اصل اہمیت دی۔ چینی نے ایک مدت تک اسی طریقہ کا اختیار کیا لیکن پھر اس سے ہٹ کر معیشت کو ذراعت کی اولیت کی بنیاد پر منظم کرنے کا تجربہ

کئے۔ پروفیسر پال سوریزی سیبا کٹر مارکی بھی اس کا اعتراف کرتا ہے کہ روس کی مثال کی روٹنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوشلزم میں وسائل پیداوار کی ملکیت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں یعنی محض قومی ملکیت نہیں، اور دوسرے یہ کہ وسائل کی نجی ملکیت کی شکل میں اس کے استعمال کی حد بندی کی جاسکتی ہے۔ ملکیت کو ختم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس چیز کو موصوف نے روسی اشتراکیت کی خصوصیات کے طور پر پیش کیا ہے۔ ماسٹرو سوشلزم۔ از سوریزی صفحہ ۲۳

شروع کرو، یا جو سات آٹھ سال کی کوشش کے باوجود ابھی نہ کوئی واضح شکل اختیار کر سکا ہے اور نہ ہی کوئی مفید نتائج نکال سکا ہے۔ مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک میں روس کی مثال پر عمل ذکر کیے اور انہوں نے اولین تجربات کی ناکامی کے بعد اپنے اپنے حالات کے مطابق معاشی حکمت عملی میں بنیادی تغیرات کیے ہیں۔ یوگوسلاویہ نے تو بڑے پیمانے پر امریکی امداد تک حاصل کی ہے۔ پولینڈ نے منڈی کے نظام کو ذمہ داری برقرار رکھا ہے بلکہ اسے اشتراکی معیشت کا ایک جزو لازم بنایا ہے۔ تقریباً سب ہی ممالک نے زراعت کی اجتماعی کاشت کا ایک محدود پیمانے پر تجربہ کر کے اس مسئلہ کو زیادہ آگے نہیں بڑھایا ہے۔ نتیجتاً ان کے یہاں خاص اشتراکی معیشت کی جگہ مخلوط معیشت (Mixed economy) قائم ہے البتہ ان میں سرخ نگ کی جب تک غیر اشتراکی مخلوط معیشتوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہے۔

اگر یورپ کے ان ممالک کی مثال کو دیکھا جائے جن میں کچھ عرصہ کے لیے یا خاصے لمبے عرصے کے لیے جمہوری سوشلسٹ برسرِ اقتدار رہے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ان ممالک میں مثلاً سویڈن ناروے، اور کچھ مدت کے لیے جرمنی اور انگلستان بنیادی معاشی نظام (Economic structure) کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ انہوں نے سرمایہ داری کے نظام ہی کو بنیاد مان لیا اور اس میں کچھ اصلاحات کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح ذریعہ کوئی انقلابی پروگرام پیش کر کے اور اس پر عمل کر کے۔

نوٹ: (۱) ایک بین الاقوامی مبصر اور سفارتی نمائندہ رقم طراز ہے:

”برطانیہ میں پانچویں برسرِ حکومت جو ۱۹۷۰ء میں برسرِ اقتدار آئی اپنے پیش روؤں“

اشتراکِ ممالک کی معاشی حکمت عملی میں انسانی تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی ایک چیز کو متعین طور پر اشتراکیت کا واضح، مثبت اور مفصل معاشی پروگرام نہیں کہا جاسکتا۔

اب حقائق کی روشنی میں اشتراکیت کی عملی مثالیں ہماری زیادہ رہنمائی نہیں کرتی۔ ایک کی چیز کو دوسرا ماننے کو تیار نہیں ہے۔ یوگوسلاویہ کو پوری اشتراک برادری نے صحت پسندی کے الزام میں نکال باہر کیا تھا۔ پولینڈ پر سخت تنقید کی گئی تھی، اب چین البانیہ اور رومانیہ کا روس پر اعتراض ہے کہ وہ ایک سرمایہ دارانہ ملک بنا جا رہا ہے اور اس کی معیشت اور سیاست کو اصل اشتراکیت سے کوئی ملکہ پاتی نہیں ہے! آخر وہ کونسی چیز ہے جسے اشتراک اپنا مثبت معاشی پروگرام کہہ سکتے ہیں؟

(۴) جی کی پالیسی پر عمل کا ارادہ رکھتی ہے۔ یعنی یہ کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو باقی رکھا جائے البتہ اس میں اشتراکیت کی آئینہ خن کو کم اور جھیلادیا جاسے۔

Hevesy, Paul de, *The Unification of the World : Proposals of a Diplomatist*, Pergamon Press, Oxford, 1966, p. 60.

روس کی معاشی ترقی

اشتراکی نقطہ نظر:

روس کی معاشی ترقی ایک ایسی پیرزہ ہے جسے اشتراکیت کے حامی اپنے حق میں پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا بھی مختصراً جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس سلسلہ میں اصل حقائق کیا ہیں؟ اشتراکیت کی کامیابیوں اور اس کے شاندار معاشی دیکھارے کے بارے میں اشتراکیت کے بہترین وکیل جو باتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ مختصراً یہ ہیں:

پہلے ہم یہ نکات اشتراکیت کے ایک بہترین وکیل پروفیسر پال سوزنی کی کتاب سے پیش کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو کچھ دعویٰ موصوت لے کیا ہے ہم اسے بلا کم و کاست اپنے قارئین کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ علامہ جو سوزنی ٹیوشنلزم، صفحہ ۲۹ تا ۴۴۔ تمام روسی لٹریچر اور مغربی ممالک سے شائع ہونے والا اشتراکی لٹریچر انہی نکات کی شرح ہوتا ہے، بنیادی طور پر وہ اہی میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ اشتراکی نقطہ نظر اور اس کے تنقیدی جائزہ کے تفصیلی مطالعہ کے لیے علامہ جو:

(۱) روسی اشتراکیت نے دوسری عالمی جنگ میں جرمنی کو شکست دی اور اس وقت اس کا مقابلہ کیا جب بیشتر یورپ جرمنی کے قبضہ میں تھا۔ اس فتح نے یہ ثابت کر دیا کہ سوشلزم فی الحقیقت کامیابی سے چل رہا ہے اور یہ واقعات تاریخ میں اتنا ہی اہم ہے جتنا انقلاب روس۔

(۲)

Baykov, Alexander, *The Development of the Soviet Economic System*, Cambridge University Press, London, 1946; Webb, Sidney and Beatrice, *Soviet Communism: A New Civilization*, op. cit., Dobb, Maurice, *Soviet Economic Development Since 1917*, Routledge and Kegan Paul, London, 1951; Nove, ^{Allen} *The Soviet Economy*, Allen and Unwin, London, 1965; Shaffer, Harry G (ed.), *The Soviet Economy*, Methuen and Co., London, 1964; Schwartz, Harry, *Russia's Soviet Economy*, Prentice-Hall, 1953; Bergeon, Abraham (ed.), *Soviet Economic Growth*, Row, Peterson and Co., 1953; Zebot, *The Economics of Competitive Co-Existence*, op. cit.

(۱۶۱) اشتراکیت کے بحیثیت ایک نظریہ کامیابی کا ثبوت ایک طرف صنعت کی ترقی اور دوسری طرف ذراعت کی اجتماعی کاشت ہے۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے پرانی حکمران قوتوں کا استیصال کیا اور دوسرے انقلاب (اجتماعیت گری) نے اس عمل کی تکمیل کر دی۔ مزدوروں کی تعداد دو گنی سے زیادہ ہو چکی ہے۔ کسان ایک اجتماعی نظام میں جڑ چکا ہے اور طلباء اور فوج کی تعداد ۱۹۲۷ء تک دو گنی ہو گئی تھی۔ یہ سماجی تبدیلی ہے جو واقع ہو رہی ہے۔

(۱۶۲) معاشی ترقی کی رفتار غیر معمولی طور پر زیادہ رہی ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں اس تیز رفتاری سے ترقی واقع نہیں ہوئی۔ بے کوہ کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی روشنی میں انجینئرنگ کی صنعت کا اشلیر ۱۹۲۳ء کے مقابلہ میں ۱۹۲۵ء میں ۲,۳۲۵ تھا۔ سرکوں کا ۳۳۲.۵۔ بجلی کی قوت کا ۳۸۸.۳۰، گولڈ کا ۵۰.۳۰، تیل کا ۲۵.۰ لڑھے کا ۳۴۸، سوئی پمپس کا ۱۵ اور گرم پمپس کا ۱۳۔ روٹی کی پیداوار کا اشاریہ ۳۹۶، غلہ کا ۱۱۰ اور شکر کا ۱۶۸ تھا۔ اگر روس کے سرکاری اعداد و شمار لیے جائیں تو ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء کے درمیان خدینوں اور اوناہوں کی پیداوار میں ۹ گنا، بجلی کی قوت میں ۴ گنا، مینٹ میں ۴ گنا، فولاد میں ۹ گنا، پٹرول میں ۵ گنا، کوئلہ میں ۵ گنا اور مال برداری میں ۹ گنا اضافہ ہوا ہے۔

۹۹ سوئس صفر ۳۱۔ ۳۰ بے کوہ صفحہ ۳۰ و ۳۲۵

مجموعی رفتار ترقی کے بارے میں روسی حکومت کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۶ء میں قومی آمدنی میں ۳۰۸ گنا اضافہ ہوا جس کے معنی یہ ہیں کہ سالانہ رفتار اضافہ ۱۶ فی صدی کا رہا۔

یہ تمام اعداد و شمار مستحضر کن ہیں۔ اور ان کو جس کر آمدنی اس رفتار ترقی سے مرعوب ہو جاتا ہے۔

(iv) صرف معاشی ترقی ہی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ تعلیم و ثقافت کے میدان میں بھی غیر معمولی ترقی رونما ہوئی ہے۔ انقلاب کے وقت خواندگی کا معیار ۲۰ فی صدی دیکھ دوسرے اندازوں کے مطابق ۳۰ فی صدی تھا۔ لیکن ۱۹۳۹ء تک خواندگی کا معیار ۹۵ فی صدی ہو گیا۔ اشترک پارٹی کی انتشار ویس کانگریس (۱۹۳۷ء) میں پیش کی ہوئی رپورٹ سے ایک صوبہ میں تعلیمی تبدیلی کی یہ کیفیت سامنے آتی ہے۔^{۹۱}

دیکھیں

Vesevold, *Economic Systems in Action*, Holt, Riehart and Winston, New York, 196۶, pp. 150-152.

واضح رہے کہ حنفیوں روس کے مزاج اور سوشلزم کے مبلغ ہیں اور انہوں نے سلاو مولو روسی مائند سے دیا ہے۔ ہم عام کارکنوں کے لیے روسی زبان کی اجنبیت کی خاطر وہ حوالے نہیں دے رہے ہیں۔

91. *The Lard of Socialism Today and Tomorrow*

Moscow, 1939, p. 150.

۱۹۳۶ء	۱۹۱۳ء	
۲۴۰۰۰۰	۳۰۰۰	اقتصادی اور ثانوی اسکول
۹۴۱	۲۶۴	ماہرین طبوعات
۲۳۵۷	۹۳۴	طبی امداد دینے والے افراد
۲۲۷۹	۷۰	زیدی ماہرین
۱۵۹	۳۱۸۹	نفسی رہنما

ثقافتی اور سماجی میدانوں میں مزید اصلاحات کی گئی ہیں۔ صحت کا معیار بلند ہے، تحریک اور دنیا میں امناف ہوا ہے۔ اور ادنیٰ سرگرمیاں بڑھی ہیں۔ اس طرح سماجی فلاح قائم کیا گیا ہے۔ اور اسے اشتراکیت اپنی ایک بہت بڑی کامیابی قرار دیتی ہے۔

(۷) ایک اور نہایت اہم دعویٰ یہ ہے کہ روس میں بے روزگاری کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اب وہاں محنت کی کمی ہے، نیا دلی نہیں۔ ہر شخص بے سرکار ہے۔ ۱۹۳۲ء تک بے روزگاروں کے اعداد و شمار شائع ہوتے تھے اعداد کی تعداد اوسطاً ۱۰ لاکھ سالانہ تھی۔ لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا اور بے روزگاری کے خاتمہ کا سرکاری اعلان ہو گیا۔

یہ ہیں روسی اشتراکیت کی کل فتوحات۔ اب ہم ان کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

کچھ روسی اعداد و شمار کے بارے میں

مجھے پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ روسی شماریات (Statistics) کہاں

نمک قابل اعتماد ہیں دنیا کے دوسرے ممالک کے بارے میں جو بھی معلومات درکار ہوں وہ ایک نہیں مختلف ذرائع سے مل جاتی ہیں اور ایک ذریعہ سے حاصل کی جوتی معلومات میں جو سقم ہو، وہ دوسرے ذرائع سے حاصل کردہ معلومات سے دلد کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے آزاد اواسے اعداد و شمار جمع کرتے ہیں، دوسروں کی فراہم کردہ شماریات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں اور ایک طالب علم کے لیے یہ ممکن ہے کہ ان تمام معلومات کو سامنے رکھ کر حقیقت حال کو سمجھے۔ روس کے نظام کی سب سے بنیادی کمزوری یہ ہے کہ اس میں شماریات کا کوئی آزاد ادارہ نہیں ہے۔ صرف حکومت ہی اعداد و شمار شائع کرتی ہے۔ عام آدمیوں یا اداروں کے لیے یہ چیز قانوناً مجرم ہے کہ اعداد و شمار یا معلومات دوسروں کو دیں۔ خود حکومت جو ادارہ و شمار جاری کرتی ہے وہ فنی اعتبار سے بہت نامکمل اور ناقص ہیں۔ جو اعداد و شمار

میں ایک نقاد کہتا ہے کہ دوس میں قیمتوں، زندگی، سکونت، معیار زندگی اور متعدد دوسرے اہم امور کے بارے میں کوئی اعداد و شمار جاری ہی نہیں کیے جاتے۔ حالانکہ یہ تمام معلومات کسی بھی معاشی نظام کی کارکردگی کا جائزہ لینے کیلئے ناگزیر ہیں۔

Hubbard, Leonard E., Soviet Trade and

Distribution. p.368.

اسٹیفن کنگ ہال (Stephen King-Hall) راوی ہے کہ اہم اشیاء کی پیداوار کے اعداد و شمار، بجز اشاریہ اور Percentages کے نہیں کیے جاتے۔ ۱۹۳۹ء کے بعد سے اشیاء صرف کے استعمال کی شماریات نہیں (م)

جاری کیے جاتے ہیں وہ پورے طور پر قابل اعتماد نہیں۔ ان میں اتنے غلط چھوڑ دیے جاتے ہیں کہ ملٹی جرنل و تعدیل مشکل ہو جاتی ہے۔ پوری معلومات دینے کی بجائے صرف اوسطیں دے دی جاتی ہیں۔ مثلاً اجرت (Wages) میں اجرت دی جاتی ہے اور خرچ کی حدود کو بیان نہیں کیا جاتا۔ قومی آمدنی کے لیے جو بنیادی سال اختیار کیا گیا ہے وہ فنی اعتبار سے صحیح منہیں ہے۔ مختلف اشیاء کی قیمتوں کو جو انڈان الڈ ترجیمات (Weights) دیئے گئے ہیں انہوں نے تمام نتائج کو بڑا غلط رنگ دے دیا ہے۔ پھر روس میں حکومت اور اشتراکی پارٹی دونوں کی یہ اعلائیہ پالیسی ہے کہ اعداد و شمار کو نظر ثانی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً ۱۹۳۷ء میں کمیونسٹ پارٹی نے جب اس وقت کے اعداد و شمار کے بیورو میں تطبیق کی ہے تو اس کا بڑا اعلان کیا تھا کہ اعداد و شمار اشتراکیت کے لیے جنگ میں ایک ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں اس کے بعد ان کے جانب دارانہ ہمنے میں کیا کلک ہو سکتا ہے۔

جن اہل علم نے اشتراکی اعداد و شمار کا ملٹی جرنل کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان میں دو راستوں سے خرابی آتی ہے۔

والف، مبالغہ، غلط بیانی، تضاد اور ناموافقت، جو کبھی بددیانتی کا نتیجہ ہوتا ہے

۴، دی گئی ہیں۔ آبادی کی شماریات مفقود ہیں۔ بیماریوں کے بارے میں کوئی معلومات نہیں دی جاتی اور عین الاقراری Drug Control کے ادارے کو بھی کوئی معلومات نہیں دی جاتی، ملاحظہ ہو The Communist Conspirac مطبوعہ لندن

۱۹۵۳ء بمطابق ۱۹۴۶-۱۹۴۷ء

اور کبھی اشتراکیت کو بہتر نظام ثابت کرنے کے لیے۔

(دب) شماراتی طریق کار کی کمزوریاں اور نقصان۔ جہاں جان بوجھ کر یہ کام نہیں کیا گیا وہاں بھی غلط طریقوں کی وجہ سے نتائج گمراہ کن ہر جاتے ہیں۔ دونوں نوعیت کی خرابیوں کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم مزدوری سمجھتے ہیں کہ حکومت کے ایک فرمان (Decree) کا ذکر کریں جو ۱۹۵۹ء کو نافذ کیا گیا اور جو اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے۔ اس کا عنوان ہے،

”سرکاری راز افشا کرنے اور ان دستاویزات کو جن میں سرکاری راز ہوں گم کرنے کی ذمہ داری کے بارے میں۔“

اس قانون کی دوسرے مندرجہ ذیل رازوں کو افشا کرنے کی سزا ۱۲ سال تک قید ہے۔

• صنعت بحیثیت مجموعی اور اس کی مختلف شاخیں۔

• تجارت اور وسائل رسل و وسائل۔

• مالی محفوظات کی حالت۔

• موجود الوقت میزانیہ ادائیگی اور دوس کے مالی معاملات کے منصوبے۔

• سرکاری محفوظات، کرنسی اور مبادلہ خارجہ کے رکھنے کا طریقہ، جگہ اور منتقلی کی صورتیں۔

• مختلف قسم کی اشیاء کی درآمد اور برآمد کے منصوبے یا تجارت۔

ونیکے ہر ملک میں یہ معلومات علمی کام کے لیے مزدوری بھی جاتی ہیں اور ہر ملک کے

شائع ہوتی ہیں۔ صرف حکومتیں ہی شائع نہیں کرتیں بلکہ آزاد ادارے بھی شائع کرتے ہیں۔ لیکن روس میں ان سب کی حیثیت سرکاری رازدوں کی ہے، جس کا بیان جرم ہے اور اس جرم کی سزا اسے ۱۲ سال قید ہے!

جب ان معاملات میں یہ سرکاری رویہ ہو تو صحیح اعداد و شمار کیسے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ قانون بیسویں صدی میں، دوسری جنگ کے بعد ایک مضمحل ملک میں نافذ کیا گیا ہے اور نافذ ہے!

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ روسی شماریات کے ان دونوں اقسام کے بارے میں جن کی نشاندہی ہم نے اوپر کی ہے چند باتیں عرض کریں گے پہلی خرابی کے بارے میں عرض ہے۔

۱) سرکاری رپورٹوں اور کمیونسٹ پارٹی کی کانفرنسوں میں کی ہوئی تقریروں میں یکسر وہ مقامات پر اس کا اعتراف موجود ہے کہ ٹیکسٹری ڈائریکٹریوں کے صدر اور مقامی پارٹی کے افسران وغیرہ اعداد و شمار کے معاملہ میں غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں۔ اس شک کم دکھاتے ہیں، پیداوار بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ اس کا اعتراف خروشیف نے بھی کیا ہے۔

۲) اسٹالن کے دور پر خروشیف کے تبصرے میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اس زمانے میں دی ہوئی سرکاری معلومات میں جھوٹ اور غلط بیانی اور حقائق کو چھپانے کا بڑا دخل تھا۔ مثلاً آبادی کے اعداد و شمار بالکل بادیعہ گئے۔ قتل میں جو لاکھوں افراد لغتہ اجل ہوئے ان تمام اعداد و شمار کو بھی منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا۔ جبری انتقال آبادی کے تمام اعداد و شمار بادیعہ گئے۔ وغیرہ

پھر اعترافات (Confessions) کی جہد اساتذہ اس میں بیان کی گئی ہیں۔
ان کے بعد سرکاری بیانات کا قابل اعتماد ہونا سخت محل نظر ہے۔

(iii) اعداد و شمار کو حسب فضا بیان کرنے کی مثالیں متعدد حضرات نے پیش کی ہیں۔
پنجاب میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے اپنے دورے
کے بعد لکھا تھا کہ ہر جگہ ہمیں مختلف اعداد و شمار دیئے گئے۔ کہیں کہا گیا کہ
پورے ملک میں ہر ۷۰ افراد پر ایک ڈاکٹر ہے اور کہیں یہ تعداد بڑھ کر ۲
ہزار افراد ہو گئی اور کہیں، ہزار ۲۵۰۰ تو پھر بھی غیر کی شہادت ہے۔ مرکزی
پارٹی کے سیکرٹری سینکونٹ نے ۱۹۵۲ء میں جو رپورٹ پیش کی تھی اس رپورٹ
کے صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے کہ ۱۱۹۵۱ میں کپڑے کی صنعت کی پیداوار قبل جنگ
کے (۱۱۹۴۰) سے زیادہ پر پہنچ گئی تھی۔ اس رپورٹ کے صفحہ ۳۷ پر لکھا ہے کہ ۱۹۵۱ء
میں ۱۹۴۰ء کے مقابلے میں کپڑے کی پیداوار ۲۰ فی صد زیادہ تھی۔

(iv) ذراعت کے بارے میں اعداد و شمار کو بار بار بدلا گیا ہے۔ مثلاً ۱۹۵۲ء میں
خود کی فصل کے بارے میں اعلان کیا گیا کہ سا کر وٹ ٹی ہوئی ہے۔ لیکن پھر

93. Shah, Dr. Riaz Ali, *A Doctor Looks at Russia*, p. 13

94. *Report of the Central Committee of the C.P.S.U.*

(B) to the Nineteenth Party Congress by G. M

Malenkov, Secretary, Central Committee, C.P.S. U

(B), October 5, 1952, pp. 33-36.

سرکاری طور پر بھی اعلان ہوا کہ پیداوار صرت ۹ کروڑ تھی۔

(۶) ۱۹۳۹ء کے شمار آبادی (Census) کی رپورٹ کو تیار کیے جانے کے بعد دبا دیا گیا اور شماریاتی افسروں کو سبٹائز کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

ایسی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روس میں شہادیات کے ساتھ کھوکھلا مذاق تک ہوتا ہے اور وہاں کے سرکاری اہلکار و شمار کو غور و فکر اور تعمیل و تجزیہ کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا۔

پھر صرف جہاں بوجھ کر ہی شہادیات کو متاثر کرنے کی کوشش نہیں ہوتی بلکہ ہر فنی طریقے اختیار کیے گئے ہیں وہ بہت ہی خام ہیں اور ان کی وجہ سے ایک خاص قسم کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بھی ہم صرف چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۱) ۱۹۵۰ء تک پیداوار کے اشاریے ۲۷-۱۹۲۶ء کی قیمتوں کی شکل میں تیار ہوتے تھے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ٹیکسٹائل فیکٹریوں کو اونچی قیمت لگانے کا موقع مل جاتا ہے، بلکہ جمی مصنوعات کی پیداوار بعد میں شروع ہوتی ان کی قیمتیں بھی مصنوعی طور پر اونچی رہتی ہیں اور اشاریہ اصل پیداوار سے زیادہ ظاہر کرتا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد ۱۹۵۲ء اور پھر ۱۹۵۵ء کی قیمتوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ۱۹۵۰ء سے پہلے کے اشاریہ کو اس تبدیلی سے ہم آہنگ نہیں کیا گیا۔ اشاریہ کو جو اونٹن (Weights) دیئے گئے ہیں وہ بھی بالکل منابطہ کے ہیں۔ اور ان کا نتیجہ یہ ہے کہ چند ہی نیڑی سے بڑھنے والی مصنوعات کی وجہ سے مجموعی اشاریہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح صنعت کی تنظیم میں تبدیلی پیدا داری اشاریہ میں تغیر کا باعث ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے کلاسیکی پیداوار کے اعداد و شمار غامض و مشکوک ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ ہم اس مضمون میں دقیق فنی مباحث اور مخصوص علمی اصطلاحات کے استعمال سے احتراز ہی کر رہے ہیں لیکن اظہارِ اعداد کے لیے اتنی بات کا بیان ناگزیر تھا۔ جو حضرات اس موضوع کا باتا سہ مطالعہ کرنا چاہیں وہ مندرجہ ذیل مباحث ملاحظہ کریں۔

Clark, Colin, *A Critique of Russian Statistics*, London, 1939; Grassman G., *Soviet Statistics of Physical Output of Industrial Commodities*, Princeton, 1960; Nove, Alec, *The Soviet Economy*, London, 1961, (Appendix); Jasny, N., "Some Thoughts on Soviet Statistics", *International Affairs*, January, 1959; Symposium on "Reliability and Usability of Soviet Statistics", *The American Statistician*, 1953; Shaffer Harry G. (ed), *The Soviet Economy*, London, 1963, Sections 1 to 3.

اس آخر الذکر کتاب میں ہر مسئلہ پر دس کے اہم ترین ماہرین معاشیات اور معرئی لہجہ کے مضامین ساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں۔ ہر ایک وقت و دنوں نقطہ ہائے نظر سامنے آجاتے ہیں۔

(ii) روسی شماریات میں ایک ہی چیز کو دو اور اس سے بھی زیادہ بار جمع کرنے (Double-counting) کی غلطی بھی ہوئی ہے۔ خصوصیت سے اشیاء کے درمیانی مراحل (Intermediate goods) میں جب کردہ ایک صنعت سے دوسری صنعت کو جاتے ہیں لیکن ہر جگہ کل پیداوار میں شامل کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود ایک روسی مطالعہ میں اعتراضات کیا گیا ہے کہ ۱۹۶۰ء میں کل صنعتی پیداوار ۹۰۰ فی صد بڑھی لیکن اگر مغربی شماریات کے اضافہ کے اصول پر اس کا حساب کیا جاتے تو یہ اضافہ فی صد کا ہوگا۔

(iii) زراعت میں حیاتیاتی پیداوار (Biological-yields) لینے کا طریقہ رائج تھا۔ جس کی وجہ سے اصل پیداوار کی بجائے صرف ظاہری پیداوار لے لی جاتی تھی اور اس طرح صحیح صورت حال کا علم ہی نہیں ہو پا سکتا۔ اس طریقہ کے غلط ہونے کا اعتراض خود میکوف نے اپنی اگست ۱۹۵۵ء کی اس تقریر میں کیا ہے جو اس نے سپریم سوویٹ میں کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء تک روسی شماریات محض ایک کھیل اور پارٹی کے مقاصد کو حاصل کرنے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کا ایک حربہ تھیں۔ ہم اپنی اس بحث کو روسی معیشت کے ایک غیر مایہ ناز اگرچہ ماہر ایک فرد کے پیش کردہ نتائج اور ایک روسی ماہر کے تبصرہ پر ختم کرتے ہیں جو اس نے روسی شماریات کے تنقیدی مطالعہ کے بعد پیش کئے ہیں۔

الغ، صنعتی پیداوار کے بارے میں اعداد و شمار جہاں تک مقدار کو پیش کرتے ہیں وہ بڑی حد تک قابل اعتماد ہیں۔ لیکن جو اعداد و شمار ردی میں پیش کیے جاتے ہیں وہ خاصے گمراہ کن ہیں۔ لیکن اس سلسلہ کے مواد کو بہ نظر احتیاط لینا چاہیئے مکمل بے اعتمادی سے نہیں۔

دبہ زرعی اعداد و شمار متعدد وجوہ کی بنا پر بہت کم قابل اعتماد ہیں۔ اس میدان میں اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے حکومت نے اعداد و شمار کے ساتھ بہت مذاق کیا ہے۔

دج) صنعتی اور زرعی پیداوار اور قومی آمدنی کے اشاریے (Index) سب سے زیادہ ناقابل اعتماد ہیں۔ گو ہم ان کو بھی محض ذہن کی اختراع تو نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن متعدد وجوہ کی بنا پر ان میں غلط بیانی یا سبالت سب سے زیادہ ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ روسی اشتراکیت کے فراہم کردہ اعداد و شمار کو آنکھیں بند کر کے قبول نہ کیا جائے، بلکہ انہیں مانتی معیار پر جانچا جائے اور پھر صحیح انداز کیے جائیں۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے نسبتاً زیادہ روئی نئی شماریات فراہم کی جانے لگی ہیں لیکن کسی مکمل جائزہ کے لیے وہ اب بھی ناکافی ہیں۔ یہ تھی ایک انگریز ماہر کی رائے۔ اب ہم روس کے ماہرین معاشیات میں سے ایک

97. Nove, Alec, "The Soviet Economy", op. cit., pp. 307-314.

سرکردہ شخصیت ایس۔ جی اسٹروملین کے نتائج مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ موصوف کی ایک کتاب "Essay on the Social Economy of the Soviet Union" شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

و صنعتی پیداوار کے اشاریہ میں ایک ہی چیز بار بار شامل ہو جاتی ہے۔ مثلاً موٹر کی صنعت میں صرف مشین کی قدر شامل نہیں بلکہ ان پرزوں کی الگ الگ قیمتیں جن پر مشین مشکی ہے اور اس خام مال کی قیمت جس سے یہ پرزے بنے تھے سب کل قیمت میں شامل کر لیے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی چیز کی قیمت کئی مراحل میں کل قیمت میں آ جاتی ہے اور نتائج مبالغہ آمیز ہو جاتے ہیں۔

و پہلے پختہ منصوبہ کے تجزیہ کے بعد یہ روسی ماہر کہتا ہے کہ اس میں کل صنعتی پیداوار کا اضافہ سرکاری اعداد و شمار میں ۱۵۰ کروڑ روپل کا بتایا گیا ہے جب کہ دواور میں بار جمیع ہو جانے والی قیمتوں کو نکالنے کے بعد یہ اضافہ ۲۷-۱۹۲۶ کی قیمتوں کے مطابق صرف ... ۱۰ کروڑ روپل کا ہوگا۔

موصوف کی یہ کتاب خود ہماری نگاہ سے نہیں گزری ہے۔ البتہ اس سے جو مواد اٹل کے سابق سفیر روس نے اپنی کتاب میں دیا ہے ہم اس سے یہ معلومات پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

Pietromarchi, Luce, "The Soviet World", Allen and Unwin, London, 1905, pp. 33-34.

دوسرے الفاظ میں کل امداد و شمار صرف اس شمار یاتی غلطی کی وجہ سے دو گنے سے زیادہ بڑھ گئے۔

۹ اس ماہر کی رائے میں ۱۹۲۸-۱۹۵۶ کے درمیان کل صنعتی پیداوار میں ۱۵ گنا اضافہ ہوا، جب کہ اب تک کے دیتے ہوئے سرکاری اعداد و شمار کی رو سے ۳ گنا اضافہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ صرف ایک شمار یاتی مغالطہ ہے۔

۱۰ اسی ماہر کے نتائج مطالعہ کی روشنی میں ۱۹۴۵-۱۹۵۶ کے درمیان اضافہ صرف تین گنا ہے، جب کہ سرکاری دعویٰ چار گنا اضافہ کا ہے۔

۱۱ ۱۹۵۶ء میں حقیقی پیداوار میں اضافہ اصل دعویٰ شدہ اضافہ کا صرف ایک تہائی تھا اور کل قومی آمدنی میں اضافہ ۸ فی صد تھا نہ کہ ۱۱ فی صد۔

یہ تمام معلومات ایک روسی ماہر کی فراہم کردہ ہیں۔ اوسا س کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جب ۱۹۵۵ء میں شماریات کے کام کو از سر نو منظم کیا گیا اور معاشی امور پر بحث و گفتگو کا آغاز کیا گیا تو اب تک کے کام کا جائزہ بھی مندرجہ ہو گیا۔ صنعت پر اثر و مارش نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اگر سال بہ سال شائع ہونے والی روسی شماریات کو نقلی طور پر مان لیا جائے تو مجموعی پیداوار میں اضافہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جس کا اثر ہی خود سرکاری طور پر کیا جا رہا ہے۔ اس حساب سے روسی پیداوار کو برسوں پہلے سے امریکی پیداوار سے آگے نکل جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روسی ماہرین شماریات کو بار بار اپنے معیار اوسا اپنے انداز سے میں ترمیم کرنی پڑتی ہے۔^{۹۹}

روسی شماریات کے بارے میں اپنی اور غیروں دونوں کی شہادتیں ہم نے پیش کر دیں۔ اب ہر طالب علم اور جو یا تے حتیٰ خود اتماءہ کر سکتا ہے کہ ان کے بارے میں کتنی امتیاط کی اور کس درجہ دیدہ ریزی کے ساتھ تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر حقیقت کو افسانہ سے جدا نہیں کیا جاسکتا اور اصل کامیابیوں اور کارناموں کو ان کی ترانہوں سے میز نہیں کیا جاسکتا جو زیب داستان کے لیے شامل کر دی گئی ہیں۔

روس کی رفتار ترقی

اب ہم اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ روس کی حقیقی رفتار ترقی کیا رہی ہے؟ اور دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ ہم دیکھ چکے ہیں روسی باہری کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۷ء تک قومی آمدنی میں اضافہ کی رفتار ۶ فی صدی سالانہ تھی۔ دوسری جنگ کے بعد اضافہ کی رفتار کے بارے میں دعویٰ یہ ہے کہ اس کا اوسط ۱۱ فی صد سالانہ سے زیادہ تھا۔ پانچ سالہ اضافہ کا دعویٰ یہ ہے۔

۵۰ - ۱۹۴۵ء	۸ فی صد	اضافہ
۵۵ - ۱۹۵۰ء	۸	"
۶۰ - ۱۹۵۵ء	۹	"
۶۵ - ۱۹۶۰ء	۸	"
۱۹۶۰ء مخصوص	۷	"

یہ اضافہ بہ نظر ظاہر بے حد متاثر کن ہے اور پہلی نگاہ میں ایک عام آدمی ان

اعداد و شمار سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں نہ صرف یہ کہ روسی شماریات میں بڑی گڑبڑ اور تحریفات پائی جاتی ہیں بلکہ ان کا طریقہ کار بھی بہت خام اور کمزوریوں سے بھرا ہوا ہے جس کی وجہ سے نتائج گمراہ کن ہوتے ہیں۔

مغربی اہل علم نے روس کی رفتار ترقی کے بارے میں روس ہی کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے تجزیہ اور ان کی ترتیب نو سے جو نتائج نکالے ہیں وہ زیادہ قابل اعتماد ہیں اور ان کی بنیاد پر دوسرے ممالک کی رفتار ترقی سے زیادہ بہتر موازنہ ہو سکتا ہے۔

نٹ۔ اس کے تازہ ترین ثبوت کے طور پر ہم چند سال پہلے کے ایک قانون کا حوالہ دیں گے جسے خود حکومت کو اعداد و شمار کی صحت کے بارے میں نافذ کرنا پڑا اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ابتدائی اداروں سے جو شماریات اکریپتیں وہ خاصی غلط ہوتی تھیں اور چونکہ خود سرکاری منصوبہ بندی کا انحصار انہی اعداد و شمار پر ہے۔ اس لیے اندرونی تحفظات کے لیے یہ قانون نافذ کرنا پڑا۔ آمرانہ نظاموں کو کبھی کبھی اس کیفیت کا تجربہ ہو جاتا ہے کہ میں ہوں خود اپنے ہی تیروں کا نشانہ۔ یہ قانون ۱۹۶۱ء کو روس کی مرکزی مجلس وزراء اور کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے منظور کیا۔ اور اس کا نام ریاست کو دھماکے اور دھاندلی کے طریقوں کو روکنے اور منصوبوں کی تکمیل اور ان کے بارے میں رپورٹوں میں فراہم کردہ معلومات پر حکومت میں گزرت کو بڑھانے اور ان کو زیادہ قابل اعتماد بنانے کے بارے میں۔

اس قانون کی رو سے غلط معلومات دینے والوں کو ۳ سال قید کی سزا عطا دی جا سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم چند اہم معاشی ماہری کے نتائج تحقیق پیش کرتے ہیں۔
ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ابراہم برگسون (Abram Bergson) کی
تحقیقات کی روشنی میں کل روسی پیداوار مندرجہ ذیل زمانوں میں اس رفتار سے
بڑھی ہے۔^{۱۰۱}

۱۹۲۸-۳۶	۵۶۰ تا ۵۶۵	فی صد سالانہ
۱۹۵۰-۵۵	۷۵ تا ۷۹	فی صد سالانہ

۱۹۲۸-۳۶ کے بارے میں متعدد تحقیقی مطالعے موجود ہیں۔ ان سے روسی
دعووں اور معاشین کے نتائج تحقیق کے فرق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔
۱۹۲۸-۳۶ کے درمیان قومی آمدنی میں سالانہ رفتار ترقی

روس کا دعویٰ	۱۶ فی صدی
پروفیسر ناوم جاسنی کے نتائج	۲۵-۲۶
تحقیقی قیمتوں کی بنیاد پر	۸-۹
۱۹۳۷ کی حاملین کی	۵
لاگت کی بنیاد پر	۵

101. Bergson, A., "The Real National Income of Soviet Russia Since 1928", Cambridge, Mass., Harvard, 1961, P. 219.
102. Jasny, Naum, "The Soviet Economy During the Plan Era", Stanford University Press, 1951, P. 85.

پروفیسر کوئی کلارک - بین الاقوامی

۵۶۴ فی صد

یونٹوں میں

۵۶۵ ادا کی برطانوی قیمتوں

۵۶۵ "

کی بنیاد پر

۵۶۶ "

جو ایس ڈائیل، ۵۶۷ ادا ڈالروں میں

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ روس ہی کے فراہم کردہ اعداد و شمار کو ان سائنسی طریقوں سے مرتب کرنے سے جو یورپ اور امریکہ میں مستعمل ہیں کتنا بڑا فرق پڑتا ہے۔ ایک اور مغربی مطالعہ کی رو سے دوسری جنگ کے بعد حقیقی رفتار ترقی یہ رہی ہے۔

103. Clark, Colin, "The Conditions of Economic Progress", London, Second Edition, 1951, Chapter iv.

104. Clark, Colin, "A Critique of Russian Statistics", (London, 1939, pp. 40-41, 68.

105. Wyler, Julius, Vide Crossman, Greogary, "National Income", "Soviet Economic Growth", (ed. Abram Bergson), Illinois, 1958, p. 9.

106. "Comparisons of the United States and Soviet Economies, Vide Zebot, Cyril A., "The Economies of Competitive Co-Existence", op. cit., p. 151.

۴ فی صدی سالانہ

۶۱۹۵۰ - ۵۹

۹ ۵ ۱ ۶

۶۱۹۵۹ - ۶۵

برگسان اشائیں کے بعد (۱۹۵۳ء) سے ۱۹۶۱ء تک کے بارے میں لکھا ہے
کہ آزاد تحقیق کی نگاہ میں اس زمانے میں قومی آمدنی میں سالانہ اضافہ ۶ فی صدی کے
لگ بھگ تھا۔

رستو کے قول کے مطابق بھی ۱۹۴۵ء کے بعد رفتار قومی ۶ فی صد سالانہ
رہی ہے۔

اور فرینک اور بریج نے جو اعداد و شمار پیش کیے ہیں وہ یہ ہیں۔

دوس میں کل پیداوار G.N.P. میں اضافہ کی رفتار

۶۶۸ فی صدی

۶۱۹۵۰ - ۵۸ (اوسط)

107. Bergson, Abram, "The Great Economic Race: U.S.S.R. Vs U.S.A." "Comparative Economic System: A Reader", (ed. Marshall I Goldman), Random House, New York, 1964, p. 340.
108. Rostow, W.W., "The States of Economic Growth", Cambridge, 1960, p. 102.
109. O' Brien, Frank, "Crisis in World Communism", The Free Press, New York, 1965, Table 10, p. 68.

۴۶۶ فی صدی

۶۱۹۵۸ - ۶۲

۲۶۵

۶۱۹۶۰ - ۶۳

مغربی ماہرین کے نتائج کو صحیح مانا جائے تو روس نے بلاشبہ ترقی کی ہے، تیز رفتاری سے ترقی کی ہے، لیکن کسی غیر معمولی برقی رفتاری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ اشتراکی پروڈیگنڈے سے جو ایک علم قائم ہوتا ہے۔ زیادہ گہرائی میں جانے کے بعد اس کا اثر بہت کم ہو جاتا ہے۔ بس حد تک روس کامیاب ہوا ہے اس کا کھلے دل سے اعتراف ہونا چاہیے۔ لیکن شہادیات کا جھوٹا علم بہر حال ٹوٹنا چاہیے۔
روس اور دوسرے ممالک کی ترقی: تقابلی مطالعہ

ہم آگے بڑھنے سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ روس کی معاشی ترقی ایسی نادر رہی ہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی معاشی ترقی کی رفتار میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اشتراکی اہل قلم یہ سبالتہ آمیز دعوے کرتے رہتے ہیں کہ جس رفتار سے روس نے ترقی کی ہے اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ بات تاریخی اعتبار سے غیر صحیح ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ اشتراکی اہل قلم باصوم روس اور مغربی ممالک کی رفتار ترقی کا مقابلہ ایک ہی زمانے کے بارے میں کرتے ہیں جب کہ دونوں ترقیاتی نقطہ نظر سے مختلف مراحل پر تھے۔ مثلاً ۱۹۳۸ء کے درمیان کہ روس اور انگلستان ایک مقام پر تھے۔ انگلستان میں صنعتی انقلاب ۱۷۶۰ء میں شروع ہوا۔ ۱۸۳۰ء میں مکمل ہوا۔ جب کہ روس میں یہ عمل بہت دیر سے شروع ہوا۔

مثالی مساوی زمانوں اور مرحلوں کا ہونا چاہیے ترقی پذیر (Developing phase)

اور بلوغ (Maturity) کے دور کا نہیں۔ اس نقطہ نظر سے اگر موازنہ کیا جائے تو فرق ایسا نمایاں نہیں ہے۔ فرانسیسی مفکر برنارڈی جو وینال (Bertrand De Jouvenel) صنعتی ترقی کے ستون کو ہے کی صنعت کی مثال لے کر بتا رہے کہ روس میں ۱۹۲۹ میں لوہے کی پیداوار ۵۰ لاکھ ٹن تھی جو ۱۹۵۴ تک کم کر ڈی ۱۰ لاکھ ٹن ہو گئی۔ ۲۵ سال میں آٹھ گنا اضافہ۔ اسی زمانے میں امریکہ، برطانیہ اور جرمنی میں اضافہ کی رفتار اس سے بہت کم تھی۔ لیکن امریکہ کی لوہے کی صنعت اپنے ترقیاتی دور میں اس سے پیچھے نہ تھی مثلاً ۱۸۹۶ء سے ۱۹۱۶ء تک اضافہ یہ تھا۔

۱۸۹۶ء	۵۲ لاکھ ٹن
۱۹۱۶ء	۴۴ کرڈ، ۲ لاکھ ٹن
یعنی ۲۰ سال میں آٹھ گنا اضافہ	

تفصیلی مطالعہ کے سلسلہ میں کولن کلارک کا تحقیقی کام بڑا قیمتی اور ناقابل تردید

-
110. Jouvenel, Bertrand De, "Some Fundamental Similarities Between the Soviet and Capitalist Economic Systems," "Future of Freedom" Proceedings of the Conference held at Milan (Italy), Under the Auspicious of the Congress for Cultural Freedom, September 1955, p. 57—98.

ہے۔ موصوف کے مقرر کردہ ہیں الاقوامی یونٹوں کی شکل میں مختلف ممالک کی رفتار ترقی پر رہی ہے۔^{۱۱۱}

لیکس قومی آمدنی میں اضافہ ۱۸۹۰-۱۹۳۸

۱۹۳۵-۳۸ ۱۹۳۰-۳۴ ۱۹۲۵-۲۸ ۱۹۲۱-۲۴ ۱۹۰۹-۱۳

۷۱۰	۵۳۰	۵۵۰	۵۱۲	۴۴۰	نیوزی لینڈ
۵۴۵	۴۳۸	۵۹۰	۵۰۶	۴۸۴	امریکہ
۵۸۴	۴۸۸	۵۰۲	۴۰۳	۴۳۴	برطانیہ
۳۶۷	۳۰۱	۲۷۵	۲۳۰	۱۶۵	سوئیڈن
۱۳۹	۱۱۳	۱۰۲	۷۲	۴۶	جاپان
۱۰۸	۹۰	۹۵	۵۷	۱۰۲	روس

اس سے صاف نظر آتا ہے کہ ایک ہی زمانے میں بھی روس کی معاشی ترقی دوسروں کے مقابلہ میں کوئی غیر معمولی یا معجزاتی کیفیت نہیں رکھتی۔ سائنس کوٹنس (Simon Kuznets) نے دنیا کی معاشی ترقی کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ ان کے فراہم کردہ مواد سے یہ ضروری حقائق سامنے آتے ہیں۔^{۱۱۲}

111. Clark, Colin, "Economics of 1960", London, Vide, Coste, E. De, "The Economic Progress of Russia", Delhi, 1950, Table II, p. 57.
112. Kuznets, Simon, "Population Decrease and Growth", Quoted Buchanan and Ellis, *Approaches to Economic Development*, The Twentieth Century Fund, New York, 1955, pp. 214-215.

رفتار ترقی و فکس قومی آمدنی

امریکہ (۱۹۳۸-۱۸۹۹)	۳۸۱	فی صدی کا اضافہ	۴۰.۸	فی صدی
برطانیہ (۱۹۳۹-۱۸۹۰)	۲۳۱	"	۲۰.۹	"
سوئیڈن (۱۹۳۸-۱۸۹۱)	۹۹۱	"	۸۰.۵	"

اس طرح صاف نظر آتا ہے کہ سوئیڈن کی رفتار ترقی پوری صدی پر پھیلانے کے باوجود روس سے زیادہ رچی ہے۔ جاپان کی رفتار ترقی کے بارے میں یہ مواد ملتا ہے۔

فکس قومی آمدنی میں اضافہ کا اشاریہ

۱۰۰	۱۸۷۸-۸۳
۱۳۷	۱۸۸۸-۹۳
۲۲۰	۱۹۰۸-۱۲
۴۰۰	۱۹۲۸-۳۲
۵۲۶	۱۹۳۸-۴۲

جس کے معنی یہ ہیں کہ ۵۰ سال تک فکس آمدنی میں ترقی کی رفتار ۷۰ فی صدی ملانے میں جو گزشتہ ۵۰ سال کی روس کی اوسط رفتار ترقی سے کہیں زیادہ ہے۔

اگلا ہم اشیاء کو لیا جائے تو اہم مسائل کے ترقیاتی ادوار میں ان کی پیداوار کے اضافہ کی رفتار میں ایک خاص مماثلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ محض روس کی ترقی میں کوئی غیر معمولی کیفیت نہیں ہے۔ مثلاً اگر تملک پیداوار کو لیا جائے تو کیفیت یہ نظر آتی ہے۔

۸۰.۵	۱۸۹۰	انگلستان
۱۳۰.۹۸	۱۸۸۰	"
۲۲.۵۱	۱۹۰۰	"
۲۸.۷۴	۱۹۱۳	"

امریکیہ میں ۱۸۹۰ء میں صرف ایک کروڑ ۴۵ لاکھ ٹن پیداوار تھی۔ ۱۹۰۰ء میں یہ ۲۶ کروڑ ۹ لاکھ ٹن ہو گئی اور ۱۹۲۳ء میں ۶۵ کروڑ ۸ لاکھ ٹن۔ روس میں ۱۹۱۳ء میں پیداوار ۲ کروڑ ۹ لاکھ ٹن تھی۔ ۱۹۳۲ء میں ۷ کروڑ ۳۷ لاکھ ٹن اور ۱۹۳۸ء میں ۱۳ کروڑ ۲۹ لاکھ ٹن، ۱۹۵۲ء میں یہ مقدار ۳ کروڑ ٹن اور ۱۹۶۳ء میں ۵۳ کروڑ ٹن تھی۔

یعنی انگلستان میں ۵۶ سال میں $\frac{1}{4}$ گنا اضافہ ہوا، امریکہ میں ۶۳ سال میں ۵۶ گنا اضافہ ہوا۔ جب کہ روس میں ۵۰ سال میں اضافہ تقریباً ۱۱ گنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ اپنے اپنے ترقیاتی مرحلہ میں ہر ایک سے تیز رفتاری سے ترقی کی ہے اور کچھ ملک کی رفتار روس کی رفتار سے تیز تر رہی ہے۔ یہ دراصل ترقیاتی عمل (Development process) کے مختلف پہلو ہیں، ان کو ایک خاص مد سے آنکے بڑھ کر اشتراکیت کے حق میں استعمال کرنا غلط سمجھنا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ہمارے اس مرقعہ کی تائید دوسری اہم اشیاء کے اعداد و شمار سے بھی ہوتی

ہے۔ مثلاً خام لوسچے کی پیداوار کو لیجئے۔ انگلستان میں ۱۸۰۰-۱۸۹۰ کے درمیان
 اضافہ ۱۰۶۰ فی صدی سالانہ تھا۔ ۲۰-۱۸۱۰ میں ۶۸ فی صدی سالانہ ۳۰-۱۸۲۰
 میں ۵۰ فی صدی سالانہ۔ ۴۰-۱۸۳۰ میں ۶۵ فی صدی سالانہ۔ امریکہ میں ۵۰-۱۸۹۰
 کے درمیان ۳-۷۰ فی صدی سالانہ، ۸۰-۱۸۷۰ کے درمیان ۶۶ فی صدی سالانہ،
 ۹۰-۱۸۸۰ کے درمیان ۶۲ فی صدی سالانہ۔ کینیڈا میں ۱۹۰۰-۱۸۹۰ میں اضافہ کی
 رفتار ۶۳ فی صدی سالانہ اور ۱۹۱۰-۱۹۰۰ کے درمیان ۶۳ فی صدی سالانہ تھی۔
 اگر ان اعداد و شمار اور اس رفتار ترقی کا مقابلہ روس کے ترقیاتی دور کی رفتار
 سے کیا جائے تو اسے کسی پہلو سے غیر معمولی نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً روس میں ۱۹۱۳
 میں لوسچے کی پیداوار ۲۸ لاکھ ٹن تھی۔ ۱۹۲۸ میں بھی یہ پیداوار ۲۸ لاکھ ٹن ہی تھی۔
 ۱۹۹۳ میں یہ بڑھ کر ۸ کروڑ ٹن ہو گئی۔ یعنی ۵۰ سال میں تقریباً گنا اضافہ ہے۔ کینیڈا
 میں صرف ۲۰ سال میں اضافہ تقریباً گنا تھا۔ (۱۸۹۰-۱۹۱۰) اور امریکہ میں ۱۸۹۰
 سے ۱۹۱۰ تک اضافہ ۳ گنا تھا۔ دوسرے ممالک کی بھی یہی کیفیت ہے۔ ان
 معائنہ کی روشنی میں صرف روس کی ترقی کو معجزاتی کیسے کہا جاسکتا ہے اور وہ
 اشتراکیت کے حق میں ایک دلیل کیسے ہی سکتی ہے۔ اب تک کی بحث سے ہمارے
 سامنے یہ دو حقائق آئے کہ
 (الف) روس کی رفتار ترقی وہ نہیں ہے جس کا اشتراک دعویٰ کرتے ہیں۔

دوسرے ممالک کے تقابلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ لوکانن والیٹیس، کتاب
 مذکورہ بالا باب ۱۱۔

دب، اور اگر دلیل کی خاطر یہ بھی مان لیا جائے کہ رفتار ترقی وہی ہے تو وہ کئی غیر اصولی شے نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے مختلف ترقی یافتہ ممالک اپنے اپنے ترقیاتی دور میں اسی قسم کی رفتار ترقی حاصل کر چکے ہیں۔ خواہ کل صنعتی پیداوار کو لیا جائے۔ اور خواہ اہم صنعتی مصنوعات کو الگ الگ۔

یہ تو متاثر ترقیاتی دور کے بارے میں ہیں۔ اب اگر ایک ہی زمانہ کے بارے میں موازنہ کیا جائے تب بھی خوش فہمی کی وجہ نہیں ہے۔ ۲۷-۱۹۲۸ کے درمیان روس کی حقیقی آمدنی میں ۲۰ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ سوئیڈن میں صرف ۳۶-۱۹۲۲ کے درمیان یعنی پانچ سال میں ۲۵ فی صدی اضافہ اور جرمنی میں ۳۷-۱۹۲۲ کے درمیان یعنی ۵ سال میں ۴۴ فی صدی اضافہ ہوا۔

یہی کیفیت دوسری جنگ کے بعد کے حالات کے مطالعہ سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس دور میں روس کی رفتار ترقی کے مقابلہ میں متعدد دوسرے ممالک نے زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کی ہے حالانکہ وہ بھی دوسری جنگ سے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ متاثر ہوئے تھے اور ان کے قدرتی اور انسانی وسائل روس سے بدرجہا کم تھے۔

۵۱۱ ممالک کی کل صنعتی پیداوار ۱۹۵۰-۱۹۹۱ سے ۱۹۰۵-۱۹۰۱ تک ۱۱۰۶ فی صدی سالانہ بڑھتی رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Hilgert, Eolke, "Industrialization and Foreign Trade"

League of Nations, Geneva, 1945, p. 130.

دوسری جنگ کے بعد سے ۱۹۶۵ء تک کے بارے میں جو روسی اعداد و شمار شائع کئے گئے ہیں ان میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ رفتار ترقی ۱۲ فی صدی سالانہ سے ۱۰ فی صدی سالانہ تک رہی ہے۔ اور مغربی ماہرین کی رائے ہے کہ اعداد و فیصدی سالانہ رہا ہے۔ ایک روسی ماہر معاشیات پروفیسر سٹرومیلین (Stanislov G. Strumilin) نے روسی شماریات سے اختلاف کیا ہے اور ۶۲-۱۹۶۰ء کے بارے میں حساب لگا کر دکھایا ہے کہ اس میں رفتار ترقی ۸ فی صدی سے زیادہ نہ تھی۔ یہ خود ایک اشتراکی ماہر معاشیات کی شہادت ہے۔^{۳۳}
اب یہ دیکھئے کہ اس زمانے میں دوسرے ملک کی کیفیت کیا تھی۔

۶۲-۱۹۵۸

۵۸-۱۹۵۰

۱۳۰۲ فی صد سالانہ

۶۲ فی صد سالانہ

جاپان

۳۳۔ سٹرومیلین کے مضمون کے نتائج کو پروفیسر میری شوارز نے اپنے ایک مضمون میں پیش کیا ہے جو نیو یارک ٹائمز میں ۵ ستمبر ۱۹۶۲ء کو شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ روسی ماہر کی روسے ۱۹۶۰ء میں روس کی پیداوار امریکی پیداوار کا ۵۰ فی صدی نہ تھی جبکہ امریکی طور پر دعویٰ کیا گیا ہے بلکہ ۸۰-۶۱ فی صدی تھی اور ۱۹۶۲ء میں یہ بڑھ کر صرف ۶۲-۸۰ ہوئی۔ اس رفتار سے روسی معیشت امریکی معیشت کی برابر ہی ۱۹۷۰ء میں دھبہ کار غرضیت نے کہا تھا، نہیں کر سکتی بلکہ تسمت کے بعد کہ پائے گی۔ یہ نتائج ٹیک روس میں شائع ہوئے ہیں، مغربی اہل فکر کا اعتراض نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ فریک اور براتس "Crisis in World Communism"

جرمنی (مغربی)، ۷۶۲ فی صد سالانہ ۶۶۲ فی صد سالانہ
 اٹلی ۵۶۶ ۷۶۲

سال یہ ہے کہ یہ ممالک اگر اس رفتار، بلکہ اس سے تیز رفتار سے ترقی کر سکتے ہیں جس سے اشتراکی دوس نے ترقی کی ہے تو پھر دوس کی ترقی اشتراکیت کے حق میں کس طرح ایک دلیل ہی سکتی ہے اور ان ممالک کی ترقی ان کی منکوحہ معیشت کے حق میں کوئی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ اشتراکیت کے معجزہ کا کوئی جواب! ^{۱۱۷}
 موازنہ کے چند اور پہلو

ان پہلوؤں کے مطالعہ کے بعد ہم اس حقیقت کو سامنے لانا چاہتے ہیں کہ خود دوس میں، سرکاری امداد و شمار کی روشنی میں، جو نئے رجحانات کارفرما ہیں وہ ہرگز خوش آئند نہیں کہے جاسکتے۔ اشتراکی معیشت بھی ان پر مجبور گیوں سے دوچار ہے جن سے بلوغت اور پختگی کے مراحل میں داخل ہونے کے بعد سرمایہ دارانہ معیشت دوچار ہوتی تھی۔ ہم صرف چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو قومی پیداوار کے بارے میں سرکاری امداد و شمار سے جو صورت حال سامنے آتی

۱۱۷ اس سلسلہ میں جرمنی، اٹلی اور فرانس کی مثالوں کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Hemessy, Josselyn, Lutz, Vera and Scimone, Giuseppe, "Economic Miracles," Institute of Economic Affairs London, 1964.

ہے اس پر صرف ایک لکھ ڈال پیسے۔^{۱۱۸}

پنج سالہ مجموعی اضافہ فی صدی	سالانہ اضافہ فی صدی	زمانہ
۸۸		۱۹۴۵-۵۰
	۱۶	۱۹۵۱
	۱۲	۱۹۵۲
۸۵		۱۹۵۰-۵۵
	۱۱	۱۹۵۶
	۱۰	۱۹۶۰
۶۳		۱۹۵۵-۶۰
	۹	۱۹۶۱
	۸.۵	۱۹۶۲
۴۸		۱۹۶۰-۶۵

یعنی سالانہ اضافہ کی رفتار ۱۲ سال میں نصف رہ گئی ہے۔ اسے اتنا ہی چیز بھی نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ ۲۰ سالہ اعداد و شمار کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ محض کارجمان کا فرما ہے۔

یہ تو ہے عمومی رجحان۔ اگر سرکاری اعداد و شمار کا مزید تجزیہ کیا جائے تو ایک

118. Vide, Ingram, David, "The Communist Economic Challenge," Allen and Unwin, London, 1965, p. 52.

ایک صنعت کا مطالعہ کیا جاتے تو وہاں بجلی سی رجمان کار فرما نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اہم صنعتوں کے بارے میں اعداد و شمار یہ ہیں۔

اشیائے پیداوار	رقار اسٹاف کارجمان		
۱۹۴۶-۵۰	۱۹۵۱-۵۵	۱۹۵۶-۶۰	
بجلی	۱۶-۶۹	۱۱-۰۳	
کوئلہ اور گناٹ	۱۱-۸۲	۸-۴۲	
لوب	۱۷-۲۸	۱۰-۶۹	
سینٹ	۱۷-۱۴	۱۳-۹۹	
اشیائے صرف			
کافہ	۳-۰۶	۹-۲۲	
روئی کا پتھر	۱۹-۲۴	۷-۹۵	
چمچے کے جوتے	۲۳-۹۵	۱۰-۲۱	
شکر (مقام)	۲۶-۳۷	۶-۱۵	
	۳۰-۲۵	۶-۲۵	

یہ اعداد و شمار اس رجمان کی تائید اور تشریح کرتے ہیں جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ۲۰ سال میں روس کی اشتراکی معیشت میں سست روی کارجمان رونما ہو گیا ہے اور برابر اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۲۰۰ برس کا گریس نے اپنی ہدایات میں کہا تھا کہ پیداوار کے بہت

سے دائروں میں نئی سائنسی اور فنیاتی ترقیات و ایجادات کے نافذ کرنے میں برابر تاخیر ہو رہی ہے۔ زراعت، صنعت، رمل و سائل اور تعمیرات میں میکانک اور خود کاری کے فروغ کا نظام غیر تسلی بخش ہے۔^{۱۱۸} اور پرنٹیم کے ایک دکن آرستو (Aristov) نے مرکزی کیٹی کے اجلاس کے موقع پر اعتراض کیا تھا کہ

”ہماری معیشت میں بہت سی چیزیں ہیں جو پیمانہ ہیں۔ کبھی کبھی تو اپنی صنعت میں پرانی اور دقیانوسی تکنیکی عمل کو جاری دیکھ کر انسان شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہماری محنت کے ماحول کو ہاتھ سے جاتے ہوئے دیکھ کر اور پیداوار کی کمی پر نظر کر کے آدمی کشاکش جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہماری مشینی صنعت کے مختلف ڈائریکٹروں پر عائد ہوتی ہے۔“^{۱۱۹}

اس حقیقت کا ایک اند ثبوت فی مزدور پیداوار میں کار فرما رجحانات ہیں۔ فی مزدور پیداوار میں جی جس تناسب سے اضافہ کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ لائق مطالعہ ہے۔ سرکاری اعداد و شمار یہ ہیں۔^{۱۲۰}

۱۹۵۰	۱۳ فی صدی	۱۹۵۷	۷ فی صدی
۱۹۵۱	۲	۱۹۵۸	۴

118-B. ibid, p. 27.

118-C. ibid, p. 27.

۱۹۵۲	۷	فی صدی	۱۹۵۹	۷	فی صدی
۱۹۵۳	۷	۵			
۱۹۵۴	۸	۵	۱۹۶۰	۵	۵
۱۹۵۵	۹	۴	۱۹۶۱	۴	۴
۱۹۵۶	۷	۷	۱۹۶۲	۶	۶

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ۱۹۵۰ میں ہیرن دور کی پیداوار میں ۱۲ فی صدی سالانہ کے اضافہ کا دعویٰ تھا تو ۱۹۶۳ء میں یہ صرف ۵ فی صدی سالانہ تھا۔ اس طرح یہاں بھی ترقی کی رفتار سست ہو گئی ہے۔ اور یہ اس حالت میں ہے جب اس نئے میں فنی انقلاب آیا ہے اور خود کار مشینوں (Automation) کو رواج دیا گیا ہے۔ یہ تمام اعداد و شمار ہوا کا کیا رخ بتا رہے ہیں؟ اسے سمجھنے کے لیے معاشیات میں کسی فنی نہایت کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روس میں سرمایہ کی پیداوار کی برابر کم ہو رہی ہے اور اب ایک خاص تناسب میں اضافہ کے لیے پہلے سے زیادہ سرمایہ کاری کی ضرورت پیش آرہی ہے۔^{۱۳} منصوبے بار بار بن رہے ہیں اور

^{۱۳} روس اور چند دوسرے ممالک میں فی کس قائم سرمایہ کاری (Fixed Investment) کا جو تناسب فی کس کل پیداوار سے ہے وہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

ملک	۱۹۵۰-۶۰	۱۹۶۲
فرانس	۲۰۰	۱۹۰
	فی صدی	فی صدی
		(۴)

حالات کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو رہے ہیں۔ چھٹے بیج سالہ منصوبہ ۹۰-۱۹۵۹ء کو ۱۹۵۷ء میں معطل کر دیا گیا اور احترام کیا گیا کہ اس میں تھینے پڑے خطہ اور ناقابل عمل تھے۔ ۹۵-۱۹۵۹ء کے لیے ایک سات سالہ منصوبہ بنایا گیا لیکن اسے بھی ۱۹۶۲ء میں اور پھر ۱۹۶۳ء میں بنیادی طور پر بدل دیا گیا۔ بالآخر سات سالہ منصوبوں کے سلسلہ کو ہی ترک کر دیا گیا اور دوبارہ بیج سالہ منصوبے کی طرف مراجعت کی گئی۔ یہ حقائق اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اشتراکی دنیا میں بھی معاشی نشیب و فراز اپنا وجود منواتے ہیں!

دوسری اہم چیز دوسری معیشت کی پیدا آمد کی اور کارکردگی ہے۔ اصل چیز محض کل پیداوار کا اضافہ نہیں بلکہ معیشت کی حقیقی صلاحیت اور کارکردگی کی ترقی ہے۔ غور و بسین نے ایک نظام کی فوقیت کے لیے اس کی کارکردگی کو معیار مانا تھا۔

۲۵-۸	۲۵-۴	جرمن
۲۱-۱	۲۲-۹	اٹلی
۱۹-۳	۱۹-۸	انگلستان
۱۵-۹	۱۷-۷	امریکہ
۳۲-۲	۲۳-۹	روس

دبورا اور برائن مالی اشتراکیت کا بحران "مجدول اکالم" ۱۰-۱۱ صفحہ ۶۹

۱۳۷۷ بکوہ۔ پیز وارش۔ وی سویٹ ورلڈ۔ صفحہ ۱۲۵ اسی بات کو غور و بسین نے اشتراک پارٹی کے تیسویں پروگرام ۱۹۶۱ء کو بیان کرتے ہوئے دہرایا۔

اس پہلو سے روسی معیشت نے کوئی اعلیٰ مثال قائم نہیں کی۔ مگر روسی معیشت کی پیدا آوری میں برابر اضافہ ہوا ہے لیکن اشترکیت سے قبل کے ۵۰ سال اور اشترکیت کے بعد کے ۵۰ سال کی جدوجہد کے باوجود وہ ابھی مغربی معیارات سے بہت پیچھے ہے۔ روسی مصنوعات کی کوالٹی بھی فروتر ہے، اور فی کس پیدا آوری اور کارکردگی میں کم تر۔ پہلے پیدا آوری اور کارکردگی کو لیجئے۔ روس کے باہرین شماریات کی رو سے ۱۹۶۲ء میں روسی صنعت کی پیدا آوری امریکہ کے مقابلہ میں ۴۰ سے ۵۰ فی صدی تھی۔^{۱۲۲} مغربی باہرین کی رائے یہ ہے کہ پیدا آوری اس سے بھی کم ہے اور اسطرح ایک تہائی کے لگ بھگ آتی ہے۔ اسی طرح روسی شماریات کے مطابق زراعت میں ۶۲-۱۹۵۸ء میں روس کی پیدا آوری امریکہ سے ۲ سے ۳۰.۵ گنا کم ہے۔ ایک نئی غلط فہمی کہنے کے لیے روس کے اجتماعی کھیت پر ایک کسان کو ۲.۳ گنا زیادہ وقت اور محنت صرف کرنی پڑتی ہے اور ایک نئی گائے کے گوشت کے لیے ۲۲ گنا

122. Norodnoe Khozyaystvo SSSR V 1962 Godu, p. 72
vide, "Economic Systems in Action, op.cit. p. 137."
123. Schroeder, G., "Soviet Industrial Labour Potentiality", *Dimensions of Soviet Economic Power*, Joint Economic Committee, U. S. Congress Washington, 1962, pp. 154-155

زیادہ وقت اور محنت۔^{۱۲۴}

یہ تو محاروسی ماہرین کا اعتراض۔ اب مغربی معاشینین کی تحقیقات کو لیجئے۔ کوئی کلاڑک کے حساب کے مطابق گوروس کی زرعی آبادی کی گنتائی کم ہے لیکن ۱۹۳۸ میں چین اور ہندوستان کے سوا اس کی زرعی پیدا آوری دنیا میں سب سے کم تھی۔ بین الاقوامی اکائیوں میں نیوزی لینڈ کی پیدا آوری ۲۴۴۴ یونٹ تھی آسٹریلیا کی ۱۵۲۳، امریکہ کی ۶۱۱ برطانیہ کی ۵۴۸، جاپان کی ۱۴۰ اور روس کی صرف ۸۸۔^{۱۲۵} یکمبر ۱۹۵۷ء کی مشہور اشتراکی اہل قلم اور روسی معیشت کے ماہر پروفیسر مورس ڈوب نے بھی اس کا اعتراض کیا ہے محنت کی پیدا آوری مندرجہ کے مطابق نہیں بڑھی بلکہ بشکل اصل ہدف کا ۴۱ فی صدی حاصل کر پائی۔^{۱۲۶}

پیدا آوری کا اندازہ کرنے کے لیے ایک اہم طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ایک ملک کے مزدور کو ایک خاص چیز کرنے کے لیے دنیا کے مختلف ممالک

124. SSSR., SSLA (T SIFRY I FAKTY). Moscow

1961, pp. 57, 80, 83, 84, vide *Economic System in Action*, op.cit., p. 139.

125. Clark, Colin, "The Conditions of Economic Progress", op.cit., p. 246.

126. Dobb, Mauria, "Soviet Economic Development Since 1917", London, 1951, p. 249.

میں کتنے گھنٹے محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس سے کارکردگی کا علم بھی ہو جاتا ہے اور وہاں کے عام آدمی کے معیار زندگی کا بھی۔ اس سلسلہ میں متعدد اہم مطالعے موجود ہیں۔ ہم ایک تازہ ترین مطالعہ کے نتائج پیش کرتے ہیں جسے ایک جرمن مفکر اور سفارتی نمائندہ پال دی ہیسی نے مرتب کیا ہے۔

اشیا	فرانس	مغربی جرمنی	امریکہ	روس
فی گھنٹہ ہجرت	۵۵۰ ہونریک	۲۰۱۸ مارک	۲۰۳۲ ڈالر	۴۴۰۰ روبل
روٹی	گھنٹے منٹ	گھنٹے منٹ	گھنٹے منٹ	گھنٹے منٹ
۵ کلوگرام	- - -	- ۸۰۵	- ۶	- ۹۰۵
دو دوہریکسٹر	- ۱۱	- ۱۳	- ۷	- ۳۱
کھس ایک کلوگرام	۲ ۵۱	۳ ۳۷	- ۴۳	۶ ۴۰
ایڈا ۱۰۰۰	- ۴۸	- ۴۷	- ۱۱	۱ ۵۴
گائے کا گوشت				
۱ کلوگرام	۱ ۱۵	۱ ۵۶	- ۴۰	۲ ۵۱
اکو ایکوگرام	- ۴	- ۶	- ۳	- ۱۴
مردانہ سوٹ ۱	۷۷ ۳۷	۴۵ ۲۷	۲۳ -	۴۷۵ -
مردانہ قمیص ۱	۷ ۱۹	۵ ۱۲	۱ ۳۵	۳۵ ۴۵

127. Hevesy, Paul De, "The Unification of the World"

Oxford, 1966, Appendix 11, p. 297.

۱۷	۳۷	۳۱	۴	۳۰	۱۱	۱۰	۱۷	مردان جو ہر ایک چوڑا تاخیون جلاب
۹	۷	۲۹	-	۸	۱	۲۲	۱	ایک چوڑا عورتوں کا لباس
-	۷۹	۲۸	۴	۲۰	۱۰	-	۱۱	ایک سوٹ عورتوں کا جوتا
۴۵	۵۲	۱۰	۵	-	۷	۵۵	۱۲	ایک چوڑا

اس جدول کے مطالعہ سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ تقریباً تنہا تمام اثاثے ضرورت کی تیاری پر دوس میں دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وقت اور محنت و کار ہو جاتی ہے اور جو اجرت مزدور کو ملتی ہے اس میں اس کے لیے ان چیزوں کا حصول کتنا دشوار ہوتا ہے۔

یہ ہے اشتراکی معیشت میں کارکردگی کی حیثیت۔ جس وقت اس کا موازنہ دنیا کے دوسرے ممالک سے کیا جاتا ہے، اس وقت صرف پیداوار کے کل حجم ہی کو دیکھنا کافی نہیں ہے، رفتار ترقی، پیداوار کے طویل المدت رجحان اور صنعت اور محنت کی پیدا آوری اور کارکردگی کا مطالعہ بھی ضروری ہے، اور جب ہم ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہیں تو اشتراکی معیشت۔ ۵۰ سال کے غیر منقطع تجربہ کے بعد بھی کوئی اعلیٰ معیار پیش کرنے میں ناکام نظر آتی ہے! اس صورت حال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک مرکزی منصوبہ بند معیشت

میں جس میں سارے وسائل پیداوار سرکاری تحویل میں لے لیے گئے ہوں اور سارے معاشی فیصلے ایک مرکز ہی ادارے کے ذریعے کئے جاتے ہوں وہ لچک، تغیر پذیری، اور مطابقت پذیری منہیں ہو سکتی جو معیار کارکردگی کو بڑھانے کے لیے ضروری ہے۔ روسی معیشت کے پچاس سال اس پیچیدگی کا کھلا ثبوت ہیں۔

روس کی معاشی ترقی میں اشتراکیت کا حصہ

اب تک ہم نے اس موضوع سے بحث کی ہے کہ اشتراکی تجربہ نے عملاً کیا کچھ حاصل کیا اور آیا اس کی کوئی امتیازی حیثیت ہے یا نہیں۔ حالات کا طیر جانب ولولہ مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ روس نے اشتراکیت کے تحت بلاشبہ ترقی کی ہے، لیکن یہ ترقی دنیا کے دوسرے ممالک کے تجربات سے جوہری اعتبار سے بہت مختلف نہیں ہے اور نتائج میں بھی کوئی غیر معمولی شان نہیں ہے لیکن اب ہم ایک اور بنیادی سوال اٹھانا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ حاصل کیا گیا ہے، کیا وہ اشتراکیت کا نتیجہ ہے، یا اس کے کچھ اور اسباب بھی ہیں۔ ہم اس سلسلہ کے ضروری نکات اہل نظر کے غور و فکر کے لیے پیش کرتے ہیں اور ان کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کی روشنی میں پورے معاملہ کا مطالعہ کریں۔

قدرتی وسائل کی بہتات

وہ کسی ملک کی معاشی ترقی کے مطالعہ میں سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے کہ اس کے پاس قدرتی وسائل اور محنت کی فراوانی ہے یا قلت۔ بلاشبہ شعوری کوشش، منصوبہ بندی اور قومی سعی و جہد کو بڑا اونسچا مقام حاصل ہے لیکن قدرتی وسائل کے فرق سے رفتار ترقی غیر معمولی طور پر متاثر ہو جاتی ہے۔

اس پہلو سے روس نہایت خوش نصیب ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ۲۳ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے مقابلہ میں امریکہ کا رقبہ جو مغربی ممالک میں سب سے بڑا ہے ۹۳ لاکھ مربع کلومیٹر اور چین کا رقبہ جو روس کے بعد سب سے بڑا ملک ہے ۹۵ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ بات صرف رقبہ کی نہیں، معدنی دولت کے اعتبار سے روس دنیا کے سارے ممالک کے مقابلہ میں زیادہ امیر ہے۔ قابل کاشت زمین اس کے پاس سب سے زیادہ ہے اور آبادی کے اعتبار سے بھی روس دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔ ۱۹۶۳ء میں اس کی آبادی ۲۲ کروڑ تھی۔ اسی طرح صنعتی ماحول کے اعتبار سے وہ دنیا کے تمام ممالک پر فوقیت رکھتا ہے۔ ان وسائل کو جو تجربہ جو حکومت اور جو نظام بھی استعمال کسے یہ اس کے خادموں ہوں گے۔ اشتراکیت کو اپنے تجربہ کے لیے ایک ایسا ملک ملا جو اس پہلو سے مفید ترین تھا۔ لیکن ایک دقیقہ نظر طالب علم کو قدرتی وسائل کی موزونی اور نظریہ اور نظام کی کارکردگی کے بائیک فرق کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

صنعتیت کا آغاز

(۱۱) روس میں اشتراکیت نے جس وقت اپنے کردار کا آغاز کیا ہے اس وقت وہ آج کے پسماندہ ممالک کی طرح ایک غریب، غیر صنعتی اور پسماندہ ملک نہ تھا۔

نسلے ایک اندازے کے مطابق دنیا کے کل کرکھ کے ذخائر کا ۵۰ فیصدی چھپنے والی دھاتوں کے ذخائر کا ۸۰ فیصدی، اور جنگلات کا ۳۰ فی صدی روس کے پاس ہے ملاحظہ ہو۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ یارپ کے دوسرے ممالک سے پیچھے تھا، یہ بھی صحیح ہے کہ وہاں سرمایہ داری اپنی پختگی کو نہیں پہنچی تھی۔ اور صنعتی انقلاب کا عمل ابھی مکمل نہیں ہوا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صنعتی ترقی وسط اسیویں صدی سے شروع ہو گئی تھی۔ ۱۸۹۰ کے قانون کی رو سے زمینداری اور جاگیر داری سے نہایت حاصل کر لی گئی تھی۔ اور صنعتی ترقی شروع ہو گئی تھی۔ ۱۹۱۳ میں روس صنعتی ممالک کے دائرہ میں داخل ہو گیا تھا۔ ۱۸۵۰ میں ریلوے لائن صرف ۵۰۰ کلومیٹر تھی لیکن ۱۹۱۳ تک یہ ۷۲ ہزار کلومیٹر ہو گئی تھی۔ لوہے کی پیداوار ۹۲ لاکھ ٹن سے تباہ ہو گئی۔ ٹینکائیٹری پیداوار ۱۲ لاکھ ٹن، کوئلہ کی ۳۰ لاکھ ٹن تھی۔ روئی کا زیر کاشت رقبہ صرف ۶ سال سے ساڑھے ۷ لاکھ ایکڑ سے ۱۲ لاکھ ایکڑ ہو گیا تھا۔ ۱۸۸۶ میں روس کی بیرونی تجارت ۱۶ لاکھ روپے طلائی روپے تھی۔ لیکن ۱۹۱۳ میں یہ ۱۲ ارب ۹۱ کروڑ روپے تھی۔ نیز ۱۹۱۳ میں برائیت کا ۳۰ فی صدی صنعتی اور نیم صنعتی مصنوعات پر مشتمل تھا۔ صنعتی پیداوار کے اعتبار سے روس ۱۹۱۳ میں دنیا میں پانچویں نمبر پر تھا۔ ۱۸۹۸-۱۹۱۳ کے درمیان ۱۵ سال میں صنعتی پیداوار میں ۱۰ فی صدی کا اضافہ ہوا تھا۔ ایک تخلیق کے مطابق

-
131. See : De Costa, *The Economic Progress of Russia*.
 op. cit. pp. 5-6 ; Buchamin and Ellis, *Approaches
 to Economic Development*, op. cit., pp. 190-193 ;
 Hevesy, *The Unification of the World* op. cit. p.

قبل اشتراکیت کے صنعتی دور میں قومی پیداوار میں سالانہ رفتار ترقی یہ تھی۔

۱۸۸۵-۱۸۸۹	۹-۱۰	فی صدی سالانہ
۱۸۹۰-۱۸۹۹	۸-۱۰۳	"
۱۸۹۰-۱۹۰۹	۱-۲۲	"
۱۹۱۳-۱۹۰۴	۹-۲۵	"

امریکی باہر معاشیات ہیری شووارز کا خیال ہے کہ ۸۹-۱۸۸۵ اور ۱۳-۱۹۰۴ کے درمیان پیداوار میں اوسط سالانہ اضافہ فی صدی سے زیادہ رہا ہے جو اس وقت کے امریکہ، برطانیہ اور جرمنی تینوں کی رفتار ترقی سے زیادہ تھا۔

اشتراک کی اہلی ظم اس معاشی پس منظر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ یہ باید کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ روس کی ساری معاشی ترقی اشتراکیت کی کامیابی کے بعد ہوئی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اشتراکیت کو ایک قیمتی اثاثہ ورثہ میں ملا، اور اس

132. Gerschenkron, Alexander. 'The Rate of Industrial Growth in Russia Since 1875', *Journal of Economic History*, Supplement VIP, 1947, pp. 149-46.

133. Schwartz, Hery, *Russia's Soviet Economy*
Prentice Hall, London, 1953, P. 6

نے اس نامکمل تعمیر پر مزید اضافہ کا کام انجام دیا۔ جو کچھ اشترکیت کے دور میں حاصل ہوا ہے اس کا اعتراف ضروری ہے، لیکن جس بنیاد پر اس نے کام شروع کیا اسے کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ اور جو کچھ اشترکیت سے پہلے حاصل کیا جاسکتا تھا اسے اشترکیت کے حساب میں کیسے جمع کیا جاسکتا ہے۔

ترقی کے امکانات

(iii) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہماندگی کے جہاں نقصانات ہیں، وہاں اس کے کچھ روشن پہلو بھی ہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ملک میں جس دور میں ہماندگی پائی جاتی ہے، اتنے ہی ترقی کے امکانات پوشیدہ ہیں ہماندگی سے پنھنگی کی طرف زیادہ تیز رفتاری سے جایا جاسکتا ہے، جب کہ پنھنگی کے حصول کے بعد رفتار ترقی کو تیز تر رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کی مثال پودے کی سی ہے۔ پودہ اپنی اصل قامت تک زیادہ تیز رفتاری سے پہنچنے لگا۔ لیکن ایک بار وہ قامت حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے بڑھنے کی رفتار کم ہوگی۔ جس طرح ایک بچہ بلوغ تک پہنچتے پہنچتے تیزی سے بڑھتا ہے اور اس کے بعد اس کے قد و قامت میں اضافہ نہیں ہوتا اور وہ ارتقاء کی دوسری راہیں تلاش کرتا ہے، اس طرح ایک ہماندہ معیشت کے لیے بھی ایک خاص دور میں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ مراحل ترقی طے کرنا ممکن ہوتا ہے۔ روس نے بھی اب تک پس ماندگی کے ان امکانات سے فائدہ اٹھایا ہے اور آئندہ اس کے لیے رفتار ترقی کو قائم رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔

(iv) اسی طرح معاشی دوڑ میں بعد میں شریک ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ مسلم

ٹیکنا بوجی سے وہ ملک پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جس راستے کو اوروں نے صدیوں میں طے کیا تھا اسے وہ برسوں میں طے کر سکتا ہے۔ وہ علم و تحقیق اور ایجاد و اختراع کے کچے پہلوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جہاں دوسروں نے شکر کریں کھائی تھیں ان مقامات سے پیشگی آگہی حاصل کر کے زیادہ آسانی سے راستے طے کر سکتا ہے۔ روس کو بھی یہ فائدہ حاصل رہا ہے اور اس کا سہرا اشتراکیت کے سر نہیں باندھا جاسکتا۔ ہر وہ ملک جو اس دوڑ میں شرکت کرتے گا اپنے پیش روؤں کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا اور جرمنی کی کارکردگی انگلستان سے بہتر تھی۔ جاپان نے ان مراحل کو اور بھی بیک رفتار می سے طے کیا۔ آج کے پچانوہ ممالک تازہ ترین مشینوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے پلانٹ لگا رہے ہیں۔ روس نے بھی اپنے دور کے دوسرے ترقی یافتہ ممالک سے پورا پورا استفادہ کیا اور ہر سفر کو از سر نو شروع نہیں کیا۔ یہ پہلو بھی ایسا ہے کہ اس سے حاصل کئے ہوئے فوائد کو اشتراکیت کے حساب میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔

(۷) اشتراکیت کے تحت جو معاشی ترقی ہوئی ہے اگر اس کے اسباب اور محرکات کا زیادہ گہرائی میں جا کر مطالعہ کیا جائے تو بڑے حیران کن نتائج سامنے آتے ہیں۔ روسی اشتراکیت نے معاشی ترقی کے میدان میں ان بنیادی اصولوں اور عوامل (Processes) سے کوئی بنیادی انحراف نہیں کیا جو سرمایہ دارانہ ممالک میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ خصوصیت سے پیداوار (Production) اور ترقیات (Development) کے دائروں میں اشتراکیت کا اپنا مخصوص

کا نام نہ بہت ہی محدود ہے۔ اشتراکیت نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا :
 (الف) معیشت کو ایک مرکزیت عطا کی اور اس مرکزیت میں ایک نظریہ کو کم از کم
 زبانی حد تک مرکزی اہمیت دی۔

اب، وسائل پیداوار میں سے بیشتر کو آہستہ آہستہ قومی ملکیت میں لے لیا۔
 (ج) تنظیمی (Organizational) اعتبار سے بنیادی تغیرات کئے اور ساری
 معاشی سرگرمی کو مرکزی منصوبہ کا پابند بنایا۔

(د) جو معاشی حکمت عملی (Strategy) اختیار کی وہ یہ تھی۔

و صنعت و تجارت اور بجاری کی قومی ملکیت
 و زراعت کو اجتماعی کاشت کے نظام میں منظم کرنا
 و منصوبہ بندی

و بجاری صنعت کو اولیت دینا اور پوری معیشت کو اس کی ترقی سے وابستہ
 کر دینا۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ ساری تبدیلیاں تنظیمی اور بہت ہی نوعیت
 (Structural) کی ہیں۔ لیکن ترقی کے لیے جو بنیادی عوامل اور اصول اختیار
 کیے گئے وہ سرمایہ دارانہ نظام کے طریقوں سے مختلف نہ تھے، جو فرق پڑا وہ
 صرف یہ تھا سرمایہ داری میں یہ کام بہت سے سرمایہ دار کرتے ہیں اور اشتراکیت
 میں ایک بہت بڑا سرمایہ دار، حالانکہ اشتراکیت کا دعویٰ تھا کہ علم معاشیات اشوک
 نظام میں ختم ہو جائے گا۔ ہم صرف چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ترقی کا سرمایہ دارانہ اسلوب

(۱) نظام سرمایہ داری میں، اور سرمایہ دارانہ معاشیات میں، ترقی کا بنیادی عامل سرمایہ کاری (Investment) کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کل پیداوار میں سے ایک قابل ذکر حصہ صرف سے بچایا جائے گا اور اسے سرمایہ کی شکل دے کر مزید پیداوار کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جتنا زیادہ سرمایہ ہوگا اتنی ہی تیز رفتاری سے ترقی کی جاسکے گی۔ بلاشبہ اور عالمین پیداوار بھی ہوں گے۔ لیکن سرمایہ کاری کی مقدار اور معاشی ترقی میں ایک مثبت ہم مطابقت (Positive correlation) ہے۔ اس لیے نظام سرمایہ داری میں عدم مصلحت کو پسند کیا جاتا ہے کہ یہ بہت اور سرمایہ کاری میں معاون ہوتی ہے۔ اجرتوں کو کم رکھنے کی کوشش ہوتی ہے تاکہ سرمایہ کاری کے لیے زیادہ وسائل بچ سکیں۔ عام مفروضہ کو بھی کچھ خاص حدود میں رکھنا پسند کیا جاتا ہے تاکہ صرف اور سرمایہ کاری کا توازن نہ بگڑے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود سرمایہ دار کو ان امور پر کئی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ مجبور ہوتا ہے کہ عوام کی خواہشات کا خیال رکھے۔ معاشی محرکات، سیاسی دباؤ، کانفرنسیں، سب اپنا اپنا حصہ ادا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ کوشش کے باوجود سرمایہ کاری کو ایک خاص حد سے زیادہ نہیں بڑھایا جاسکتا۔ صرف پر اس سے زیادہ گرفت سماجی بحران اور سیاسی خلفشار پیدا کر دیتی ہے۔ روس کی معیشت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترقی کا انحصار بھی سرمایہ کاری پر رہا ہے اور چونکہ وہاں حکومت کی گرفت عوام پر بہت سخت تھی، اس لیے سرمایہ کاری کا تناسب سرمایہ دارانہ ممالک سے بھی کہیں

زیادہ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم طلباء اشتراکیت کو روس اور دوسرے ممالک میں سرمایہ کاری اور کل پیداوار کے تناسب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔
۱۹۵۵ء میں صورت حال یہ تھی۔

ملک	کل قومی پیداوار	سرمایہ کاری کا تناسب
برطانیہ	۱۶-۳	فی صدی
فرانس	۱۸-۵	"
اٹلی	۱۹-۰۰	"
امریکہ	۲۰-۳	"

لگتے جیب ہم معاشی ترقیات کے مسئلہ پر ایک مسلمان کے ذہن سے غور کرتے ہیں تو ہمیں سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے اس تصور میں کہ سرمایہ کاری کتنا زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے ایک بنیادی سقم نظر آتا ہے۔ ان دونوں میں معاشی ترقی میں موثر اور کارفرما مال، سرمایہ ہے جب کہ ایک منصفانہ اور فلاحی معیشت میں اصل عامل، انسان، کو چھوڑنا چاہیے۔ نقطہ نظر کی اس غلطی کو ایک خاص حد تک اب مغرب کے کچھ معاشی مفکر بھی محسوس کرنے لگے ہیں اور اس وقت جو کلام انسانی سرمایہ کاری (Formation of human capital) کے موضوع پر چور رہا ہے وہ اس کا ثبوت ہے۔ لیکن یہ ماضی کے طریقے سے انحراف کی طرف صرف ایک قدم ہے۔ اب بھی تاجپے کے پیمانے غیر انسانی ہی ہیں۔ اصل تبدیلی اس انقلاب کے بغیر نہیں آسکتی جو اسلام لانا چاہتا ہے۔

۲۵-۳

روس

روس کے اشتراکی دور میں قومی دولت کا ۲۵ سے ۳۰ فی صدی سرمایہ کاری کے لیے صرف ہوا ہے۔ اگر سرمایہ کاری کے اعداد و شمار کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیداوار میں اضافہ کے اعداد و شمار سے بھی زیادہ متحرک ہیں۔ ۲۸-۱۹۱۸ء میں صرف ارب ۱۴۴ روپل دسٹے کی سرمایہ کاری ملتی ہے۔ ان دس سالوں کے مقابلہ میں پہلے پنچالہ منصوبہ کے ۵ سال میں ۴۸ ارب روپل بطور سرمایہ لگانے گئے۔ دوسرے پنچالہ منصوبے کے دوران یہ مقدار ۸۰ ارب روپل ہو گئی۔ تیسرے منصوبے کے دوران یہ رقم ۱۷۰ ارب روپل تھی۔ واضح رہے کہ جنگ کی وجہ سے اس منصوبہ پر صرف تین سال کام ہو سکا تھا۔ جنگ کے زمانے ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء سرمایہ کاری ۱۷۰ ارب روپل تھی۔ اس کے بعد کی کیفیت یہ رہی ہے۔

۵۰-۱۹۴۶ء	۴۲۰ ارب روپل
۵۵-۱۹۵۱ء	۷۹۰
۱۹۵۶ء	۲۲۰۹
۱۹۵۷ء	۲۵۰۸
۱۹۵۸ء	۳۰۰۰
۱۹۵۹ء	۳۲۰۰
۱۹۶۰ء	۳۶۰۷

یہ تمام اعداد و شمار روس کے مرکزی شعبہ شماریات نے ۱۹۶۲ء میں جاری کیے

تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ روس میں اشتراکی دور میں ۲۲-۲۳ ارب روپل کی سرمایہ کاری ہو چکی ہے۔ ۶۰-۱۹۵۱ کے درمیان روس میں سرمایہ کاری میں اضافہ ۲۳۱ فی صدی کا ہوا جبکہ اسی زمانہ میں امریکہ میں اضافہ ۲۱ فیصدی برطانیہ میں ۶۴ فی صدی اور فرانس میں ۶۳ فی صدی کا تھا۔ اگر سرمایہ کاری میں اس اضافہ اور پیداوار کے اضافہ کو ساتھ ساتھ دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ روس کی ترقی کی رفتار سرمایہ کاری کی مناسبت سے سست رہی ہے

اور

• اشتراکیت کی ترقی بھی انہی بنیادی معاشی قوتوں کی رہی منت ہے جن کی سرمایہ دارانہ ممالک کی ترقی۔

(۲) مغربی ممالک کی معاشی ترقیات میں ایک اور بڑا اہم عامل معاشی نفع کا محرک رہا ہے۔ اشتراکیت کا دعویٰ تھا کہ وہ ذاتی نفع و نقصان کے محرکات کو ختم کر دے گی اور سماجی محرکات (Social incentives) کے ذریعہ معاشی زندگی کا نانا بانا تیار کرے گی۔ لیکن پہلے تیس سال کے تجربے نے اس اصول کے غیر حتمی ہونے کو ثابت کر دیا۔ ۱۹۳۱ء سے اجرتوں کے فرق اور معاشی محرک کے اصول کو عملہ اختیار کر لیا گیا لیکن پہلے دس سال کچھ شرم و جھجک باقی تھی اس لیے مساوات کو مقصد مندر قرار دیا گیا۔ اور ۱۹۴۱ء سے اسے بحیثیت ایک اصول بھی ترک کر دیا گیا۔ اور اس وقت سے آج تک عدم مساوات اور دوسرے معاشی محرکات

کو کھلے بندوں، زندگی کی ہر سطح پر استعمال کیا گیا ہے۔ اپنی روح کے اعتبار سے یہ وہی اصول ہے جسے سرمایہ داری نے استعمال کیا ہے اور جس کے سہارے اس کی ساری روحی قائم ہے۔

اجرتوں میں تفاوت

سب سے پہلے اسٹالن نے یہ آواز بلند کی کہ اشتراکیت مساوات کی طلبہ دار نہیں ہے اور جو لوگ یہ نعرہ بلند کرتے ہیں وہ مارکسزم کے دشمن ہیں۔ اس نے کہا "مارکسزم مساوات پر مبنی کا دشمن ہے۔" ^{۱۳۶} میکویان نے ایک انٹرویو میں عدم مساوات اور معاشی محرک کے احیاء کا پورا فلسفہ بیان کیا ہے۔

"یہ فرق بالکل فطری ہے اس لیے کہ ایک زرعی معیشت کو تربیت یافتہ ماہرین اور پرستے کھے طبقہ کی تشکیل کرنا تھی۔ اہل افراد کے جہد و جد کرنے اور سیکھنے اور ابھرنے کے لیے بڑے تفاوت (Big gap) کی ضرورت ہے۔ یہ مزدوری بھی تھا اور میج بھی تھا۔ دوسری جنگ کے بعد یہ فرق اور بھی بڑھا۔ دوسری جنگ اور اس کے فوراً بعد کارخانوں اور فیکٹریوں نے ان کاموں کے لیے جن کے لیے عام طور پر آدمی نہ ملتے تھے بڑے اُونچے اُونچے معاوضے کئے۔ ہماری صنعت میں انہوں نے ٹاکٹروں، تربیت یافتہ کارکنوں اور

136. Stalin, J., *Problems of Leninism*, Moscow, 1945, p. 503.

انجیریوں کی تنخواہیں بہت بڑھادیں۔^{۱۳۷}

خود شیفت نے بھی اس پالیسی کا بڑا اعلان کیا ہے۔ اس نے ۵ مئی ۱۹۶۰ کو پیرام سویٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

”ہم اجرتوں میں فرق کو مسئلے کی ہر تحریک کے سختی سے مخالفت ہیں۔

ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کو ایک سطح پر لانے کے کھلے

بندوں مخالف ہیں۔ یہ لیبن کی تعلیم ہے، اس لیے کہ اس کی تعلیم یہ

تھی کہ سوشلسٹ سماج میں مادی محرکات کا پورا لحاظ کیا جاتے گا۔^{۱۳۸}

اس کا نتیجہ ہے کہ اشتراکی دوس میں عدم مساوات اور اس کے فرق کے تقریباً

اصول کا دفرہا ہیں جو سرمایہ دارانہ سماج میں ہیں۔^{۱۳۹}

137. Perlo, Victor, *How the Soviet Economy Work*

An Interview with A. I. Mikoyan, p. 43.

۱۳۷۔ بحوالہ سویٹ ورلڈ صفحہ ۲۴۶۔ خود شیفت صاحب شاید یہ سمجھ لگے کہ لیبنی

نے اسٹیٹ اینڈریو ویویشن میں برعکس کہا تھا کہ اشتراکی سماج میں اجرتوں میں مساوات

ہوگی اور دوسری ٹریڈ یونین کانفرنس منعقدہ جنوری ۱۹۶۱ء کے موقع پر کہا گیا تھا کہ

اجرتوں کا زیادہ سے زیادہ فرق ۱:۵ اور ۱:۱۰ کا ہوگا۔ یہ ادبات ہے کہ بڑے اقدار

اگر اور ۲۰ سال کے ناکام تجربات کے بعد نئی معاشی پالیسی میں اسے اجرتوں کے

عدم مساوات اور معاشی محرکات کے اصول کو بحال کرنا پڑا۔

۱۳۸۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Bergson Abram, *The Structure of Soviet Wages*,
Harvard University Press Cambridge Mass 1946
p. 208.

ایک مشترکہ اہل علم ایم۔ وائی یون نے ۱۹۳۷ء میں فرق کی یہ کیفیت بیان کی تھی۔

عام مزدور	۱۱۰ سے ۲۰۰ روپل ماہانہ عموماً ۱۵۰-۱۳۵
دریائے انسر	۳۰۰ سے ۱۰۰۰ " "
اوپر کے انسر	۱۵۰۰ سے ۱۰۰۰۰ روپل
چوٹی کے لوگ	۲۰۰۰۰ سے ۳۰۰۰۰ روپل ماہانہ
روسپی پرپے	کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں ایک کان
(Donet Basin Mine)	میں جس میں ۱۵۳۵ افراد ملازم تھے کیفیت
یہ تھی۔	

۱۰۰۰ افراد	۱۲۵ روپل ماہانہ
۴۰۰ " "	۵۰۰ سے ۸۰۰ " "
۷۵ " "	۸۰۰ سے ۱۰۰۰ " "
۶۰ " "	۱۰۰۰ سے ۲۵۰۰۰ " "

اناطولے شہر کے اکتوبر ۱۹۳۶ء کے ایک مطالعہ کی روشنی میں یہ نتائج بیان

140. Yuon, M L'Urss, Telle Quelle ert. p. 215-18.

Vide, Yu Tang, Lin, "The Secret Name", op.cit.,
p. 131.

141. Trud, January 20, 1936.

کئے تھے کہ کل تنخواہ پانے والوں میں سے صرف ۲ فی صدی کو ۵۰۰ روپل یا اس سے زیادہ ملے ہیں اور ۷۷ فی صدی وہ ہیں جن کو ۲۴ روپل سے کم ملے ہیں ان میں سے ایک تہائی وہ ہیں جن کو ۱۲ روپل سے کم ملے ہیں۔^{۱۴۲}

ڈائرکٹر فنڈ ایک مستقل فنڈ ہے جس میں کل پلان کے حاصلات کا ہر فیصدی اور پلان سے زیادہ پیداوار پر آمدنی کا ۵ فی صدی جبا کی ہے۔ حنا رکو (Kharkov) کے علاقہ میں اس فنڈ کی تقسیم اس طرح تھی۔ ڈائرکٹر کا حصہ ۲۶-۶ فی صدی ۱۹۳۶ء۔ مطالعہ کے وقت ایک سال میں یہ حصہ ۲۲ ہزار روپل تھا، پارٹی سیکرٹری کا حصہ ۹-۶ فی صدی یعنی اس وقت ۹۰ ہزار، پیداواری آفس کا سربراہ ۳-۳ فی صدی اشتغالی عملہ کا سربراہ ۱۰ فی صدی، یونیوں کا سربراہ ۶ فی صدی باقی تمام مزدور ۸ فی صدی۔^{۱۴۳}

روسی فوج میں ۱۹۳۲ء میں ایک سپاہی کو صرف ۱۰ روپل ملے تھے جبکہ انٹینٹ کو ۱۰۰ روپل اور کرنل کو ۲۴ روپل ملے تھے۔^{۱۴۴} لیون سیدو لکھتا ہے کہ

”مشاہد ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدور کی انجرتوں میں اتنا تفاوت ہو جتنا روس میں ہے۔“

142. Shub. Anatole, *Labour in the Soviet Orbit*, p. 24.

143. Lin Yu Tang, *The Secret Name* p. 134

144. *The Economist*, London, July, 3, 1943.

میڈو نے مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ عام اداروں میں فرق ایک اور ۲ کا ہے اور اگر تربیت یافتہ انجنیر اور اعلیٰ حکام کو لیا جائے تو ایک اور ۸ اور ایک اور ۱۰ کا ہے۔

اسٹیفونووا اسٹ تحریک عدم مساوات کو مستحکم کرنے کا ایک ذریعہ ثابت ہوئی۔ اجرتوں میں فرق ایک اور تیس سے لے کر ایک اور ستر تک بڑھنا چاہئے۔ چیت انجنیروں اور منتظر کے معاوضوں کو لیا جائے تو فرق ایک اور ۳ تک کا پایا جاتا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں روس کے اخبارات میں پہلے اشتراکی بلکہ پرولتاریہ لکھ پتی (Proletarian millionaire) کی وصولی اور یہ اعزاز ایک کھیت کے سربراہ کامریڈ ایف بی کوٹ (Berdychkov) کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد سے ایسے ایسے لکھ پتیوں کی تعداد میں برابر اضافہ چھڑ رہا ہے۔ ایک نام نگار نے ۱۹۵۲ء میں لکھا تھا کہ سویت جمہوریت کامرس کے صدر کو ۱۹ ہزار روپل ملتا ہے جس میں جبکہ وزیر کی تنخواہ ۲۰ ہزار روپل اور اکیڈمی آف سائنسز کے صدر کی تنخواہ ۳۰ ہزار روپل ملتا ہے۔ کوئی اہم ایسیاہ کرنے والے کو ۲۰ ہزار روپل ملتا

145. New International, February 1936.

146. Koesler, Arther, *The Yogi and the Commissar*, Jonathan Cape, London, 1947, p. 163.

147. *Economic Weekly*, Delhi vide, Banerji, Jayanta. *Aspects of Soviet Economy*, Calcutta, 1954 p. 21

ہیں اور جو لوگ اسٹالن پر اتار حاصل کرتے ہیں ان کو ۲ لاکھ روپیہ انعام ملتا ہے۔ یہ سب آخر کیا ہے؟ جس وقت تک اس خالص سرمایہ دارانہ اصول کو استعمال نہ کیا گیا معاشی ترقی رونما نہ ہو سکی۔ روس پر چین کا ایک بنیادی الزام یہ بھی ہے کہ اس کی ترقی اشتراکیت کے بنیادی اصولوں کی مرچوں منت نہیں ہے بلکہ اس نے ان سے انحراف کیا ہے۔ پکنگ ریویو لکھتا ہے۔

”روس کے محرک کی پالیسی کے نتیجہ میں آمدنیوں میں تفاوت۔ ایک طرف عام مزدوروں، کسانوں اور پرشے سکے طبقے کی آمدنیاں اور دوسری طرف ایک اقلیت کی، خوش نصیبوں کے ایک گروہ کی۔ ان دونوں میں فرق بڑھ رہا ہے کم نہیں ہوا ہے۔ صاحبانہ طبقہ کے لوگوں کی تنخواہیں عام مزدور اور کسانوں کی آمدنی سے ۱۰۰ گنا زیادہ تک ہیں۔“

امریکہ کے بارے میں روسی اعداد و شمار یہ ہیں کہ وہاں فرق ایک اور اکتیس (۳۱) کا ہے۔ روسی سرکاری اعداد و شمار کے مطابق وہاں صرف ماہانہ تنخواہوں میں ایک اور تیس (۳۰) کا فرق موجود ہے اور بونس اور دوسری آمدنیاں شامل کرنے کے بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔^{۱۴۹} ڈی کوٹا نے جو

148. "On Khrushchev's Phoney Communism" Peking Review, Peking, July 17, 1964, pp. 14-15.

149. See, *Economic Systems in Action*, op. cit., pp. 133-136.

۱۵۰۔ اعداد و شمار دیتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ روس میں آمدنی کا ۵ فیصدی آبادی کے اوپر کے ۱۱ یا ۱۲ فیصدی کو جاتا ہے جبکہ امریکہ میں اوپر کے ۱۰ فیصدی آبادی کا حصہ ۳۵ فی صدی سے زیادہ نہیں ہے۔ اشتراکیت میں پایا جانے والا تفاوت حیران کن ہے۔ جیسی تو جارج آرول نے کہا تھا کہ شبِ بانور برابر ہوتے ہیں لیکن کچھ بانور کچھ زیادہ ہی برابر ہوتے ہیں۔ اعلیٰ برطانوی سوشلسٹ ڈگلس جے نے لکھا ہے کہ

”اُس وقت روسی سماج میں حقیقی آمدنی (کمائی ہوئی) میں ٹیکس کے بعد اوپر اور نیچے کی سطحوں میں فرقِ برطانیہ اور اسکاٹڈی نیویارک کے ممالک سے زیادہ اور اغلباً امریکہ میں پائے جانے والے تفاوت کے برابر ہے۔“

یہی وہ بات ہے جسے رڈنی اور پریٹس ویجنے بھی تفصیل سے بیان کیا تھا۔

150. De Coste, *The Economic Progress in Russia*, op. cit., p. 68.

151. Orwell, George, *The Animal Farm*.

152. Jay, Douglas, *Socialism in the New Soviet*. Longmans, London, 1962, p. 16-see also pp. 17-18.

153. Webb, *Soviet Communism: A New Civilization*. op. cit., pp. 966-67.

اس کا انکار کسی بڑے سے بڑے نقاد کے لیے ممکن نہیں۔

پھر اس عدم مساوات کے بھی متعدد پہلو ہیں۔

داع، زرعی آبادی اور شہری آبادی کے درمیان عدم مساوات۔ سارا نظام صنعتی

شہری آبادی کے حق میں اور دیہی آبادی کے خلاف ہے جو آبادی کا ۵۰

فیصدی کے قریب ہے۔

(ب) مختلف علاقوں کے درمیان تفاوت۔

(۱) روس کی قومیتوں میں، روسی اور غیر روسی کے درمیان فرق۔

(۲) مختلف گروہوں اور کام کرنے والوں کے درمیان خدیہ فرق۔

(۳) بالکل بلا محنت کمانے والے افراد کے لیے نہ صرف یہ کہ دروازہ کھل گیا ہے بلکہ

وہ بڑی رقمیں کما رہے ہیں۔

آمدنیوں کی عدم مساوات کو دور کرنے والی چیز انکم ٹیکس ہے۔ یکس وہ روس

میں غیر موثر ہے۔ بد میں ڈوب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ روس میں انکم ٹیکس

کا آمدنیوں کی عدم مساوات پر بہت ہی معمولی اثر پڑتا ہے۔ ^۱ زیادہ سے

زیادہ شرح ٹیکس ۱۳ فی صدی سالانہ ہے۔ اس طرح جمی کی آمدنیاں زیادہ ہیں وہ

ٹیکس کے اثر سے بچ جاتے ہیں جب کہ اشیائے صرف پر غیر معمولی ٹیکس ہیں اور

ان کا سارا بار عوام پر پڑتا ہے۔ اسی لیے روس کے مابین آنی نظام کو تمام محققین

رجحی کہتے ہیں۔

دوسری چیز جو عدم مساوات کے بڑے اثرات کو کم کر سکتی تھی۔ راشننگ ہے۔ جنگ کے بعد اس نظام کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا گیا اور اب ہر شخص کو ایک ہی بلڈر سے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنا پڑتی ہیں۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پہلے دو قسم کی قیمتیں جوتی تھیں، کم اُجرت والے لوگوں کے لیے کم قیمتیں اور باقی لوگوں کے لیے زیادہ۔ لیکن سرکاری قیمتوں کو اب ختم کر دیا گیا ہے۔

عدم مساوات کو کم کرنے والی چیز تعلیم بھی ہے۔ تعلیم روس میں مفت ہے اور اسے بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دوسری جنگ کے بعد کچھ خاص شعبوں میں تعلیم پر فیس بھی لگا دی گئی۔ اور اس طرح یہ دروازہ بھی اب بند چھو رہا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں ۲۵ اکتوبر، یہ فیس عائد کی گئی تھیں۔ اس کے نتیجے میں ایک ماہ کے اندر اندر لاکھوں طلباء اسکول چھوڑنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ فیس نہیں دے سکتے تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں جہاں محنت کرنے والوں مزدوروں کی اولاد برابر کم جاب بھی ہے اور اُونچے طبقے کے لوگوں کی اولاد برابر اعلیٰ جاب بھی ہے۔ مزدوروں کی اولاد کے داخلوں میں کمی کی رفتار یہ ہے۔

۱۹۳۲ء	۱۹۳۵ء	۱۹۳۸ء
۳۰-۵ فیصدی	۲۵-۱۵ فیصدی	۲۳-۹ فیصدی
۵-۱۴	۳۱-۴	۲۴-۱

صنعتی کالجوں میں داخلہ لینے والوں کی تعداد کا نام۔ ۴۵ فی صدی انتظامیہ اور ماہرین کے ٹکے تھے۔ ملٹری اکیڈمیوں میں اُنہیں بطورے کے لوگوں کو داخلہ کی سہولتیں حاصل ہیں جسے یہ تمام حقائق عدم مساوات کی بڑی تکلیف دہ صورت حال کو سامنے لاتے ہیں۔

یہاں بھی صاف نظر آتا ہے کہ روس کی ترقی میں اشتراکیت سے زیادہ حد معاشی محرکات کے چابک دستی کے ساتھ استعمال کو حاصل رہا ہے۔

کسانوں اور مزدوروں کا استحصال

(۳) سرمایہ داری میں معاشی ترقی کے حصول کے لیے ایک اور حربہ یہ استعمال کیا گیا کہ ایک مدت تک مزدور کو اس کے حق سے محروم رکھا گیا۔ مزدوروں سے بیکار لی گئی، اوقات کار نہایت طویل رکھے گئے، ان سے زبردستی کام لیا جاتا تھا، بچوں اور عورتوں تک سے مزدوری لی جاتی تھی، تنظیم بندی کی راہ میں دکاویاں ڈالی جاتی تھیں۔ اجرتیں کم رکھی جاتی تھیں اور اس طرح مزدور کی قیمت پر معاشی ترقی کا سامان کیا گیا تھا۔ اشتراکیت نے بھی بالکل یہی راستہ اختیار کیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ مزدور کے ساتھ ساتھ اس نے کسان کا استحصال بھی کیا اور مزدور سے کچھ زیادہ کیا اور اس تمدنی کے ساتھ کہ یہ سب کچھ بیسویں صدی میں کیا اور مزدور کے نام پر کیا۔ حقائق صاف بتاتے ہیں کہ جس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں معاشی ترقی کا انحصار استحصال (Exploitation) پر رہا ہے، اسی طرح اشتراکیت

میں بھی رہا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ گزشتہ ۵۰ سال سے روس میں کسانوں کو ان کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اور ان کے گرم خوں سے دوا پیش کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ معاشی ترقی کے لیے کثیر وسائل زراعت سے منتقل کئے گئے ہیں اور زراعت کے سنوارنے اور کسانوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوئی مساوی کوشش نہیں ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک اجتماعی فارم سے کل پیداوار کا ۳۱ فی صدی ریاست کے لیے لے لیا جاتا ہے اور ۲۷ فی صدی ریاست کو بیج اور پارہ وغیرہ کے نام پر لائڈا واپس کنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد کاشت کار کو جو حصہ ملتا ہے وہ کل مجموعی پیداوار کا صرف ۰.۹-۲۶ فیصدی ہے۔ اس طرح معاشی ترقی کے لیے کسانوں سے جبری طور پر وسائل حاصل کیے جاتے ہیں اور ان کو نہایت خراب سال میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

زراعت کی اجتماعییت بندی نے جو اصل کارنامہ انجام دیا وہ یہی تھا کہ پوری زراعت کو حکومت کی پالیسیوں کا تابع کر دیا اور ان وسائل کو جبری طور پر معاشی ترقی کے لیے استعمال کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ ماس ڈوب بھی اعتراف کرتا ہے کہ

”پچھلے پانچ سالہ منصوبہ کے سخت مشکل حالات میں زراعت کی اجتماعییت بندی نے جو کارنامہ انجام دیا وہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ

زرمعی پیداوار کا قابل فروخت زائدہ (Surplus) حاصل ہو گیا۔ یہ حصہ
غلہ اور آلہ کے سلسلہ میں ۹ سال قبل کے مقابلہ میں دوگنا تھا اور روٹی،
فلیکس اور آدن کے سلسلہ میں دو گنے سے بھی زیادہ^{۱۵۸}۔

یہ زائدہ اس وقت حاصل کیا جا رہا تھا جب کہ ان مہموں سے مراد ہے
تھے اور اسے مشینری درآمد کرنے کے لیے برآمد کیا جا رہا تھا۔^{۱۵۹} جس وقت
زرمعی پیداوار گر رہی تھی اور ملک میں تھکن کی کیفیت تھی، اس وقت، بقول
بے کوٹ، غلہ کی برآمد زوروں پر تھی۔^{۱۶۰}

۱۹۲۹	غلہ کی برآمد	کل فصل کا حصہ
۱۹۲۹	۲-۲۱	فی صدی
۱۹۳۰	۶-۳۱	"
۱۹۳۱	۲-۳۵	"
۱۹۳۲	۵-۲۲	"

یہ تنازعہ استحصالی ڈھب جو روس کی ترقی کا ذمہ دار تھا۔ ان حالات کو دیکھتے
اور پھر اٹھارویں انیسویں صدی کے انگلستان کے کانوں اور مزدوروں کے حالات
کو پڑھئے۔ آپ کو دونوں میں بڑی مماثلت ملے گی!

158. Dobb, Soviet Economic Development Since 1917, p. 247.

^{۱۵۹} اس کا اعتراف خود تسلیم بھی کر چکا ہے۔ حماد پہلے دیا جا چکا ہے۔

160. Baykov, A., Soviet Economic System, p. 76.

پھر حکومت کاشت کاروں سے جس قیمت پر زرعی پیداوار خریدتی ہے وہ کم رکھی گئی ہیں۔ جب کہ وہ اشیا نے صرف جو کاشت کار استعمال کرتا ہے بہت مہنگی ہیں اور ان پر بکری ٹیکس (Sales tax) بھی لگایا گیا ہے۔ یہ بکری ٹیکس قومی مالیات کا تقریباً ۵ فیصد ہی فراہم کرتا ہے اور اس کا سارا بار کسان اور عام صارفین پر، جن میں مزدور بھی شامل ہے، پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس کا معیار زندگی بہت اور مزدوروں اور کسانوں کے معاملات زندگی غیر تسلی بخش ہیں۔ بلکہ جیسا کہ ہم آئندہ دیکھیں گے ان کی حقیقی آمدنی میں اضافہ کی بجائے کمی واقع ہوتی ہے۔

جبری محنت اور بیگار

اس معاشی ترقی کے لیے مزدوروں کو جو قیمت دینی پڑی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی اُجرتیں قیمتوں کے مقابلہ میں کم رہی ہیں، معاملات کاران کے ناموافق ہیں، آزاد تنظیم بندی کے حق سے انہیں دست بردار ہونا پڑا ہے، ٹریڈ یونین تنظیمات کے دست و بازو ہیں گئی ہیں اور مزدوروں کے حقوق کے لیے جدوجہد ختم ہو گئی ہے، آٹا دی روزگار باقی نہیں رہی ہے، ایک کاروبار کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرنے پر مختلف قسم کی پابندیاں ہیں، کھیتوں میں بچوں سے ذمہ داری کم لیا جاتا ہے بلکہ قانونی طور پر ۱۲ سال تک کے بچوں کی محنت کو استعمال کرنے کی اجازت موجود ہے۔ اور کم از کم ۱۹۵۵ تک جبری محنت کا نظام جاری رہا ہے جس کے تحت سیاسی قیدیوں کی فوج ظفر موج سے سخت ترین محنت لی گئی اور کم سے کم صرف پر لی گئی۔ ہم اس سے پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جبری محنت کی

کی کیفیت تھی یہاں صرف روس کے ملکی قانون سے دو ایک اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس طرح جبری محنت کو نظام پیداوار کا ایک جز بنایا گیا اور اسے معاشی ترقی کے ایک وسیلہ کی حیثیت سے استعمال کیا گیا۔ جہاں سے سامنے ماسکو کا مطبوعہ قانون تعزیرات کا مجموعہ ہے۔ اس کی دفعہ ۲۰ میں لکھا ہے۔

”سماجی دفاع کے عدالتی طریقوں میں یہ شامل ہیں۔۔۔۔۔ وہ آزاد کی

سے محروم کر کے روس کے دور دراز علاقوں (Remote areas

of U.S.S.R.) میں قائم اصلاحی محنت کے کمپوں میں بھیجا۔“

اس دفعہ کے نیچے ایک فٹ نوٹ میں یہ صراحت موجود ہے کہ انڈوسے
 ماضی میں استقبال ہونے والی اصطلاح ”جبری محنت“ کی جگہ اصلاحی محنت“
 (Corrective labour) کا لفظ استعمال کیا جائے اور قانون میں جہاں جہاں
 ”جبری محنت“ کا لفظ ہوا اسے ”اصلاحی محنت“ سے بدل لیا جائے!
 ان ”اصلاحی محنت“ کے کمپوں کی نگرانی خفیہ پولیس کے محکمہ کے پاس تھی۔“

158. Criminal Code of the Russian Soviet Federated

Socialist Republic, State Publishing House

Juridical Literature, Moscow, 1950.

۱۵۹ دیکھنے والی تھیلے سے باہر آگئی ہے! ”اصلاحی محنت“ دراصل ”جبری محنت“ کا نیا نام ہے۔
 ۱۶۰ فرمان نمبر ۱۹۰۳۹، ۱۹ جولائی ۱۹۴۴ء اور فرمان نمبر ۱۱۶۸۱، ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء ان قوانین
 کا متن حکومت کے شائع کردہ مجموعہ ”The Collection of Laws of the

Government of the U.S.S.R.“ میں موجود ہے۔

اور ریاست کے منصوبہ میں ۱۹۴۱ء کے بجٹ کی رو سے خفیہ پولیس کی ذمہ داری
تھی کہ ۹ ارب روپے دہرانے کی مالیت کی معاشی پیداوار حاصل کرے۔ یہ حصہ
کل بجٹ کا ۱۴ فی صدی ہوتا ہے۔ سرکاری منصوبہ برائے ۱۹۴۱ء میں جو خفیہ خفیہ
نمبر ۱۲ میں شائع ہوا ہے۔ ساتھ میں نمبر پر N.K.V.D. (خفیہ پولیس
کا ادارہ جو مرکزی وزارت داخلہ کے تحت تھا) کے ذمہ ۹ ارب ۴۴ کروڑ روپے کی
تعمیرات اور پیداوار مندرج ہیں: **پہلے** پر خفیہ نادوم جاسنی کا تخمینہ ہے کہ ۱۹۴۱ء
میں ان کمپوں میں ۲۵ لاکھ سے ۲۵ لاکھ افراد تھے۔
اس طرح روس کو دنیا کی سستی ترین محنت حاصل رہی ہے اور اس سے

تیس واضح رہے کہ ان اصلاحی کمپوں کی پیداوار کے منصوبہ کی جو تفصیل وہاں دی
گئی وہ یہ ہے۔

- کروم کی پیداوار ایک لاکھ ۵ ہزار میٹرک ٹن صنعت کی پیداوار کا ۵-۱۰ فی صدی،
- کوئلہ ۲۵ لاکھ ۲۵ میٹرک ٹن کل ۵-۱۰ فی صدی،
- تہمتی اور جلانے کی لکڑی ۳ کروڑ ۴۰ لاکھ ہزار کیوبک میٹر کل کی ۱۰-۱۵ فی صدی،
- تہمتی لکڑی کی تریل ۵ کروڑ ۵ لاکھ ۹۰ ہزار کیوبک میٹر
جہازوں کے لیے

- فرنیچر ۸ کروڑ ۹۳ لاکھ روپے (۴۹-۵۴ فی صدی)
- چمچے کے بجائے ایک کروڑ ۴۰ لاکھ جوڑے (۲۰-۲۱ فی صدی)
- ٹائیاں ایک کروڑ ۵ لاکھ (۲۲-۲۸ فی صدی)

وہ اپنی معاشی ترقی کی دیواریں بلند کرتا رہا ہے۔ ایک قیدی پر جو خرچ آتا تھا وہ عام مزدور کی مزدوری کا ایک تہائی تھا۔ اتنی کم لاگت پر معاشی پیداوار کا رنگ نہ نکھرے تو کیا ہو؟

اس طرح اشتراکیت نے نہ صرف یہ کہ سرمایہ داری کی طرح استحصال کو ذریعہ ترقی بنایا بلکہ سماجی محرکات کی جگہ ان دونوں قسم کے محرکات کو استعمال کیا جو سرمایہ داری میں کئے جاتے ہیں۔ یعنی ذاتی نفع اور اجرت کی عدم مساوات اور فقر و فاقہ کا خلو اور چیز بیڑنی امداد

۴ سرمایہ دارانہ ممالک کی ترقی میں استحصال کا ایک یہ پہلو بھی نمایاں رہا ہے کہ انہوں نے اپنی ترقی کی خاطر دوسری قوموں کو لوٹا ہے اور ان کی دولت سے اپنے بام و در کی رونق بڑھائی ہے۔ اس پہلو سے بھی روس کی معاشی ترقی اور سرمایہ دارانہ ممالک کی راہ ترقی میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔

روس کی معاشی ترقی میں دوسرے ممالک کا تعاون اور ان سے حاصل کیے ہوئے وسائل اور افراد کار کا حصہ بھی رہا ہے اور دوسروں کی دولت کے جبری حصول کا بھی۔ یعنی سرمایہ داری کی ترقی میں جو حصہ سامراج اور تجارت میں سامراجی طریقوں نے ادا کیا ہے۔ روس کی ترقی میں بھی اس استحصال نے تقریباً وہی حصہ ادا کیا ہے۔

دلت، بیرونی سرمایہ، فنی ماہرین اور پیداواری تکنیک سے جو فائدہ روس نے اٹھایا ہے اسے اشتراکیت کے کھاتہ میں جمع نہیں کیا جاسکتا، بلکہ خاص مارکسی نقطہ نظر سے اس کی حیثیت سرمایہ داری اور امپریلیزم سے تعاون

کی تھی۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ وہاں کی معاشی ترقی میں ان عوامل کا حصہ معمولی اور غیر موثر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دوسری جنگ تک روس کی صنعتی ترقی میں استعمال کی جانے والی مشینری مانجینگ کی معلومات اور اس کے ماہرین اور دوسرے مکنالوجی میں سے ایک پرستائی مغرب سے درآمد شدہ تھی۔^{۱۶۲} بھارتیہ، جرمنی اور خصوصیت سے امریکہ سے انجنیر اور فنی ماہرین بلاتے گئے اور غیر معمولی معاونوں پر بلاتے گئے۔^{۱۶۳} خود مدد میں ڈوبنے نے اعتراف کیا ہے کہ^{۱۶۴} پہلے منصوبے کے موقع پر نصف سے زیادہ فنی مہارت پر نااہل یا کم تربیت یافتہ افراد تھے اور جو بھی کچھ اہم مقامات تھے وہاں بیرونی ماہرین کام کر رہے تھے۔ برطانوی سوشلسٹ آر تھریسٹس نے تفصیل سے بتایا ہے کہ بیرونی ماہرین نے کتنا اہم کردار ادا کیا۔^{۱۶۵} بلاشبہ ان کی حیثیت جانشین

162. See, *Economic Systems in Action*, p. 140.

^{۱۶۳} ۹ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو حکومت روس اور جنرل ایکٹرک سپلائی کمپنی میں انجنیر اور ماہرین فراہم کرنے کا معاہدہ ہوا۔ ایسے ہی معاہدے دوسرے مغربی اداروں سے بھی ہوئے۔ کوئی فشر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ پہلے پنجمالہ منصوبہ کے دور میں روس میں فورڈ ذمہ اور ٹائیٹلر ذمہ کا زور زورہ تھا۔ علامہ جہ
جلد دوم۔

164. Dobb, *Soviet Economic Development Since 1917*.

165. Lewis, *Economic Survey*.

کے شٹروں (Mercenaries) کی حتیٰ لیکن ان کے بغیر خود اشتراکیت کی گاڑی اپنے اولین دور میں نہ چل پائی۔ اسٹالن نے ۱۹۳۰ء میں اس کا اعتراف اس انداز میں کیا تھا کہ

”ہم اس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتے کہ جہاں تک ٹیکنالوجی کا تعلق ہے ہم شاگرد ہیں، جرمنوں، فرانسیسیوں، انگریزوں، اطالویوں اور اولین اور مرکزی حیثیت سے امریکیوں کے“۔

حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی دور میں اس بیرونی مدد نے خاصا اہم حصہ ادا کیا ہے۔ اس اولین شریک کے بعد روس نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی، اس کا تعلیمی نظام اس درجہ ترقی کر گیا کہ اپنی ضرورت کے ماہرین تیار کرنے لگا اور سائنس کے دائرہ میں خصوصیت سے فلکیات اور برقیات کے کچھ میدانوں میں تو روس دوسرے مغربی ممالک سے، جو اس کے پیش رو تھے، آگے نکل گیا۔ اس کامیابی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کو ہونے کارہانے والے اسباب میں مغربی ممالک اور مغربی سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد خواہ وہ محب انسانیت کے جذبہ کے تحت ندی گئی ہو اور محض دولت کمانے کے لیے فراہم کی گئی ہو اس کو بھی ایک خاص مقام حاصل ہے۔

معاشی ترقی کے استعماری طریقے

یہ قہر مدد ہے جو ہر ملک دوسرے سے لیتا ہے اور اس طرح انسانیت کی مشترک میراث ہے اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن روس نے اس کے ساتھ ساتھ استعمار اور ظلم و زیادتی کے ذریعہ دوسروں سے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا

اور اس طرح معاشی ترقی کے استعماری طریقے کا استعمال کیا۔ اس سلسلے میں چارٹرڈ دو تین چیزوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

(ب) سب سے زیادہ ظلم کسانوں پر اور وہی آبادی پر ہوا۔ غضب یہ ہے کہ غوراک پیدا کرنے والے قاقوں مر رہے تھے اور بیرونی درآمدات کو بڑھانے کے لیے غلہ کو برآمد کیا جا رہا تھا۔ نئے ترقیات کے لیے مبادلہ خارجہ کمانے کا یہ بڑا ہی ظالمانہ طریقہ تھا۔ معاشی ترقیات کی سب سے زیادہ قیمت اپنی کھاد کرنی پڑی اور اس کے فوائد سے شہری آبادی مستفیع ہوتی رہی۔

تت بیکون کے فراہم کردہ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں جب فصل خراب تھی، اجتماعی کھیت بندی کی وجہ سے پیداوار بہت زیادہ گر گئی تھی اور بڑے پیمانے پر فاقہ کی نسبت انگلی تھی جس میں ۲۰ سے ۲۵ لاکھ افراد بھوک مرے، اس وقت غلہ کی کل پیداوار کا ۲۱ سے ۲۵ فی صدی (۱۹۳۰-۳۱ء) برآمد کیا جا رہا تھا۔ (بیکون صفحہ ۱۷۹)

۱۹۷۷ء ملان جیلاس (Milan Djilas) جو یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ پارٹی کا میکڈری جنرل اور وہاں کا نائب صدر تھا۔ اپنی کتاب The New Class میں لکھتا ہے کہ اس نئے طبقے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ مزدوروں کسان دونوں کا خون چرتا ہے، مزدور کے سلسلے میں حالت یہ ہے کہ اشتراکی نظام کی ایک لازمی اور دائمی خصوصیت جبری محنت ہے، (صفحہ ۱۰۹) مزدور اپنے کہ اس حالی میں پاتا ہے کہ اسے نہ صرف اپنی محنت دینا، بلکہ ان حالات میں دینا ہے جس پر اسے کوئی قابو حاصل نہیں۔

(ج) روس میں ۱۶ ریاستیں ہیں۔ ان میں سے سب ایک ہی معاشی حالت پر نہیں ہیں۔ اور نہ ہی سب کو ترقی کے مساوی مواقع حاصل رہے ہیں۔ ان میں سے چند ریاستوں کو، خصوصیت سے وسطی ایشیائی مسلمان اکثریت والی ریاستوں کو اور یوکرین کو استعمالی کاہن بنایا گیا۔ ان کے وسائل سے دوسرے علاقوں کو ترقی دی گئی۔ حال ہی میں یوکرین میں ریپبلک کے منصوبہ بندی کیشن نے اس پر سخت شکایت کی ہے کہ ان کے وسائل دوسروں کی ترقی کے لیے نادر و بطور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ منصوبہ بندی کیشن کے تحفیے کے مطابق یوکرین میں حاصل ہونے والے پکڑی ٹیکس اور پیداواری منافع سے تشکیل پانے والے سرمایہ کا ۸ فیصدی یوکرین سے منتقل کر دیا جاتا ہے اور روس کے دوسرے علاقوں مثلاً سائبیریا، کمانا خٹک وغیرہ پر صرف ہوتا ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ ان مقامات پر اس سرمایہ کاری کے مفید نتائج نہیں نکل رہے اور پیداوار میں اس رفتار سے اضافہ نہیں ہو رہا جتنا ان وسائل کے یوکرین میں صرف ہونے سے ہونا ہو گا۔ اس طرح یوکرین

اس لیے کہ وہ دوسرا اور بہتر تاجر (Employer) تلاش نہیں کر سکتا۔ (صفحہ ۱۳)

۱۰۔ اسی طرح کسان کی حالت بڑی خستہ ہے۔ اس نئے طبقہ نے کم آمدنی اور پیری فصل خرید کے ذریعہ کسٹوں کو لوٹا ہے۔ (صفحہ ۱۱۶) اس نئے طبقہ کو یہ گوارا نہ تھا کہ زمین کے سلسلہ میں اس کا کوئی بھی حوالیت ہو۔ اس نے دیہات اور زرعی کھیت پر بھی اپنا تسلط مستحکم کیا اور یہ نیا طبقہ کسٹوں کو غلام بنانے اور ان کی آمدنی میں سے بڑا حصہ ہڑپ کر جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ (صفحہ ۱۴)

کو بھی نقصان ہو رہا ہے اور بحیثیت مجموعی اور پورے ملک کو بھی۔^{۱۶۸}
اشتراکیت کا سامراجی جغرافیہ

اشتراکیت کے سامراجی جغرافیہ کا مطالعہ بڑا آسنگھیں کھولنے والا ہے۔ روس کے ۴ کروڑ ۲ لاکھ مربع میل رقبہ میں سے صرف ۶ لاکھ مربع میل وہ ہے جس پر روسی آباد ہیں۔ باقی ایک کروڑ ۲ لاکھ مربع میل کا علاقہ جو امریکہ کے کل رقبہ سے زیادہ ہے، غیر روسی علاقہ ہے اور اسے قوت اور فوج کشی کے ذریعہ روسی اقتدار کے تابع کیا گیا ہے۔ اس طرح روس کی کل آبادی ۲۲ کروڑ ۲ لاکھ میں سے صرف ۴ کروڑ لوگ روسی ہیں باقی ۱۸ کروڑ دوسری قوموں سے متعلق ہیں اور ان کو ان کے حق خود اختیاری سے محروم کیا جا رہا ہے۔^{۱۶۹} ان ۱۸ کروڑ میں سے مسلمانوں کے بارے میں جو اندازہ ہے پائے جاتے ہیں وہ ۲۲ کروڑ سے ۴ کروڑ تک کے ہیں۔ یہ تمام علاقے اور یہ تمام افراد روس کی معاشی تعمیر کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ جس طرح یورپ کی سامراجی طاقتوں نے اپنے اپنے دور میں دوسروں کی محنت اور ان کی دولت سے اپنے درو دیار کی رونق بڑھائی یہی طریقہ روس کا بھی ہے۔ سامراجی استحصال دونوں

168. *The American Economic Review*, Sept. 1964, p. 801.

169. Hevesay, *The Unification of the World*, op. cit., p. 106-7; also see: King-Hall, *The Communist Conspiracy*, op. cit., pp. 76-80; Kolarz, *Victor Communism and Colonialism*.

کی معاشی ترقی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ اس سلسلہ میں کھلی کھلی لوٹ کھسوٹ بھی کی گئی ہے۔ جنگ میں مغتور ممالک سے تادان جنگ بھی وصول کیا گیا ہے اور تجارت میں اپنے زیر اثر ممالک کی اشیاء سستے داموں پر خریدی گئی ہیں اور اپنی مصنوعات ان کی منڈیوں میں عام ہیں الاقوامی قیمتوں کے مقابلے میں زیادہ مہنگی فروخت کی گئی ہیں۔ ہم صرف چند اہم چیزوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ روس میں خالص جمہوریہ روس کے سوا سب دوسری قومیں آباد ہیں انہیں معاشی ضرورتوں کے تحت خالص استعماری انداز میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کیا گیا ہے۔ بسمانی محنت کرنے کے لیے دوسری قومیتوں کے لوگوں کو ملک بھر میں پھیلا دیا گیا ہے اور اعلیٰ کاموں کے لیے ہر جگہ خالص روسیوں کو تعینات کیا گیا ہے۔ خود غرضیت نے اعتراف کیا ہے کہ لائیویا (Latvia) کے علاقہ میں روسی فوجوں کے داخلہ کے بعد آبادی کا پانچواں حصہ یا تو مار دیا گیا یا اس کے دوسرے حصوں میں منتقل کر دیا گیا۔ صرف ایک رات میں پندرہ ہزار افراد کو قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح ایستونیا کی آبادی کے بڑے حصے کو دوسرے مقامات پر معاشی محنت کے لیے منتقل کیا گیا۔ تاجکستان کے بارے میں پرودا کی رپورٹ کے مطابق روسی غلبہ کا حال یہ ہے کہ سرکاری مناصب پر غیر تاجکستانیز کو عظیم اکثریت حاصل رہی ہے اور ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ وزارت صنعت میں اصل تاجکستانیز کا تناسب صرف ۱۰ فی صدی ہے۔

وزارت زراعت میں۔ ا فیصدی، وزارت صحت میں ۲ فی صدی اور وزارت صنعت و معامی، میں ۲ فی صدی۔ دوسری طرف تاز قستان کی ۱۹۳۹ اور ۱۹۴۶ء کی شمائے بادی (Census) کا اگر موازنہ کیا جائے تو آبادی میں سے ۸ لاکھ افراد کم ہو گئے ہیں۔ یہی کیفیت دوسرے غیر روسی علاقوں کی خصوصیت سے غیر یورپی روس کے علاقوں کی ہے۔ محنت کاریوں استعمال استعمار کا ایک خاص حربہ رہا ہے۔ (ii) جو جن ممالک پر روس کا قبضہ ہوا ہے وہاں سے بھی اس نے محنت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ روس کے پاس زمین اور وسائل بے پناہ ہیں اور اسے دوسرے ممالک سے محنت کی ضرورت ہے جس طرح امریکہ کو تھی، اس لیے اس نے اپنے مقبوضہ علاقوں سے محنت کو منتقل کیا ہے۔ اس کی اہم ترین مثال مشرقی یورپ کے ممالک میں پولینڈ کی ہے۔ پولینڈ پر روسی اقتدار نازیوں سے معاہدہ کے ذریعہ قائم ہوا تھا۔ اس کے فوراً بعد وہاں سے چھانڈ کبیر پر آبادی کی منتقلی شروع ہوئی۔ یہ سارا کام ایک سو چھ بجے منصوبے کے تحت کیا گیا۔ اسی طرح جس طرح کبھی غلاموں کی تجارت کا کام ہوتا تھا۔ مشرقی پولینڈ کی ۱۲ ملین آبادی میں سے ۲ سے ۳ ملین تک لوگوں کو منتقل کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ عملاً ۵ لاکھ کو منتقل کر دیا گیا۔

71. Kazakhstanskaya Pravda, 13th August 19

ملاحظہ واضح رہے کہ۔ ۳۰ جون ۱۹۴۱ء میں پولینڈ اور روس کے درمیان لندن میں ایک معاہدہ ہوا جس میں سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا کہ ان منتقل شدہ آبادیوں کو واپس کیا جائے گا۔ ریڈ کراس ان میں سے صرف ۵ لاکھ افراد کو واپس کرا سکی باقی ۸ لاکھ کی اسے کوئی خبر نہ مل سکی۔

سرکاری منصوبہ کا اندازہ حکومت کے فرامین اور قوانین سے بھی کیا جاسکتا ہے۔^{۱۷۳}
 (۱۱) خاص استعماری انداز میں چین اور مشرقی یورپ کے ممالک سے معاشی فائدہ
 اٹایا گیا۔ ان کے خام مال کو سستے داموں پر خرید لیا گیا۔ ان کو اپنا فاضل مال منگنے والوں
 پر دیا گیا۔ ان کی فصلوں کو وہاں کے عوام کی ضروریات کے باوجود روس منتقل کر دیا
 گیا۔ روسی ماہرین کے لیے روزگار فراہم کیا گیا اور اُسے اُسے نئے مقامات پر ان کو
 تعینات کیا گیا۔ ناقابل تردید حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۶ء تک
 روس نے مشرقی یورپ کے ممالک سے ۲۰ سے ۲۵ ارب ڈالر کی مالیت کا سرمایہ
 اپنی طرف منتقل کیا۔^{۱۷۴} اس طرح روس نے ان ممالک کا کھکا کھلا استعمار کیا اور
 ان کے ذریعہ اپنی معاشی ترقی کا سامان فراہم کیا۔ اس کے برعکس ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۲ء
 تک جو کل مالی امداد روس نے ان ممالک کو دی اور اس کا دو تہائی ۱۹۵۶ء کے
 بعد دیا گیا اور خصوصیت سے مشرقی جرمنی، پولینڈ اور ہنگری کے جنگاموں کے
 بعد حالات کو قابو میں لانے کے لیے کیا گیا، وہ ۲۳ ارب ڈالر کے متبادل وزنیوں بلط
 کی بات ہے کہ ایک طرف تو امداد کا ڈھونگ رہا یا جبار ہاتھ اور دوسری طرف

^{۱۷۳} مثلاً غلط خطہ ہو سوئیٹ، صیحتہ انیا کی وزارت، داخلہ کا فرمان نمبر ۵، مورخہ
 ۲۸ نومبر ۱۹۴۸ء، سبرال اکوئٹر کونسل، یوگیا اینڈ وی کیسا رصغرو، ۲۰۷۔

173. Wazelaki, Jan, *Communist Economic Strategy. The Role of East-Central Europe, National Planning Association, Washington 1959.*

اس سے گنا زیادہ مالیت کا سرمایہ ان ممالک سے منتقل کر دیا گیا:

پھر استحصال کا ایک اور اہم طریقہ قیمتوں کا کمیل رہا ہے۔ روس نے مشرقی ممالک سے مال سستا خریدا اور ان کے ہاتھوں اپنا مال مہنگا بیچا۔ ایک تحقیقی مطالعہ کی روش سے ۱۹۵۵-۶۱ کے درمیان جو مال روس نے مشرقی یورپ کو براہ کیا، اس پر جو قیمتیں چاہیے کی گئیں وہ ان سے زیادہ تھیں جن پر یہ مال یورپ کے دوسرے غیر اشتراکی ممالک کو فروخت کیا گیا۔ اس طرح جو فاضل قیمت وصول کی گئی وہ ۵ ارب ۶۰ کروڑ روپے (تقریباً ایک ارب) کم کر ڈالتی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ بار ہنگری پر پڑا، جس نے، ایضاً قیمتیں زیادہ ادا کیں۔ زیکو سلوواکیہ اور مشرقی جرمنی سے علی الترتیب ۴۰۰۰ فی صدی اور ۲۰ فی صدی زیادہ قیمتیں وصول کی گئیں۔ بحرہنگرے اور سلوواکیہ اور ہنگری کے کوئی دوسرا ملک اس امتیازی سلوک سے ذہبیاً اس سلسلہ میں فریڈرک نہائی (Friedrich Pryor) نے جو تحقیقی مطالعہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی یورپ

چینی کو بے متنزنگ نے (Dimensions of Soviet Economic

Power) میں ۱۹۶۲ء میں لکھا تھا کہ جنگ کے بعد کے پہلے دس سالوں میں روس نے مشرقی یورپ سے جو سرمایہ منتقل کیا وہ دسیوں ارب ڈالرز تھا، صفر، ۲۰۰۔

174. Vide Wochen bericht No. 33, Munich, quoted by Hevesay, *The Unification of the World*, op. cit., p. 78-79.

175. Ibid., p. 79.

کے ممالک کی شہادت کا جو تاریخی رخ تھا اسے مصنوعی طور پر تبدیل کیا گیا۔ ان ممالک کو روسی معیشت سے منسلک کرنے کے لیے ۱۹۴۹ء میں کمیونزم (Comecon) کا قیام عمل میں آیا۔ ایک مدت تک ان ممالک کی معیشتوں پر روس کی گرفت بڑھی سخت رہی اور قیمتوں کے امتیاز کے ذریعہ ان کو مسلسل لوٹا گیا۔ برصغیر نے شرائط تجارت کے موازنہ سے ثابت کیا ہے کہ روس نے مشرقی یورپ سے مال مستخرج کیا اور اسے اپنی مصنوعات میں لپیٹی بیچیں۔^{۱۷۶} اس استحصال کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی یورپ میں اس کے خلاف غیظ و غضب اور نفرت کے جذبات رونما ہوئے۔^{۱۷۷} ۱۹۵۹ء کے بعد سے کمیونزم کے خلاف بغاوتیں شروع ہوتی ہیں۔

176. See, Pryor, Fredrich L., *The Communist Foreign Trade System*, M. I. T., Cambridge, Mass., 1963, pp. 144-152.

۱۷۷۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بلغاریہ کے مشہور کمیونسٹ کوستو Costo کو اس جرم میں سزا دی گئی کہ روس کے ساتھ تجارتی معاہدات کھتے وقت اس نے ”تقریباً ہر قدم پر روپل بازی کی شفا روپل کی شرح تبادلہ کے بارے میں، جرمنی کے اثاثوں کے بارے میں، بلغاریہ کے مال کی قیمتوں کو بڑھانے اور روسی مال کی قیمتوں کو کم کرنے کے بارے میں، اور روس کے ۱۹۴۸ء میں روپل کی قیمت کو کم کر دینے کے بعد بلغاریہ کی کرنسی کی تخفیف قدر سے انکار کر دینے کے بارے میں“۔

شہادت بورس پرستوف Boris Hristov درمندر کوستوفیہ اثاثات خود ثابت کر دیتے ہیں کہ روس ان ممالک کے بارے میں کس پالیسی پر عمل رہا تھا۔

رومانیہ نے اپنے کو منقطع کیا۔ چین نے اپنا رشتہ توڑا، الپانیہ نے قطع تعلق کیا اور ہنگری اور پولینڈ نے بھی تجارت کی شرائط تبدیل کر لیں۔

روس کی معاشی ترقی کے سلسلہ میں ایک اور قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ اس پرانے زمانے میں محنت کی رسد میں کس رفتار سے اضافہ ہوا ہے۔ اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ محنت کی سپلائی بہت تیزی سے بڑھی ہے۔ ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیان کل آبادی میں صرف ۱۶ فی صدی کا اضافہ ہے لیکن شہری آبادی میں اضافہ ۱۰۰ فی صدی کا ہے۔ دوسری جنگ کے بعد کی ترقی کی رفتار اور محنت کاروں کی تعداد میں اضافہ کو اگر ساتھ ساتھ دیکھا جائے تو بڑے اہم نتائج نکلتے ہیں جنگ کے بعد کے سالوں میں صنعتی پیداوار میں اضافہ کا اوسط ۱۱ فی صدی بتایا جاتا ہے اور اس زمانہ میں محنت کی قوت میں اضافہ کا اوسط ۵.۵ فی صدی تھا۔ سات سالہ منصوبہ کے دوران بھی محنت میں ۴ فی صدی سالانہ کا اضافہ متوقع تھا۔ کام کرنے والے ہاتھوں کی تعداد کا بڑھنا بھی پیداوار کے اضافے کا سبب ہے۔ (بحوالہ

The Soviet World, P. 164)

اوپر کی گمنامشات سے یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

• روس کی معاشی ترقی بہت سے عوامل کا نتیجہ ہے۔ اس میں اشتراکیت کا بحیثیت ایک نظریہ کے ایک خاص حصہ تو مندرجہ ہے، لیکن یہ ترقی صرف اشتراک کی نظریہ کی پیداوار نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بہت سے عامل کارفرما رہے ہیں جو نظریاتی اعتبار سے غیر جانبدار ہیں۔ اور ترقی میں ان کا حصہ اہم اور فیصلہ کن رہا ہے۔ اس حصہ کو اشتراکیت کے حساب

میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔

و معاشی ترقی کے سلسلہ میں روسی اشتراکیت نے بھی متعدد میدانوں میں وہی بنیادی طریق کار اختیار کیا ہے جو سرمایہ دار ممالک نے اپنے اپنے دور میں اختیار کیا تھا۔ یہاں بھی سرمایہ، معاشی محرکات، محنت کے استحصال اور سامراجی امتیازات نے ویسا ہی پارٹ ادا کیا ہے جیسا سرمایہ دار ممالک میں۔ اشتراکیت معاشی ترقی کے حاملین کی اسی طرح محتاج رہی ہے جس طرح دوسرے ممالک۔ وہ معاشی قوانین کی بھی ویسی ہی تابع رہی ہے۔ جیسی مغرب کی معیشتیں۔ فرق تنظیم کے میدان میں ہے۔ برقیاتی حکمت عملی کا اگر گہرائی میں جا کر موازنہ کیا جائے تو دونوں نظاموں میں بڑی یکسانی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراک کی اہلی قلم کی ایک معتد بہ تعداد روسی اشتراکیت کو ریاستی سرمایہ داری کہتی ہے۔ اور یہ اس نظام کا بڑا مناسب نام ہے۔

-
178. See, Yugoff Aron, *Economic Trends in Soviet Russia*, London, 1929; Gorter, Herman, "The World Revolution," *Worker's Dreadnought*, 9, 16, 23 February, 11, 15, 29 March, 10 May 1924; Forest, F., "The Nature of the Russian Economy," *The New International*, New York December, 1942, pp. 52-58, December 1946 pp. 313-18 and January 1947, pp. 97-30; Djilas, Milovan, *The New Class*, New York, 1948.

معاشی ترقی کی قیمت

اوپر کی بحث میں روسی اشتراکیت کی ترقی کے جائزہ کے ساتھ ساتھ اس کے کچھ دوسرے پہلو بھی زیر بحث آ گئے ہیں اور ان سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس ملک کو ترقی کی کیا قیمت دینی پڑتی ہے۔ اب ہم اس سلسلہ کے چند دوسرے امور کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ انفرادی آزادی کا خاتمہ

اشتراکیت کے معاشی نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں انفرادی آزادی، معاشی، سیاسی اور تمدنی آزادی، باقی نہیں رہتی ہے۔ اس نظام میں کلیت پسندی، جبر و تشدد اور من مانی کرنے کا رجحان غالب ہے۔ اس میں کسی بھی آمر کے لیے یہ موقع موجود ہے کہ وہ پوری معیشت کو ظلم کی پکلی میں تبدیل کر دے۔ سیاسی اور معاشی قوت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز اجارہ کی بدترین شکل کو جنم دیتا ہے۔ اور اس عظیم قوت کے ٹھیک ٹھیک استعمال کیے جانے کی کوئی ضمانت

نہیں یہاں تفصیلات میں جانے کی بجائے محض اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

باقی نہیں رہتی ہے۔ کوئی منظم حزب اختلاف نہیں ہوتی جو انتخابات کی ماحول پر تنقید کر سکے۔ مختلف سیاسی اور معاشی قوتیں ایک وقت کا رفرما نہیں ہوتیں کہ بے اعتمادیوں کا مداوا کیا جاسکے۔ اس کے نتیجہ میں معاشی ظلم بھی رونما ہوتا ہے اور سیاسی استبداد بھی، اور یہ اشتراکیت کی سب سے بڑی قیمت ہے جو انسانیت کو ادا کرنی پڑتی ہے۔

مثلاً اس سلسلہ میں صرف ایک غیر روسی مثال پیش کی جاتی ہے، ہنگری کے وزیر خارجہ راجیک (Rajik) کو ۱۹۴۹ء میں خدائی، سرمایہ داروں سے سائبانہ ملک دشمنی، اور نظریہ سے بے وفائی کے الزام میں پچاسی کی مزدوری گنتی تھی بلکہ انے اپنے ان تمام جرائم کا صاف صاف اعتراف بھی کر لیا تھا بلکہ اس نے خود ہی اپنے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا تھا کہ مجھ جیسے انسان کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔ اس سب کے باوجود اس کو پچاسی دینے کے، سال بعد ۱۹۵۶ء میں حکومت نے اعلان کیا کہ جو کچھ راجیک کے ساتھ کیا گیا وہ غلط تھا، تمام الزامات چھوٹے اور اختراعی تھے، محض وہ سیاسی انتقام کا نشانہ بنا اور اب اس کے بے گناہ چوڑے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

سیاسی اور معاشی آمریت کے گٹھ جوڑ میں انسانوں کا یہی حشر ہوتا ہے اور دادرسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

۲۔ سیاسی مصلحت پسندی

معاشی فیصلے سیاسی مصلحتوں کے اس درجہ تابع ہو جاتے ہیں کہ محض ممالک اور حقائق کی بنیاد پر کوئی معاملہ طے نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ سارے فیصلے صرف معاشی بنیادوں پر نہیں کئے جاسکتے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اگر معاشی نظام کو سیاست کا اس درجہ تابع کر دیا جائے کہ حکومت کے سوا کوئی معاشی اکائی باقی نہ رہے اور اس ایک قوت پر بھی نہ کوئی پابندی ہو اور نہ ہی اس کے محاسبہ کا کوئی نظام تو پھر معاشی حقائق کو نظر انداز کر کے سیاسی مقاصد اور ذاتی مفادات کے لیے پالیسیاں بنتی اور بگڑتی ہیں اور بحیثیت مجموعی معاشرے اور معیشت کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

۳۔ کلیت پسندی

اشتراکیت کے معاشی نظام میں انضمام اور اختیار کی جگہ جبر اور کلی منصوبہ بندی لے لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں محنت کی صفت بندی کی جاتی ہے۔ مزدور تنظیموں کو بے اثر کر دیا جاتا ہے۔ جبری محنت کی جاتی ہے، پیشہ کی آزادی باقی نہیں رہتی۔ یہ چیز پورے نظام میں ایک شدید قسم کی بکڑ بندی (Regimentation) پیدا کر دیتی ہے۔

۴۔ اشیائے صرف کی کمی

دوسری اشتراکیت، اور پھر چین اور مشرقی یورپ کے ممالک نے جو بنیادی معاشی حکمت عملی وضع کی ہے اس میں بھاری صنعت کو صارفین کی صنعتوں پر اس درجہ فروقیات دی گئی ہے کہ عام انسانوں کے استعمال کی عام اشیاء کی شدید

تکت رونما ہو گئی ہے۔ معاشی اور سیاسی آزادی تو گئی ہی تھی، اشیائے صرف کی بھی کیا ہی رونما ہو گئی اور عوام کا معیار زندگی بڑھنے کی بجائے کم ہونے لگا، یا اگر اس میں اضافہ ہوا تو بڑی معمولی حد تک۔ پوری صنعتی ترقی میں سبھی ہی صنعت کارنگ غالب رہا ہے (Heavy industry complex) یہ چیز عوام کے مفاد اور عام تھامی صورت کے متافی اور اشتراکیت کے مزاج کے عین مطابق تھی۔ اس لیے کہ اشتراکیت کی اصل تو برپیدہ اور کو بڑھانے، بڑے سے بڑے ادارے قائم کرنے، زیادہ سے زیادہ مزدور تیار کرنے اور جلد از جلد مغربی ممالک کو کل پیداوار کی مقدار میں پیچھے چھوڑ دینے پر تھی۔ اس کی قیمت عام صارفین کو ادا کرنی پڑی اور وہ مزدور کی بنیادی چیزوں کو بھی ترستے رہے اور اگر انہیں حاصل کر سکے تو اونچی قیمتوں پر۔ اس چیز کو وہاں کے نظام محصول نے اور بھی پیچیدہ کر دیا اور قیمتوں کے بارے میں سرکاری پالیسی نے اس کی تلخی کو اور بڑھا دیا۔ عام آدمیوں کی انجرتیں کم رکھی گئی ہیں اور قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ غرض عام آدمی کے لیے یہ معاشی ترقی بڑے کے لٹو ثابت ہوئی۔

دس میں حقیقی معیار زندگی کا کیا حال ہے؟ اس کے بارے میں چند ضروری حقائق پیش کئے جاتے ہیں۔ برطانوی سوشلسٹ آرٹھر لیوس لکھتا ہے کہ "یہ ماننے کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ روسی مزدور اپنی محنت سے ہیہ کردہ اشیاء میں سے اس سے کچھ زیادہ ہی حصہ پارہا ہے جو ایک مزدور کسی دوسرے ملک میں حاصل کرتا ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ روس میں اس کا حصہ دوسروں سے

کچھ کم ہی ہے۔^{۱۸۱}

کوئی کلاڑک کے حساب کے مطابق فی کس حقیقی آمدنی میں اویس دور میں

کمی ہی ہوئی۔ ۱۸۷۰ء میں فی کس حقیقی آمدنی ۵۔۵۰ تھی۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۷ء

تک اس کی کیفیت یہ تھی۔^{۱۸۲}

سال	فی کس حقیقی آمدنی
۱۹۱۳ء	۵۸۔۵
۱۹۲۱ء	۲۲۔۴
۱۹۲۸ء	۵۵۔۵
۱۹۳۴ء	۵۱۔۵
۱۹۳۷ء	۷۲۔۳

ڈاکٹر شوارٹز کے نتائج حقیقی سے معلوم ہوتا ہے ۱۹۲۸ء اور ۱۹۴۸ء کے درمیان حقیقی قوت خرید میں ۴۰ فیصدی کمی آگئی تھی۔ یوس نے تو دوسری جنگ تک کے حالات کے بارے کو اس آخری جملہ پر ختم کیا ہے کہ اتنے لوگوں پر اتنے کم خرچے میں اتنی زیادہ مصیبتیں شاذ ہی نازل ہوئی ہوں گی۔^{۱۸۳}

181. Lewies, W. Arthur, 'Economic Survey' 1919-39,

Unwin University Books, 1966, London. p. 134.

182. Clark, Colin, *Critique of Russian Statistics* op. cit

183. Lewies, *Economic Survey*, p. 135.

ڈوب نے اعتراف کیا ہے کہ اشیائے صرف کے استعمال میں روس بہت پیچھے ہے۔ اس سلسلہ میں غالباً سب سے زیادہ دقیقہ ریزی کے ساتھ جس محقق نے کام کیا ہے وہ چپ میں ہے۔ اس کے پیش کردہ نتائج کا خلاصہ یہ ہے کہ روس میں حقیقی اجرت (Real wages) ۱۹۴۰ء میں ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں ۵۰ فی صدی کم تھی ۱۹۴۸ء میں ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں ۵۴ فی صدی کم تھی اور ۱۹۵۴ء میں بھی، خاص سے انسانے کے باوجود، ۱۹۲۸ء کی سطح کے مقابلہ میں ۱۲ فی صدی کم تھی۔ چنانچہ زرعی آبادی کئی کس حقیقی آمدنی کی حالت اس سے بھی خراب تھی۔ اگر روس کی آبادی کے بارے میں عام اشارے کے استعمال کی کیفیت کو معلوم کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آٹے اور آلو کو چھوڑ کر ہر چیز میں وہ منفرد ممالک ہی نہیں کچھ مشرقی ممالک سے بھی پیچھے ہیں۔ یہ دو چیزیں

184. Dobb, *Soviet Economic Development Since 1917*, pp. 288-89.

185. Chapman, Janet, G., *Real Wages in Soviet Russia Since 1928*, Harvard University Press, Cambridge, Mass., 1963.

186. Jasny Naum, *Essays on the Soviet Economy*, Institute for the Study of the USSR, Munich, 1962, p. 93.

وہ ہیں جن سے کہ ایک عام آدمی اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ باقی تمام ضروری چیزیں مثلاً گوشت، انڈا، مرغی، دودھ، دہی، پھل، شکر وغیرہ میں اس کا معیار ترقی یافتہ ممالک کے معیار سے بہت کم، بلکہ نصف اور ایک تہائی تک ہے۔^{۱۸۷} دیر پا اشیائے صرف دکاں، ریڈیو، ٹیلیوژن، ریفریجریٹر، کپڑا دھونے کی مشین وغیرہ کے سلسلہ میں روس کی حالت اور بھی ابتر ہے۔^{۱۸۸}

ایک اور پہلو کے مطالعہ سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک بڑی تعداد کا خون چوس کر ایک محدود طبقہ کو زندگی کی سہولتیں پہنچانی گئی ہیں اور صنعتی ترقی کے مراحل کو طے کیا گیا ہے۔ عوام کی بڑی تعداد پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے گئے ہیں۔ تب کہیں جا کر یہ ملیں اور یہ ٹیکسٹریاں اپنا سر بلند کر سکی ہیں۔ ان کی بنیاد میں کسانوں کی پڑیاں اور جبری محنت کاروں کا خون اور پسینہ ہے۔ لیو ٹانگ کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی روشنی میں سرکاری ملازمین، جو کل آبادی کا ۱۲-۱۳ فی صدی ہیں۔ کل قومی آمدنی کا ۲۵-۳۰ فی صدی لے جاتے ہیں۔ صنعتی مزدور کو بھی اپنی تعداد (۲۲-۲۰ فی صدی) کے مقابلہ میں زیادہ حصہ ہی ملتا ہے۔ دلیتی ۳۴ فی صدی، لیکن کسان جو آبادی کا ۵۵ فی صدی تھے۔ آمدنی کا صرف ۲۹ فی صدی پاتے ہیں اور جبری محنت کے مجبور انسان جو آبادی کا ۳۴ فی صدی تھے ان کو صرف ۲ فی صدی

187. Bergson A. and Kuznets S., (ed) *Economic Trends in the Soviet Union*, p. 252.

188. See, *Economic Systems in Action*, p. 155-56

آمدنی جاتی ہے۔

روس کی معاشی ترقی میں بھی کچھ کاخون چسایا ہے اور کچھ دوسروں کی فلاحی
کابندوبست کیا گیا ہے۔
۵۔ پست کوالٹی

روسی مصنوعات کا معیار پست ہے۔ کیفیت (Quality) کے اعتبار
سے وہ کوئی اعلیٰ مثال قائم نہیں کر سکتا ہے۔ اسی طرح نفاست اور خوش ذوقی
کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ شاید یہ سب چیزیں بردہوائی ذہن سے تعلق رکھتی ہیں
اور ان کا روس میں کیا کام ہے؟ مثلاً روسی نظام میں ساری اہمیت پیداوار کو بڑھانے
کو دی گئی۔ اس کا فکری نتیجہ تھا کہ کیفیت پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ پھر
کامیابی کے جو معیارات مقرر کئے گئے ان میں بھی اصل چیز پیداوار کا اضافہ بنت

تھا۔ لیکن یہ نتیجہ صحیح نہیں ہو گا! اس لیے کہتے حکمران طبقہ کے لیے تعیش کی چیزوں
کو فراہم کیا جا رہا ہے۔ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۱ء کے درمیان جو منہایت سخت زماں تھا
اور جس میں عام اشیائے ضرورت کی پیداوار کو اقل حد تک کم کر دیا گیا تھا اور جب قحط
سالوں اور بھوک کی کیفیت تھی، جب کاشت کار اپنے جانور کاٹ کاٹ کر پٹھ کی
آگ بجھا رہا تھا اس وقت بھی ان اشیاء تعیش کی پیداوار میں اس رفتار سے اضافہ ہوا۔

عطر اور سینٹ	۲۶۰ فی صدی	گرگوروف	۴۵ فی صدی
کیمبرے	۱۵۵	اعلیٰ ریشمی کپڑا	۲۲۲۰
عام سوئی کپڑا	۴۲۷	دبھوالہ دیو تانگ	صفحہ ۱۳۹

کی تکمیل بلکہ اس سے آگے نکل جانا تھا۔ یہ کام کیفیت کو قربان کر کے ہی ہو سکتا تھا۔ پھر یہ چیز آہستہ آہستہ معیشت کا مزاج بن گئی اور اب کیفیت کی حشرابی (Poor quality) پوری معیشت کے لیے ایک درد سر بن گئی ہے۔ روسی انتخابات میں اس کا اعتراف کیا جا رہا ہے کہ چھاروی مصنوعات نہایت بہت کوالٹی کی ہیں۔ مثلاً پراودا میں لکھا گیا ہے کہ

الحاقہ قسم کی جدید اشیاء کے ساتھ ہم بہت سی چیزیں ایسی تیار کرتے ہیں جو سارے کو مطمئن کرنے میں ناکام ہیں اور سبی وجہ سے کہ وہ آسانی سے نہیں بکتیں۔ یہ بال جو گوداموں اور دکانوں میں پڑا ہوا ہے معیشت کے لیے ایک بار ہے۔^{۱۹۰}

پراودا ہی میں ایک دوسرے مضمون میں کہا گیا ہے کہ^{۱۹۱}
روس میں بجلی کے تقویم اور دوسری گھر طو استعمال کا ضروری چیزوں کی کمی ہے۔
اور ایک مضمون میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ کیلیا پنسک (Chelyabinsk) فیکٹری میں تیار کردہ فریجس اتنا ناقص ہے کہ وہ ناقابل استعمال ہے اور اس کی بہت

سبب چیزوں کو روسی کمی کے پھینکنا پڑا ہے۔^{۱۹۲}
ایک دوسرے فریجس کے کارخانے (Kuybyshev) کے بارے میں خبر آئی کہ ۱۹۶۱ء میں اس کی کل پیداوار کے ۵۴ فی صدی کو فیکٹری ہی میں ناکارہ قرار دے دیا گیا اور باقی کے ۴۶ فی صدی کو خرابی کے ادانے رد کردیا۔ ایسی ہزاروں مثالیں

^{۱۹۰} پراودا ۹ جولائی ۱۹۶۴ء

^{۱۹۱} " ۱۵ دسمبر "

^{۱۹۲} " مارچ ۱۹۶۵ء -

پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روس میں اس وقت پر مسئلہ معاشیوں کے لیے درود سرتا ہوا ہے وہ کواٹھی ہی کا مسئلہ ہے اور لائبریری نے جو انقلابی اصلاحات تجویز کی ہیں ان کی پشت پر کام کرنے والا محرک بھی روس کی اشتراکی منصوبہ بند معیشت کی یہ بنیادی خرابی ہے۔

۶۔ غیر مستحفظانہ نظام محاصل

روس کا ٹیکس کا نظام بھی اس مخصوص معاشی حکمت عملی کے مطابق ڈھال گیا ہے لیکن اس بنا پر وہ بے حد غیر مستحفظانہ ہو گیا ہے روس میں انکم ٹیکس سے کل سرکاری مایات کا صرف ۲۰ فی صدی حاصل ہوتا ہے جبکہ بکری ٹیکس سے ۲۰ فی صدی یہ ٹیکس ایک بالواسطہ ٹیکس ہے جو اشیاء کی قیمتوں پر عائد کیا جاتا ہے اور جس کا بار عوام پر، صارفین پر اور نچلے طبقوں پر زیادہ پڑتا ہے۔ مارکس کے نظام نگہ میں یہ ایک حربہ استحصال کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کو روس میں سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر غصب یہ ہے کہ عام استعمال کی، حتیٰ کہ بنیادی ضروریات حیات بھی اس ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ چائے پر اس کی شرح ۱۰ سے ۱۲ فی صدی ہے۔ روٹی پر ۲۴، ۲۴ فی صدی شکر، میدہ، الیس، بناسپتی گھی وغیرہ پر ۴۹ سے ۷۰ فی صدی نمک۔ بیکل اور گیس پر ۱۰ سے ۶۵ فی صدی نمک، چمڑے کے سامان، دھاتوں سمیت ۱۰ سے ۵۰ فی صدی۔ باورچی خانہ اور گھر کے استعمال کے سامان پر ۴۲ سے ۶۶ فی صدی اور مستقل اشیاء صرف پر ۲۰ سے ۷۵ فی صدی نمک۔ اس سے ^{۱۹۳} اس کے بعد یہ اعداد و شمار روس کے سرکاری ذرائع سے ماخوذ ہیں۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ نظام کتنا غیر منصفانہ ہے اور کس طرح عام آدمی کو ساری ترقیات اور حکومت کے سارے مصارف کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ہر روٹی جو کھائی جاتی ہے اس پر بھی ایک مستقل محصول ادا کیا جاتا ہے۔

۴۔ زرعی میدان میں ناکامی

اشترکیت کی معاشی حکمت عملی کا سب سے کمزور پہلو زراعت ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں زراعت کے میدان میں اشترکیت کامیاب نہیں ہو سکی۔ اشترکیت نے اپنی زرعی پالیسی کو بالعموم دو مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں قرضہ برد زمیندار طبقہ ہوتا ہے اور زرعی اصلاحات کے ذریعہ اس سے زمین چھیننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے بالعموم عوامی تائید موجود ہوتی ہے اور کسان بھی اس پر خوش ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے مرحلے میں زمینداروں سے حاصل کی جوتی زمینوں کو سرکاری ملکیت میں لایا جاتا ہے اور کاشت کار کی حیثیت میں ایک مزدور کی سی ہو جاتی ہے۔ پہلے مرحلے میں وہ یہ خواب دیکھا کرتا ہے کہ اب زمین اس کے تصرف میں ہوگی لیکن جب زراعت کو اجتماعی کھیتوں میں منظم کر دیا جاتا ہے تو وہ خالی ہاتھ ملتے رہ جاتا ہے۔ آغا بدل جاتے ہیں۔ اقتدار اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجے میں اس کی دلچسپی کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے اور زراعت میں مستقل بحران کی کیفیت رہتی ہے۔ اور ہر جہتی کوشش کے باوجود زراعت کی دنیا سرفہ نہیں پاتی۔ دوس کے تجربے سے جو صورت سامنے آتی ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ

۱۔ اشترکیت کے پاس زراعت کے میدان کے لیے کوئی حکیم موجود

منہیں ہے۔ وہ اس سے بھی بالکل سندھ کی طرح معاملہ کرتی ہے اور اس کے نتائج نہایت تباہ کن ہوتے ہیں۔

(ب) اشتراکیت کا اصل انہماک صنعت کے ماحول ہے، جس کے نتیجہ میں زراعت کے بارے میں غفلت برتی جاتی ہے اور زراعت کی قیمت پر صنعت کو برتری دی جاتی ہے۔ چونکہ آبادی کی اکثریت زراعت سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے بڑی جلداری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور برتری کے ثمرات سے وہ محروم رہتے ہیں اور ہر طبقہ کچھ فائدہ اٹھاتا ہے وہ شہری آبادی سے متعلق ہوتا ہے۔

یہ بات صرف روس ہی کے لیے صادق نہیں بلکہ جہاں بھی اشتراکیت تجربہ ہوا ہے یہی نتائج نکلے ہیں۔ آج زراعت کا بحران عالمی اشتراکیت کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ بن چکا ہے اور دنیا کے پسماندہ ممالک کی نگاہوں میں اشتراکیت کے چہرے کو داغ دار کرنے میں سب سے زیادہ دخل اسی پہلو کا ہے۔ روس میں سب سے منظم طبقہ کاشت کاروں کا طبقہ ہے۔ اسے عام ہرجولہ سے محروم رکھا گیا ہے۔ زمین پر اس کے اقتدار کو ختم کر کے اسے اجسیر (Wage-earner) کے مقام پر لے آیا گیا ہے۔ زرعی پیداوار کی قیمتوں کو محدود کر رکھا گیا ہے، حتیٰ کہ کچھ اشیاء کے سلسلہ میں تو ٹانگت سے بھی کم رکھا گیا ہے۔ پھر کسان اور انجمائی کمیت مجبور ہیں کہ انہی کم دعوں پر ایک خاص تعداد حکومت کے ماتحت اداروں کو فروخت کریں۔ زرعی آبادی کو غلط اور فائدہ ٹک کا سامنا کرنا پڑا ہے جبکہ زرکاری و مولیاں اسی طرح جاری رکھی گئی ہیں اور اشیائے

خورد و فروش کی برآمدگی کی جاتی رہی ہے۔ کسان مجبور ہوئے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کریں اور اس کا نتیجہ ہے کہ کل جانوروں (Livestock) کی تعداد میں نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکا ہے بلکہ پہلی جنگ کے معیار کے مقابلہ میں پیداوار کی حقیقی سطح کم رہی ہے۔ تقریباً تمام سرکاری منصوبوں میں اس کا اعتراف موجود ہے کہ ذراعت میں اشتراک پالیسی ناکام رہی ہے۔ خروشیفت نے اپنے پیش روؤں کی اس کوتاہی پر گرفت کی تھی۔ لیکن خود خروشیفت کا زرعی منصوبہ بھی ناکام رہا اور اس کی ناکامی خود خروشیفت کو لے ڈالی۔

روس میں اشتراک زرعی پالیسی کی ناکامی کا سب سے اہم ثبوت پیداوار کے سرکاری اعداد و شمار سے فراہم ہوتا ہے۔ روس کے کل زیر کاشت رقبہ ۹۰-۹۵ فی صدی اجتماعی تحویل میں ہے اور صرف ۴-۱۱ فی صدی ذاتی ملکیت میں۔ کسانوں کو آدمے اور تین چوتھائی ایکڑ کے کھیت نجی ملکیت میں رکھنے کی اجازت ہے۔ اجتماعی تحویل میں جو ۹-۹۸ فی صدی علاقہ ہے اس میں سے ۵-۴۹ فی صدی سرکاری کھیتوں کی شکل میں ہے اور ۴-۹۸ فی صدی اجتماعی کھیتوں کی صورت میں۔ لیکن اگر پیداوار کو دیکھا جائے تو حیران کن نتائج سامنے آتے ہیں۔

انفرادی ملکیت	اجتماعی دائرہ
سرکاری کھیت + اجتماعی کھیت	نجی دائرہ
۹۸-۹۹ فی صدی	۱۰-۴۲ فی صدی
۶۸ فی صدی	۳۲
۵۴ فی صدی	۴۷

دوسرے الفاظ میں کل زیر کاشت رقبہ کا صرف ڈیڑھ فی صدی انفرادی ملکیت میں ہے۔ لیکن پیداوار کا ۳۲ فی صدی اور حیوانات کی فراہمی کا ۴۴ فی صدی اس ۴-۱ فی صدی رقبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ اکثر کی دائرہ میں زمین زیادہ اور پیداوار بہت کم ہے۔ یہ چیز اشتراکی طرز پر منظم کمیتوں کی ناکامی اور ذراعت میں انفرادی ملکیت کی کامیابی کا براہین ثبوت ہے۔ یہی چیز شرقی یورپ کے تمام ممالک میں رونما ہوئی ہے اور اسی کے نتیجہ میں اب وہاں ذراعت میں تیزی کے ساتھ انفرادی ملکیت کا احیا کیا جا رہا ہے۔ چلیں میں بھی ایسی چھلانگ کے تجربہ نگار بھی یہی نتائج سامنے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے اشتراکی ممالک میں (پولینڈ کو چھوڑ کر جس نے اجتماعیت بندی کو آگے بڑھانے کی زیادہ کوشش ہی نہیں کی) زرعی پیداوار میں مناسب ترقی نہیں ہو سکی ہے اور ان ممالک کو ^{۱۹}۱۹۵۵ء کے ذراعت میں اجتماعیت بندی کا آغاز ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان کل زرعی پیداوار میں سرکاری اعلان کے مطابق اضافہ ۳۵ فی صدی کا ہوا ہے جب کہ آبادی میں اضافہ ۵۴ فی صدی کا ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ فی کس زرعی پیداوار ۱۹۵۵ء میں ۱۹۲۹ء کے مقابلہ میں کم تھی۔ (بجوالدی صفحہ ۲۸۷)

خود خورشیت نے ایک تقریر میں کہا تمہاری کالی زمین ملک کے بہترین علاقوں میں سے تھی۔ کامریڈز۔ مجھے بتاؤ کہ تمہاری پیداوار کم کیوں ہو گئی؟ اگر کشت، تم اب کم پیدا کر رہے ہو۔ یہ بڑھنے کے بجائے کم کیوں ہو گیا۔ ایک ڈاکٹر ایک ہیکٹر سے ۷ یا ۸ یا زیادہ سے زیادہ اکوئیل گندم لے کر کیسے مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس طرح تم اشتراکیت کی منزل تک پہنچ سکو گے؟ (بجوالدی صفحہ ۱۹)

باہر سے غلہ درآمد کرنا پڑا۔ روس اور چین دونوں نے ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۴ء میں مغربی اور دوسرے ممالک سے غلہ حاصل کیا۔ پہلے اور یہ سب بھی اس حالت میں کہ روس میں زراعت پر کام کرنے والی محنت دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ یعنی زیادہ زمین، زیادہ محنت، زیادہ خرچہ، اور کم پیداوار وہ تمام مظالم اس پرستزادہ اشتراکیت نے کسانوں پر کئے ہیں۔

۸۔ بیوروکریسی کا عروج

اشتراکیت نے سرمایہ دار طبقہ کو تو مٹا دیا لیکن اس کی جگہ ایک نئے طبقہ نے لے لی اور وہ ہے بیوروکریسی۔ طبقاتی تقسیم اسی طرح موجود ہے۔ بلکہ اس سے شدید تر شکل میں ہے۔ سیاسی اور معاشی اقتدار ایک مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے معاملات کو انجام دیتا ہے۔ اشتراکیت کی بنیادی غامی یہ رہی ہے کہ اس نے اصل اہمیت ملکیت کو دی اور یہ سمجھ لگی کہ ملکیت کو اجتماعی کرنے کے باوجود بھی افراد اور گروہ کو تصرف کے غیر محدود اختیارات حاصل رہ سکتے ہیں اور تصرف کے اس اختیار میں بھی وہی طبقاتی کیفیت رونما ہو سکتی ہے۔ جہاں جہاں اشتراکیت کامیاب ہوئی ہے وہاں ایسا ہی ہوا ہے۔ میلان جیلا میں کتاب ”نیا طبقہ“ (The New Class) اشتراکیت کے اس پہلو کا بہترین مطالعہ ہے۔ اس حکمران طبقہ کو وہ ساری مراعات حاصل ہیں جو سرمایہ داروں کو حاصل ہوتی ہیں اور اس کے

اختیارات سرمایہ داروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور یہ طبقہ سرمایہ دارانہ ملک کی انتظامیہ کے مقابلہ میں تعداد میں بھی کم ہے۔^{۱۹۶}

یہ ہے وہ قیمت جو انسانیت کو اشتراکیت کی اس معاشی ترقی کی ادراک کرنی پڑی جو اشتراکیت کے بغیر بھی حاصل کی جاسکتی ہے اور زیادہ اچھے انداز میں اور اچھی رفتار سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

۱۹۶۶ء گرانیک نے روس اور امریکہ میں سفید کاروائے طبقہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے تجزیے کے مطابق امریکہ میں صنعت اور معدنیات کے میدانوں میں کل محنت کا دسویں حصہ ۲۹ فی صدی وہ ہیں جنہیں سفید کاروائے کہا جاسکتا ہے جبکہ دسویں حصہ ۲۰ فی صدی ہے (۱۹۵۴-۵۶) اسی طرح فیکٹری کی طرح پر امریکہ میں سفید کاروائے ملازمین کی تعداد ۲۹ فی صدی ہے جبکہ روس میں یہ تناسب صرف ۱۵ فی صدی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

Granick, G., "Soviet-American Management Comparisons," Comparisons of the United States and Soviet Economics, Washington, 1959.

ہمارا دیا ہوا اسراف صرف وہ اسے مانرہ ہے۔ لیکن پورے مصنفین کا مطالعہ سفید ہے۔ ایک دوسرے مطالعہ میں جو شیخین بنائے کی صنعت کے بارے میں

ہے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ روس میں انتظامیہ کل عہدہ کامرت ۲ فی صدی ہے (۵۹-۱۵۶) جبکہ امریکہ میں اس کا حصہ ۷۰۹ ہے۔

Boretsky, M., *The Soviet Challenge to U.S. Machine Building*, Washington, 1962, pp. 16, 44.

معاشی استحکام اور سماجی فلاح

معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس نے سماجی فلاح، معاشی انصاف اور صنعتی استحکام قائم کیا ہے۔ بر نظر ظاہر یہ دعویٰ خاصا متاثر کن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقائق کا زیادہ گہرائی میں جا کر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اشتراکیت کے کارنامے کو کسی پہلو سے بھی غیر معمول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں قابل غور نکات یہ ہیں۔

اضاعت اور عدم استحکام
اشتراکیت کا سرمایہ داری پر ایک بہت ہی اہم اور قوی اعتراض یہ تھا کہ

اس میں اضاعت (Wastage) اور عدم استحکام (Instability) پایا جاتا ہے۔ وسائل کا ایک معقول حصہ ضائع ہوتا ہے، انسانوں کی کمیپ کی کمیپ بے روزگار رہتی ہے اور معیشت ایک نہ ختم ہونے والے تہجائی چکر میں گرفتار رہتی ہے۔ سرمایہ داری پر یہ تمام تنقید بالکل بجا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اشتراکیت ان مسائل پر قابو پا سکتی ہے؟ اور کیا اس کا قائم کیا ہوا نظام ان برائیوں سے پاک ہے۔

روس میں ایک رجحان یہ کارفرما ہاں ہے کہ بڑے سے بڑا کارخانہ

قائم کیا جاتے، بڑے سے بڑا اسٹیڈیم اور ہوٹل ہو، بڑے سے بڑا پلاٹ لگایا جاتے، بڑے سے بڑا پشتہ Dam، تعمیر کیا جاتے۔ غرض حجم کی بڑائی پر ہی اشتراکیت فریفتہ رہی ہے اور اس کو سرمایہ دارانہ نظام پر اپنی فوقیت کی ایک علامت سمجھتی رہی ہے۔^{۱۹} حالانکہ یہ فوقیت کی نہیں اندرونی بیماری کی علامت ہے۔ بڑے ادارے قائم کرنے کا یہ فائدہ تو ضرور ہے کہ ان پر فرد واحد کا کنٹرول بہ آسانی قائم ہو جاتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں بڑی اہم مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسے اداروں کو ان کی پوری صلاحیت کارکردگی تک استعمال نہیں کیا جاسکتا اور اسی طرح اضافت رونما ہوتی ہے جیسے سرمایہ داری میں۔ مثلاً جب ذہنوں میں یہ سمایا ہو کہ برقی قوت + سوئٹ، سوشلزم تو بھلی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کئے جاتے گئے مگر لحاظ اس کے کہ ان کو استعمال کرنے کے مواقع موجود ہیں یا نہیں۔ ڈیفنٹی

۱۹۔ اس سلسلہ میں یہ بات سامنے رہے کہ ہر وہ تہذیب جو صرف مادی بنیادوں پر قائم ہوتی حجم کی بڑائی اور وسعت کو غیر معمولی اہمیت دیتی رہی ہے۔ مغربی تہذیب کا بھی یہی حال ہے۔ اس سے پہلے بھی جتنے سستی تمدن قائم ہوئے ہیں مثلاً یونان اور روم ان کا مرض بھی یہی تھا۔ مشہور فلسفی تاریخ اور ماہر عمرانیات پروفیسر پیٹی رم سورو کی نے اسے تہذیبوں کا ایک مرض قرار دیا ہے۔ اور ان کی تباہی کے اسباب میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو۔ سورو کی :

پر پریسٹراس (Dineproprestroy) کا عظیم بجلی گھر اس کی بہترین مثال ہے۔ بجلی کا یہ ایک اسٹیشن وہ لاکھوں آبادی کی ضروریات پوری کر سکتا تھا اور اپنی تعمیر کے دس سال بعد بھی اپنی صلاحیت سے کہیں کم پیدا کر رہا تھا۔ پھر اس کا نتیجہ ہے کہ روسی اشتراکیت کا سب سے پیچیدہ مسئلہ اشیاء کی تیز رفتار گردش اور نقل و حرکت کا مسئلہ ہے۔ مناسب مقدار میں مال کی آمد اس نظام کے کوئوریجی پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح مال کی تقسیم کے مسئلہ میں نقل و حمل کے مصارف (Transport costs) بہت زیادہ آتے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں کوئلہ کی کانوں سے کوئلہ سپلائی کرنے میں کل پیداوار کا نصف خرچ ہو جاتا ہے۔ منڈیوں کا حال یہ ہے کہ ان میں ایک طرف غیر فروخت شدہ اموال کے انبار ہیں اور دوسری طرف غیر ٹکیں یافتہ استیاجات۔^{۱۹۹} مثلاً پٹرول کی پیداوار ضرورت سے کہیں زیادہ ہے اور روس اس فاضل پیداوار کو خالص سرمایہ داروں کی طرح سستے داموں پر دینے (Dumping) کے لیے کوشاں ہے۔ غیر فروخت شدہ اشیاء بڑھتے جا رہے ہیں۔^{۱۹۹} اور منڈی کا یہ عدم استحکام بھی ان اسباب میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے روس میں محض مارکیٹ

میں نامور سوشلسٹ برنارڈ شا کا مشہور جملہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظام میں خبر کے ایک کونے پر اعلیٰ کمائوں کی ریل پیل ہوتی ہے اور صوبہ کو مفقود اور دوسرے پر صوبہ کی فراوانی ہے اور اشیائے خورد و نوش ناپید!

199. See, *Problems of Communism*, December 1965, pp. 29-30.

میکانزم کے احیاء کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کوہسمن اور لائبریرین کی تبادلی کی پشت پر اس مسئلہ کا شعور موجود ہے۔ صرف روس ہی میں نہیں دوسرے اشتراکی ممالک میں بھی ایسے ہی حالات درپیش ہیں۔ زکیو سلاویکیہ کے بارے میں وہاں کے صدر ریاست نے خود اعتراف کیا ہے کہ مال ہے مگر اس کے لیے کوئی طلب موجود نہیں ہے۔

اسی طرح پیداوار کے لیے جو مادی ہدف مقرر کیے جاتے ہیں اور ان کو پار کر لینے پر جو انعام و اکرام دیا جاتا ہے وہ بھی انصاف کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ جن چیزوں کی پیداوار آسان ہے ان کی طرف وسائل کا مہاڑ بڑھ جاتا ہے۔ منبر جمی ہدف سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن چند چیزوں کی پیداوار تو غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ مگر باقی تمام اشیاء کی جن کے بغیر وہ چیزیں اپنی اپنی شکل میں مکمل نہیں ہو سکتیں بہت کم رہتی ہے۔ عام معاشی محرکات کو چھوڑ کر جو محرکات اشتراکیت نے اختیار کئے وہ پیداوار کو بڑھانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکے اور اس کو مناسب طریقے پر تقسیم کرنے میں بھی کچھ تیزی بہت زیادہ نہیں اور کچھ بہت کم۔ اپنے نتائج کے اعتبار سے یہ وہی چیز ہے جو سرمایہ داری میں پائی جاتی ہے۔ وہاں اس کا نام تجارتی یکہ ہے اور یہاں ہم اسے "اشتراکی یکہ" کہہ سکتے ہیں۔

ایک اور اہم مسئلہ بے روزگاری کا ہے۔ روس نے دعویٰ کیا ہے کہ دوسرے پچھلے منصوبہ کے وقت بے روزگاری ختم ہو گئی اور اس کے بعد سے اس سلسلہ کے اعداد و شمار شائع کرنا بند کر دیئے۔ لیکن کیا اعداد و شمار کی

اشاعت بند کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ فی الحقیقت مسئلہ حل ہو گیا۔ بلاشبہ روس میں مزدوروں کے لیے بڑی تعداد میں روزگار فراہم کئے گئے ہیں۔ لیکن کیا اب فاضل محنت (Surplus labour) موجود نہیں ہے؟ کوئی کھل کر کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۲۸ء میں روسی زراعت میں فاضل محنت کا روس کی تعداد دوڑھائی کروڑ سے متجاوز تھی۔ اگر یہ صحیح ہے کہ روس نے بے روزگاری کے اس حقیقی مسئلہ یعنی فاضل محنت کے مناسب استعمال کو ابھی تک حل نہیں کیا ہے۔ پھر سوال مخفی بے روزگاری (Disguised unemployment) کا ہے۔ جو آج بھی خاصی موجود ہے۔

ان حالات کی موجودگی میں معاشی استحکام کا دعویٰ خاصہ محل نظر ہے۔ ادباً تو لائبریرین نے جن خامیوں کی طرف نشاندہی کی ہے ان میں سے بشیر باتوں کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اچانک کا وہ ظلم اب غرور روس میں بھی کہاں باقی ہے؟

سماجی انصاف

سماجی انصاف کا مسئلہ بھی خاصا غور طلب ہے۔ اس کے بے شمار پہلو ہیں لیکن ہم صرف چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کریں گے۔

دانت، روسی اشتراکیت نے سماجی انصاف کے تصور کو ان اخلاقی بنیادوں سے الگ کر دیا ہے جن میں آج تک اس کی جڑیں اتری ہوئی ہیں اور جس کے بغیر یہ تصور بہت ہی غیر تسلی بخش اور (Arbitrary) ہو رہا ہے۔

اب، سماجی انصاف کے تصور کو، اس کے محدود معاشی معنی میں بھی پیش کرنے

میں اشتراکیت کو اولیت حاصل نہیں ہے۔ اسلام نے تو سارے تیرہ سو برس پہلے اس بنیاد پر ایک پورا معاشی نظام قائم کیا تھا اور اس کے ثروت استعمار کے غلبہ کے دور تک ہماری تاریخ پر باقی رہے۔ یورپ میں بھی سماجی فلاح اور اجتماعی ضمانت (Social security) کا نظام بیویں صدی کے اوائل ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ انگلستان میں صحت کی انشورنس کا آغاز ۱۹۰۸ء میں ہو گیا تھا۔ بے روزگاری کے خلاف انشورنس کا آغاز ۱۹۲۱ء میں محدود پیمانہ پر ہو گیا تھا۔ مغربی یورپ کے بیشتر ممالک میں عالمی بحران (۱۹۲۲ء - ۱۹۲۹ء) کے بعد کسی نہ کسی شکل میں اجتماعی ضمانت کا پروگرام شروع ہو گیا تھا۔ اسی طرح مزدوروں کے لیے اوقات کار کا تعین، معقول اجرت کی ادائیگی اور دوسری سہولتوں کی فراہمی کے سلسلے میں ۱۸، ۱۹ء سے قانونی اور دوسری کارروائیاں ہوتی رہیں اور آج مغربی ممالک میں مزدوروں کی عام حالت بہت بہتر ہے۔ کم از کم روس اور دوسرے اشتراکی ممالک کے مقابلہ میں ان کی حالت بدتر ہے۔ اس لیے اس دائرہ میں اولیت کا دھڑی اشتراکیت نہیں کر سکتی۔

دج، اشتراکیت کے تحت سماجی انصاف اور اجتماعی بہبود کے جی پھلوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ ان میں تعلیم، روزگار کی ضمانت اور صحت وغیرہ کی سہولتیں اہمیت رکھتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اشتراکیت نے جو کچھ کیا ہے ہم اس کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ خاطر رہنی چاہئیں۔

اولاً سماجی فلاح کے سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا ہے اس کی حیثیت انسانی (Utilitarian) ہے۔ یعنی جو چیزیں پیداوار کو بڑھانے اور اشتراکی منصوبوں کو بروئے کار لانے میں معاون ہو سکتی تھیں ان کو اہمیت دی گئی اور سماجی فلاح کے وہ تمام پہلو جو اس میں زیادہ معاون نہ تھے لیکن انسانی نقطہ نظر سے بے مہم تھے، ان کو بلا تکلف نظر انداز کر دیا گیا۔ مثلاً طبی سہولتوں کو فراہم کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن رہائش کی سہولت کی طرف سے مگر بڑا غفلت برتی گئی۔ حتیٰ کہ رہائش کا مسئلہ عام آدمیوں کے لیے پیچیدہ ترین مسئلہ بن گیا۔ آج بھی عمارتوں پر آبادی کا دباؤ (Overcrowding) بے حد زیادہ ہے۔ روس کے سرکاری ذرائع کی مدد

سے ۱۹۱۳ء میں فی کس شہری مکانی جگہ (Per capita urbanousing space) ۷-۶ مربع میٹر تھی اور ۱۹۲۹ء میں یہ ۲-۲ مربع میٹر تھی۔ اس کے مقابلہ میں ۱۹۵۰ء میں یہ ۲-۱ اور ۱۹۵۷ء میں ۱-۱ تھی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر کمرہ میں اوسطاً کم از کم تین افراد رہ رہے تھے۔ مسئلہ کاؤنٹا ایک شخص جسے کے لیے جتنی جگہ حاصل کر سکتا ہے وہ صرف ۱ مربع میٹر ہے، یہ جگہ اس سے کچھ ہی زیادہ ہے جو ہمارے ملک میں ہر قیدی کو جیل خانہ میں دی جاتی ہے۔ اور

200. Figurov, S. P., *Real 'naya zarabotnaya platatipool' yem material' nogo blagásostoyantye trudyashchahsya VUSSR*, Moscow, p. 109. vide, *Economic Systems in Action*, p. 154.

روسی ایکو نو میٹ پر دو کو پو پچ (Prokopovich) کے الفاظ میں اس جگہ سے دو گنی ہے جتنی ایک شخص کو قبر میں حاصل ہوتی ہے۔^{۱۰۰} یہ روس کا پناہ دہی ہے۔^{۱۰۱} دہ مذ مغربی اہل قلم کا خیال ہے کہ اب فی کس جگہ کا اوسط ۴۴ مربع میٹر ہے۔^{۱۰۲} ۱۹۶۱ء میں خرو شیف نے اعتراض کیا تھا کہ رہائش کی جگہ کی قلت کا مسئلہ آج بھی شدید شکل میں موجود ہے۔ رہائش کا یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے۔ منصوبہ بندی میں اسے پیچے رکھا گیا اس لیے کہ یہ عام پیداوار میں اضافہ کے مقاصد سے ہم آہنگ نہ تھا۔ اگر سماجی علاج کا کوئی حقیقی تصور موجود ہوتا تو اس پہلو کو کبھی نظر انداز کیا جاتا۔ آخر منصوبہ بندی میں اس پہلو کو اہمیت کیوں نہیں دی گئی؟ کیا منصوبہ کاری نہیں جانتے جانتے تھے کہ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیان شہری آبادی میں تین گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ رہائش میں اس زمانہ میں صرف ۳۰ فی صدی اضافہ کیا گیا۔ اگر یہ عدم توازن باقی رہا تو ہم کیا کیا تو ہم کیسے مان لیں کہ اشتراکیت کو سماجی علاج عجز نہ تھا، اور یہ کہ اشتراکی منصوبہ بند مغربی سرمایہ دارانہ سے کچھ بھی مختلف ہے۔

^{۱۰۰} بحوالہ دی سویٹ ورلڈ صفحہ ۳۷۱، واضح رہے کہ Economic survey of Europe (مطبوعہ جنیوا، ۱۹۵۰ء) کی رو سے مغربی ممالک میں فی کس جگہ کا اوسط یہ تھا۔ بلجیم ۱۵ مربع میٹر، ڈنمارک ۲۱ مربع میٹر، فرانس ۲۳ مربع میٹر، سوئیڈن ۲۳ مربع میٹر، اور برطانیہ ۲۵ مربع میٹر۔

202. Jasny, Naum, The New Economic Course in the U.S.S.R., Problems of Communism, quoted Aspects of Soviet Economy, p. 15.

سرمایہ دار بھی اپنے منافع کو بڑھانے کے لیے سماجی بہبود کو نظر انداز کرتا ہے اور اشتراکی منصوبہ کار بھی پیداوار کو بڑھانے کے لیے معیشت کے دوسرے حصوں کو بنیادی رسد سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ اور اگر یہ چیز غیر اختیاری تھی تو ماننا پڑے گا کہ محض منصوبہ بندی کے ذریعہ توازن آپ سے آپ قائم نہیں ہوگا اور اس نظام میں بھی شدید بے اعتدالیاں اور ناہمواریاں (Disharmonies) موجد رہتی ہیں۔

اسی طرح کپڑے کی پیداوار کا سکہ ہے۔ کپڑے کی صنعت کو برابر نظر انداز کیا گیا۔ مادہ کا لباس انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور سماجی علاج کے کسی ایسے نظام کا تصور نہیں کیا جاسکتا جس میں لباس کے مسئلے کو حل نہ کیا گیا ہو۔ انسان کی تیسری اور سب سے بنیادی ضرورت خوراک ہے۔ اس کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ذراعت کے میدان میں اشتراکیت سبکے زیادہ ناکام رہی ہے۔ فی کس صرف دوس میں بے حد کم ہے۔ خوراک کا معیار پست اور غیر قابل بخشش ہے۔ ایک عام آدمی کو اپنی آمدنی کا بڑا حصہ محض خوراک پر خرچ کر دینا پڑتا ہے۔ ماہری شہادت کے بقول دوس میں ایک عام صارت کو اپنی آمدنی کا ۵۰ فی صدی سے زیادہ خوراک پر خرچ کرنا پڑتا ہے جبکہ انگلستان میں یہ حصہ صرف ۲۴ فی صدی ہے۔ پھر دوسری صارت کے خوراک کے صرفہ کا بڑا حصہ روٹی اور آلو پر صرف ہو جاتا ہے۔ گوشت، اٹلے، دودھ وغیرہ اس کا صرف بہت ہی کم ہے۔ یہ چیزیں اسے شاذ و نادر ہی میسر آتی ہیں۔ مسئلہ ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ کیسے

بادکرہ کی کراشریکیت نے فی الحقیقت سماجی انصاف کے قیام میں حقیقی دلچسپی لی ہے۔ ثانیاً سماجی انصاف کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف بنیادی ضرورتوں کو اقل مدد تک فراہم کر دیا جائے بلکہ یہ ایک ہمد گیر تصور ہے جس میں محنت کی عزت و توقیر سے لے کر سماجی اور معاشرتی مساوات تک ہر چیز شامل ہے۔ پورے اشتراکی تجربے کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس تصور کو چھوٹک نہیں سکی ہے۔ اس نے ایک طرف سماجی انصاف کا نام لیا ہے اور دوسری طرف لوگوں کو بدترین مظالم کا نشانہ بنایا ہے، تعلیم کے فروغ میں دلچسپی لے رہے لیکن نگرانی آزادی پر پہرے بٹھائے ہیں اور تعلیم کے بھی ان طبقوں کو فروغ دیا ہے جو پیداوار کے بڑھانے، فوجی قوت کی تشکیل اور پروڈیگینٹس کے لیے درکار تھے اور اس میں بھی بڑے اور چھوٹے اور امیر اور غریب کی تفریق کی ہے۔ اس لیے ہم اس کے سماجی فلاح کے کارناموں سے کوئی مثبت تصور اخذ نہیں کر سکتے۔

ثالثاً ایک طرف سماجی فلاح کے مختلف پروگراموں کو فروغ دیا گیا ہے اور دوسری طرف ایسی پالیسیاں اختیار کی گئی ہیں جن کے نتیجہ میں افراطِ زندگی کیفیت رونما ہوگئی۔ عام قیمتیں زور سے پیداوار کی بنیادی قیمتوں کو چھوڑ کر، اوپر چڑھنے لگیں۔ افراطِ زر کا ناقابلِ تردید ثبوت مقدارِ زر میں اضافہ، نئے قیمتوں کا مسلسل اضافہ، ضرورت کی اشیاء کی شدید کمی، وسائل پیداوار اور اشیا کے صرف کی قلت، کثیفی کزوریاں،

۱۹۶۹ء میں فٹ اور کے جو گردش میں تھے ۲۰۸ ارب تھے لیکن ۱۹۷۹ء تک یہ بڑھ کر ۳۰۸ ارب ہو چکے تھے۔ قیمتیں بھی برابر بڑھ رہی تھیں۔

کم اجر سے، متجربوں کی غیر رسمی اور غیر قانونی کارروائیاں اور بلیک مارکٹ کا ظہور رہی۔
 افراط زر کی پالیسی سماجی فلاح کی پالیسی کی عین ضد ہے۔ لیکن روس نے اس پر عمل کیا
 ہے اور تمام اہم محقق اس راستے کے حامل ہیں کہ روس میں افراط زر اور مختفی افراط زر
 شدید شکل میں موجود رہے ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔

دو ایسا سماجی فلاح کے تصور کو بھی مختض فلاح و بہبود سے کاٹ کر پھینکا اور دی
 اور کارکردگی سے جوڑ دیا گیا ہے اور سماجی انشورنس کے پروگراموں کو سرکاری پالیسی
 کی تنقید کے لیے ایک حربے کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس نے اس
 پر دی ایکم کو بالکل دوسرا رنگ دے دیا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں چند بنیادی
 باتیں عرض کرتے ہیں۔ سماجی انشورنس کی ایکم روس کی باری آبادی کے تقریباً نصف
 پر لاگو ہی نہیں ہوتی۔ سویت لیبر کوڈ (Soviet Labour Code) کی دفعہ
 ۵۷ کی رو سے تو شامل انشورنس ان تمام افراد کا احاطہ کرتی ہے جو اجیر (Hired
 Labour) ہیں۔ اس میں کھیت پر کام کرنے والے حتیٰ کہ اجتماعی کھیت پر کام
 کرنے والے بھی شامل نہیں ہیں۔ ان کی تعداد ۴۰-۴۵ کروڑ ہے جبکہ صنعتی مزدوروں
 کی تعداد ۱۰ کروڑ ہے۔
 سرکاری طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ

205. See: Zabot, *The Economics of Competitive Co-existence*, op. cit., pp. 122-130;

Lewis, *Economic Survey*, op. cit., pp. 126-130.

ٹوشل انشورنس کا پورا نظام اس طرح تبدیل ہونا چاہیے کہ
ہنگامہ خیز مزدوروں (Shock Workers) اور لمبی مدت ملازمت
رکھنے والے مزدوروں کو ترجیحی مقام حاصل ہو۔ ہمیں ٹوشل انشورنس
کے ہتھیاروں کو اس طرح استعمال کرنا چاہیے کہ مزدور کی وابستگی اپنی
جائے ملازمت سے بڑھے۔^{۲۰۶}

اگر کوئی مزدور ایک مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے تو اس کی انشورنس
اعداد دوسری سہولتیں از سر نو شروع ہوتی ہیں۔ سچلے ایک شہر کو چھوڑ کر دوسرے
شہر میں نہیں جاسکتے تھے۔ اب کچھ آسان بن چکے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ
ہی پابندی بھی لگا دی گئی ہے کہ اگر مزدور اپنی مرضی سے کسی فیکٹری کو
چھوڑے گا۔ تو اسے ایک ٹیلر مدت کے بعد بے روزگاری کی انشورنس اور
دوسری سہولتوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جدید ہے کہ مزدوروں کے لیے جو
ریٹ بنا دیے گئے ہیں وہ بھی مزدوروں کو نہیں ملے۔ ۱۹۴۸ء میں
اس سلسلہ میں جو سرکاری پالیسی طے کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ ۱۰ اور ۲۰ فی صدی
ٹیکس پارٹی کی قیادت جاری کرنے، زیادہ کام کرنے والے، ڈسپلن کے پابند اور
اسٹیشنر واکسٹ مزدوروں کا استحقاق زیادہ ہے۔^{۲۰۷}
ان حالات کی روشنی میں خود سماجی انصاف کے حصول کے وعدے کے

206. Questions of Insurance, Nos. 7-8, 1933, p. 12.

207. A.U.C.C.T.U., May 29, 1948.

بارے میں کافی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اشتراکیت کا دعویٰ اپنے ساتھ بہت سے تلخ حقائق بھی رکھتا ہے۔ اگر چند چراغ روشن ہیں تو زمین کے بڑے حصہ پر تاریکیوں کے مہیب سائے مسلط ہیں۔

اشتراکیت اور آج کے ترقی پذیر ممالک

ہم نے اوپر کے صفحات میں معاشی مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ ابھی اس مسئلہ کا ایک اہم سوال اور باقی ہے اور وہ یہ کہ کیا آج کی پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ دنیا اشتراکیت کے ذریعہ معاشی ترقی حاصل کر سکتی ہے اور کیا ترقی کی خاطر تیز رفتار ترقی کی خاطر پسماندہ ممالک کو اس راستہ کو اختیار کرنا چاہیے؟

ہمارے نگاہ میں اس کا جواب نفی میں ہے۔ پسماندہ ممالک کو معاشی ترقی کی اشتراکی راہ سے گزرنے کا چاہیئے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیئے جو ان کے حالات سے زیادہ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو اور جو بہتر سے بہتر نتائج دے سکے۔ اس مسئلہ میں اصل بحث پر آنے سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

معاشی ترقی کی حقیقت

»اشت« معاشی ترقی کا عمل محض ایک معاشی عمل نہیں ہے۔ یہ ایک مجموعی عمل ہے جس کے ذریعہ ایک معیشت کی مجموعی ساخت اور اس کے کل نظام میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جن کے نتیجہ میں اس کی قومی دولت اور فی کس آمدنی میں مسلسل اور پیہم اضافہ اور قرار واقعی اضافہ ہوتا ہے جو بے

عرسے تک جاری رہتا ہے، معیشت کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے اور نظام پیداوار کی صلاحیت اور کارکردگی میں اضافہ کے نتیجہ پر رونما ہوتا ہے۔ اس پورے عمل کی ترقی میں جو چیز کارفرما ہے وہ تخلیقیت (Creativity) کا فروغ ہے۔ پس ماندہ ممالک کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے یا تو یہ سمجھ لیا ہے کہ معاشی ترقی میں ایک میکا کی مثل ہے جو سرمایہ کاری میں اضافہ کے نتیجہ کے طور پر آپ سے آپ رونما ہو جائے گی۔ یا وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ معاشی ترقی بھی کوئی ایسی چیز ہے جو درآمد کی جا سکتی ہے اور محض بیرونی امداد کے ذریعہ سے اس کا تصرف و تعمیر ہو سکتا ہے۔ یا وہ اس مغالطہ کا شکار ہیں کہ معاشی ترقی سیاسی انقلاب کا نظری اور لازمی نتیجہ ہے مثلاً ان اور دوسری غلط فہمیوں اور مغالطوں کا نتیجہ ہے کہ وہ معاشی ترقی کے سلسلہ میں اس تخلیقی رد عمل کا اظہار نہیں کر پا رہی ہیں جس کے بغیر ترقیاتی دور کا آغاز نہیں ہو سکتا۔ ان کے لیے امدادی نقالی سب سے زیادہ مضر چیز ہے۔ خواہ وہ مغربی

میں اشتراکی اہل قلم نے یہ اساس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نقطہ نظر کو سب سے پہلے خود اشائلی نے پیش کیا۔ ملاحظہ ہو:

Colonialism and the National Question

Bone, Alfred, *Studies in Economic Development*, London, 1958, Ch. I. and Baran, Paul A., *The Political Economy of Growth*, New York, 1957.

سرمایہ داری کی جہاد یا دوسری اشتراکیت کی۔ انہیں اپنے حالات کے مطابق اپنے مخصوص تبدیلی کو اقت کی روشنی میں، اور اپنے قومی اور قومی مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنی ترقیاتی حکمت عملی وضع کرنی ہوگی اور نقالی کے سہانے تخلیقی اور تبدیلی انداز میں یہ کام انجام دینا ہوگا۔ کمی پر کمی مارنے سے یہ گاڑی نہ چل سکے گی۔ ہمیں ترقیاتی عمل کو بڑی گہرائی میں جا کر سمجھنا ہے اور اپنے حالات کے مطابق ایک راستہ تجویز کرنا ہے۔ اس کے بغیر ہم نئے دور کے دروازے پر دستک دے سکیں گے۔

معاشی ترقی کا اشتراکی اسلوب

اب، دوسری بنیادی بات یہ ہے ہمیں ترقی کے وہ نمود و خال بھی واضح طور پر متعین کر لینے چاہئیں جو اشتراکیت نے اختیار کی ہے۔ اس کے بغیر ہم صحیح طور پر محاکمہ نہیں کر سکیں گے۔ ہماری نگاہ میں اشتراکیت کی ترقیاتی حکمت عملی یہ رہی ہے۔

(۱) صنعت، تجارت، زر و بنکاری اور ذرائع رسل و وسائل کی قومی ملکیت اور

ذراعت کی اجتماعی بندی (Collectivisation)

(۲) سرمایہ کاری کی بہت بلند شرح۔ اس کے لیے صرف کی تعمیر، اجرتوں کو کم رکھنا، افراط و تفریط کو محدود کرنا، اشیاء صرف پر بجاری محصولات، ٹرانزیکشن کی بلا واسطہ عوام تک رسائی کو موثر کرنا اور انہیں مزید سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرنا۔

(۳) معیشت کی بے حد مرکزی اور کئی وچہرہ منصوبہ بندی

(۱۷) آزادی کی تجدید اور محنت کو انتظامی شکل میں لانا۔

(۱۸) زراعت کو صنعت کی ضروریات کے تابع کرنا اور صنعت میں بیماری صنعت کو غیر معمولی اولیت و فوقیت دینا۔

(۱۹) کچھ خاص دائروں میں جبر و تشدد کے طریقے اختیار کرنا، بہت بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت اور مہم کاری (Campaigning) کا راستہ اختیار کرنا، سماجی محرکات کو حرکت میں لانا اور اگر یہ غیر موثر رہیں تو اجرتوں کے فرق، آمدنیوں کے تفاوت اور مصلحت کی عدم مساوات کے ذریعہ تحریکات فراہم کرنا یا سماجی اور مالی و معاشی محرکات کو یک وقت اختیار کرنا۔

(۲۰) سماجی فلاح کی ان چیزوں کی طرف توجہ دینا جو اس ترقیاتی عمل میں مفید و معاون ہیں۔ مثلاً تعلیم و تربیت، پنشن وغیرہ۔

اس حکمت عملی میں نئے وسائل پیداوار کی قومی ملکیت کے کوئی چیز بھی بنیادی طور پر سرمایہ داری کے مزاج سے مختلف نہیں ہے۔ فرق یہ ہے کہ اشتراکیت میں ریاست کے ہاتھوں میں اتنا غیر معمولی اقتدار اور معاشی قوت ہوتی ہے کہ وہ سرمایہ کاری کو اتنی اچھی سطح پر لے جاتی ہے جتنی کسی آزاد معاشرے میں نہیں لے جانی جاسکتی۔ وہ زراعت کو جبر کے ذریعہ صنعتی مقاصد کے تابع کر سکتی ہے اور ضرورت کو ناقابل یقین متک کم کر سکتی ہے۔ ہر گیر منصوبہ بندی اس کو وہ ہتھیار فراہم کرتی ہے جن کے ذریعہ یہ کام انجام پاسکتا ہے۔ اس حکمت عملی میں کچھ فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ لیکن پسماندہ ممالک کو اس کے اس مخصوص مزاج کو سامنے رکھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ راستہ سرمایہ داری

کے راستے سے جس پہلو سے مختلف ہے وہ معیشت میں ریاست کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے معاشی ماہرین کی ایک قابل لحاظ تعداد نے اس راستہ کو ریاستی سرمایہ داری کا راستہ قرار دیا ہے۔ فرق یہ نہیں ہے کہ سرمایہ داری کا ٹیکنیک (Technique) کچھ اور ہے۔ اور اشتراکیت کا کچھ اور فرق یہ ہے کہ سرمایہ داری یہ سب کچھ انفرادی سرمایہ داروں کے ہاتھوں کرتی ہے اور اشتراکیت ایک سرمایہ دار ریاست کے ہاتھوں۔

اشتراکیت اور ترقی پذیر ممالک

ان حقائق کو سامنے رکھ کر اب ہم اشتراکیت کے طریقہ کی مناسبت یا عدم مناسبت کے بارے میں غور و فکر کے لیے چند اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔
۱۔ اصول اعتبار سے اشتراکیت عملی کی نقالی بھی اتنا ہی غیر تخلیقی عمل ہو گا جتنا مغربی ممالک کی نقالی۔ ہم ترقی کے لیے نقالی کو سہم قابل سمجھتے ہیں اور علاقیت کو شرط لازم۔

۲۔ اشتراکیت کے معاشی تجربے کے بارے میں جو کچھ ہم اس مضمون میں پیش کر چکے ہیں وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ انسانی اور تہذیبی نقطہ نظر سے بھی اور خالص معاشی نقطہ نظر سے بھی۔ اس قیمت پر یہ سودا انسانیت کے لیے خصوصیت سے پسماندہ ممالک کے لیے بہت مہنگا ہے۔ اسے کسی پہلو سے بھی ایک کامیاب تجربہ نہیں کہا جاسکتا۔ انسانیت کو ایک دوسرے راستے کی ضرورت ہے جو قیمت کے اعتبار سے ہلکا اور نتائج کے اعتبار سے بہتر ہو۔

(۳) پسماندہ ممالک اور روس کے حالات کا موازنہ کیا جائے تب بھی کچھ ایسے فرق سامنے آتے ہیں جنہیں نظر انداز کر کے کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً

(۱) روس کے پاس وسیع رقبہ، کم آبادی اور غیر معمولی اور ایک حد تک غیر محدود معدنی وسائل تھے، لیکن آج کے پسماندہ ممالک میں اور خصوصیت سے پاکستان میں صورت حال اس سے مختلف ہے۔ ان ممالک میں بالعموم معلوم معدنی وسائل محدود اور آبادی زیادہ ہے۔

(۲) انقلاب کے وقت روس میں بنیادی معاشی ترقی ہر چکی تھی اور عقل معاشی مورخین خود بخیر ترقی (Self-sustained growth) کے مرحلہ تک وہ پہنچ چکا تھا۔ لیکن آج کے پسماندہ ممالک اس مقام سے بہت پیچھے ہیں۔ اشتراکیت صنعت کی پیداوار اور صنعتیت کا شغف ہے۔ لیکن یہ ملک ابھی صنعتیت سے بہت دور ہیں۔ اس پہلو سے اشتراکیت ابھی ان کے حالات سے مناسبت نہیں رکھتی۔

(۳) پسماندہ ممالک کا سب سے بنیادی مسئلہ زراعت ہے۔ زراعت کے سنورنے پر ان کی ترقی کا انحصار ہے اور زراعت کی خرابی سے ان کی تباہی ہے۔ لیکن زراعت ہی اشتراکیت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ روس میں زراعت کے میدان میں اشتراکیت ناکام رہی اور اس کی وجہ تھی کہ صنعتیت (Industrialism) میں محویت کی وجہ سے اس نے نہ صرف یہ کہ زراعت کو نظر انداز کیا بلکہ اسے صنعتی ترقی کے لیے قربانی

کا بکرا بنایا۔ نظریاتی طور پر اشتراکیت زراعت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اس کی اصل دلچسپی صنعت ہنستی مزدور (Proletariat) اور صنعتی ہیئت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف روس ہی میں نہیں بلکہ چین اور مشرقی یورپ کے تمام اشتراکی ممالک میں اس کی زرعی پالیسی ناکام رہی ہے اور اس میدان میں اسے بار بار صرف شکست ہی کا اعتراف نہیں کرنا پڑا بلکہ نئی مراعات بھی دینی پڑی ہیں۔ اشتراکی دنیا میں پو لینڈ زرعی اعتبار سے سب سے بہتر ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اجتماعیت بندی (Collectivism) سے کچھ کم رہی ہے اور آزاد کاشت کاسب سے زیادہ رواج ہے۔ اس پہلو سے پسماندہ ممالک کے لیے اشتراکیت مہلک ہوگی وہ ان کے بنیادی زرعی مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی اور غیر فطری طور پر صنعتی انقلاب کی جو کوشش وہ کرے گی وہ پورے معاشرے کو شدید بحران کا شکار کر دے گی۔

(۵) پلاننگ کے طریقے اور آلات (Techniques) اس وقت کا سیلاب ہو سکتے ہیں جب ایک ملک میں شماریات کا نظام ترقی یافتہ ہو، نقل و حرکت

(Mobility) موجود ہو، علاقائی بعد (Regional Separation)

موجود نہ ہو یا ترقی یافتہ ذرائع نقل و حرکت کی وجہ سے کم سے کم تر ہو گیا ہو۔

انتظامیہ مضبوط اور ترقیاتی رواج لیے ہوئے ہو۔ لیکن ان میں سے ہر

معیار پر پسماندہ ممالک بہت پیچھے ہیں۔ ان حالات میں ان پر اشتراکیت

کے طریقوں کو مسلط کرنے کا نتیجہ پیچیدہ گیوں اور کشاکش (Tension) میں

اضافہ ہی ہوگا اور ہر ملک ایک عجیب غمضہ میں گرفتار ہو جائے گا۔ بعثت

میں ترقیاتی کوششوں کا جوابی عمل (Response) پیدا نہیں ہوگا اور
شمارہ اور جہود روزنامہ ہو جائے گا۔

(۶) اشتراکیت کے طریقہ کی کامیابی کے لیے مزوری ہے کہ حکومت کا نظام مضبوط
ہو، اس کی کارکردگی کا معیار نہایت اعلیٰ ہو، انتظامیہ -----

(Administration) بہت اہل ترقیاتی رجحان کی حامل -----

(Development Oriented) اور منظم ہو اور سرکاری حلقے پر غور و نظر

(Corruption) سے محفوظ ہوں۔ ان میں سے کسی چیز کی بھی کمی پلاننگ

کے نظام کو پہنچانے کرنے کے لیے کافی ہے۔ پسماندہ ملک میں اس پہلو سے

بے مددکن دریاں ہیں اور ان حالات میں وہاں اگر اشتراکی طریقے کو اختیار

کیا جائے تو وہ ناکارہ اور بدعنوان حکمرانوں کو دائمی قلعہ عطا کرنے کا باعث

ہوگا اور کرپشن کی وجہ سے معیشت کی ترقی کی بجگہ صرف ان کی ذاتی ترقی واقع

ہوگی پسماندہ ملک کے حالات میں تو اقتدار کی تقسیم اور قومی محاسبہ کی مضبوطی

ترقی کے مناسب ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کی اشتراکی طریقہ میں کوئی گنجائش نہیں۔

(۷) اشتراکیت کے معاشی راستہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تیزی سے صنعتی بنانے کی

کوشش کی جائے اور اس نظریہ کو بہرہ و قوت مسلط کر دیا جائے۔ ایک نو

نے اسے "Industrialising ideology" کا تسلط قرار دیا ہے۔

نئے مصر اور شام کے حالیہ تجربات اس کا ثبوت ہیں۔

210. See: Nove, Alec, "The Soviet Economy", op. cit.

اس کا شکار صرف کاشت کار ہی نہیں ہوتا بلکہ دستی صنعت کار، گھر پر صنعت
چھوٹا تاجر اور بیوپاری وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ ان تمام گروہوں کو قوت کے
ذریعہ بے اثر کیا جاتا ہے اور اس طرح عوام کی معاشی حالت خراب تر
ہو جاتی ہے۔ نئی قوتیں اپنا اثر قائم کرنے میں بڑا وقت لیتی ہیں لیکن زراعت
کی اور چھوٹے کاروبار اور صنعت کی کر توڑ دینے کے اثرات فوراً درخشا
ہوتے ہیں اور لگاؤ کو بڑھانے کا باعث ہوتے ہیں۔

(۹) نیز معاشیات کے بنیادی قوانین کو نظر انداز کرنے مثلاً مارکٹ کے نظام اور
معاشی حساب کاری کے نتائج لیے عرصے میں اچھے نہیں نکلتے۔ محض پیش
اور جذبہ اور مہم کاری اور پروپیگنڈے کے ذریعہ کام چلایا تو ہاں سکتا ہے۔ لیکن
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں۔ اس کے نتیجہ میں جو اضعاف رونما ہوتی ہے
پسماندہ ممالک سے انگیز نہیں کر سکتے۔

ان نکات کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دوسری عجز آج کے
پس ماندہ ممالک کے لیے مشعل راہ نہیں بن سکتا یہ سیاسی استبداد اور معاشی
الٹنیں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ غیروں کی غلامی سے نکل کر یہ ممالک اپنوں کی
غلامی میں مبتلا ہو جائیں گے اور معاشی مسئلہ بھی حل نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ خالص امر کی اور برطانوی راستوں کی پیروی کے
معاشی ترقی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں اور نہ اشتراکی طریقے کو اختیار کر کے۔

اسے آزاد معیشت کا طریقہ ان ممالک کی اکثر کچھ ہی رہنمائی نہیں کرنا اور کلیتہاً

انہیں ایک اور ہی راستہ اختیار کرنا ہوگا جو ان کے حالات سے مطابقت رکھتا ہو۔ ان کے عوام میں حقیقی حرکت پیدا کر سکتا ہو، سیاسی نظم اور استبداد سے پاک ہو اور ترقی اور انصاف کے حصول پر متفق ہو۔ ہماری نگاہ میں یہ راستہ اسلام کا راستہ ہے جو سرمایہ داری اور اشتراکیت ہر دو سے مختلف ہے۔ لیکن ابھی اس پر گفتگو قبل از وقت ہے، فی الحال تو ہم اس نتیجہ سے صحت نظر نہیں کر سکتے کہ اشتراکیت ہمارے مسائل کا حل نہیں ہو سکتی۔

’اومی‘ منصوبہ بندی کا راستہ اس کام کی انجام دہی مشکل طرح نہیں کر سکتا۔“

Higgins, Benjamin, *Economic Development*, Norton and Co., New York, 1959, p. 456.

اس موضوع پر دونوں طرف کے نقطہ نظر کے مطالعہ کے لیے مندرجہ بالا کتاب کے علاوہ ملاحظہ ہو۔

See: Nove, Alec, *The Soviet Economy*, op. cit., p. 304
 Hiechman, Albert O., *The Strategy of Economic Development*, Yale University Press, New Haven, 1958. Baner P., *United States Aid and Indian Economic Development* Nove, Alec, "The Soviet Model and Under-developed countries" *International Affairs*, London, January 1961.

مارکسی اشتراکیت اور روسی اشتراکیت

اشتراکیت کو جاننے کا ایک اور معیار یہ ہے کہ اسے خود اس کے نظری معیار پر پرکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ جن اصولوں کو اس نے پیش کیا تھا ان پر کہاں تک عمل کیا ہے؟ اس پہلو سے روسی اشتراکیت کا مطالعہ بڑا معنی خیز اور عبرت انگیز ہے۔ روس کی تاریخ ہدیہ اشتراکیت کے اتباع اور اس سے انحراف کی لی ہوا کتاب ہے۔ خالص مارکسی نقطہ نظر سے روسی اشتراکیت کے بے شمار معاملات کی کوئی تو جہیہہ کی نہیں جاسکتی بلکہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ روس جو کچھ کر سکا اس میں اشتراکیت کے اصولوں پر عمل کا اثنا حصہ نہیں ہے۔ بتانا ان کو ترک کرنے اور ان سے انحراف کا ہے۔

اشتراکی اصول انقلاب کی تردید

اشتراکی فلسفہ تاریخ کی روسے اشتراکیت سرمایہ داری کی پچھلی اور اس کے عروج و زوال کے بعد رونما ہوتی ہے۔ لیکن روس میں اشتراکی انقلاب سرمایہ داری کے دور کی تکمیل کے بغیر ہی رونما ہو گیا۔ ابھی وہاں سرمایہ دارانہ نظام رو بہ فروغ تھا۔ صنعتی انقلاب اپنے اجتماعی مراحل سے گزر رہا تھا اور مزدور کا طبقہ تشکیلی دور سے گزر رہا تھا۔ ان حالات میں اشتراکی انقلاب رونما ہوا۔ اس

نے ایک طرف مارکس کے نظریہ تاریخ و انقلاب کی تردید کی اور دوسری طرف اس پر بے عمل کو غلط کر دیا جس سے اس کے خیال میں اشتراکیت کو گزند نہ تھا۔ یہ روس میں اشتراکیت کا پہلا گناہ ہے اور نہ معلوم کب تک روسی اشتراکیت اس کی تلافی کرتی اور کفارہ (Atonement) ادا کرتی رہے گی۔

اشتراک کی نظریہ کی روسے انقلاب کا ذریعہ مزدوروں کا طبقہ ہے۔ جب وہ اتنا مضبوط ہو جائے گا کہ سرمایہ داری کے اندرونی تناقضات سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور سرمایہ داری کا انحطاط اس کی بغاوت اور ایک آخری مزب کے لیے مناسب موقع فراہم کر دے تو پھر مزدوروں کے ہاتھوں تبدیلی رونما ہوگی اور وہ حکمران قوت کی حیثیت سے ابھر آئیں گے۔ اس وجہ سے مارکس نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ انگلستان میں اشتراک انقلاب سب سے پہلے رونما ہوگا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں صنعتی انقلاب سب سے پہلے رونما ہو رہے ہیں۔ سرمایہ داری اپنی تکمیل کو سب سے پہلے پہنچی اور مزدوروں کی قوت اور تعداد

-
212. See: Carew Hunt, R.N., *The Theory and Practice of Communism*, op. cit., Part III; Rauch, George Von, *A History of Soviet Russia*, F.A. Parager New York, 1961, Prologue and Ch. I; Plamenatz, John, *German Marxism and Russian Communism*, Longmans, Green and Co., London, 1954, Part II.

سب سے زیادہ موثر تھی۔ لیکن یہ تاریخ کا ایک عجیب و غریب طنز (Irony) ہے کہ جہاں بھی اشتراک کی انقلاب رونما ہوا ہے وہاں مزدوروں کے ہاتھوں نہیں فوج کے ہاتھوں یا اس کی مدد سے رونما ہوا ہے۔ روس میں پہلی جنگ کے آخری زمانے میں فوجی بغاوتوں نے اشتراک کی انقلاب کی راہ ہموار کی اور ”جنگی اشتراکیت“ (War communism) کے پورے دور میں جو دراصل ۱۹۱۸ء۔

سے ۱۹۲۴ء تک پھیلا ہوا ہے روس کے بیشتر علاقے فوجی تینر کے ذریعہ داخل اشتراکیت کئے گئے۔ چین کا انقلاب دو فوجوں کی جنگ کے نتیجے میں برپا ہوا۔ مشرقی یورپ کے تمام اشتراک کی ممالک میں تبدیلی روسی فوج کی فتوحات کے زیر سایہ رونما ہوئی۔ اشتراک کی اصول انقلاب یہاں بھی ناکام رہا اور خود اشتراکیت کو اپنے نظریہ میں دم اڑکے ظاہری طور پر، یہ تبدیلی کرنی پڑی کہ روس اور چین دونوں جگہ انہوں نے بطور انقلابی قوت کے مزدوروں اور کسانوں سے کام لیا اور روسی دستور میں بھی کسانوں کا ذکر شامل کیا گیا حالانکہ مارکس کی فکر میں کسان کا کوئی مقام نہیں ہے اور وہ انہیں ایک انقلابی قوت تسلیم نہیں کرتا۔

قومی ملکیت اور ذاتی ملکیت

اشتراکیت کا سب سے بنیادی اصول قومی ملکیت ہے۔ اشیائے مصرف میں نجی ملکیت کو عبوری دور کے لیے اشتراک کی نظریہ قبول کرتا ہے۔ لیکن وسائل پیداوار کی نجی ملکیت کے لیے اس نظریہ میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراک کی پروگرام کا اول و آخر قومی ملکیت کو قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس

پہلو سے روس نے کیا کیا۔ سمجھتے کیے ہیں، ان کی داستان بڑی عبرت انگیز ہے۔ ہم صرف چند ضروری پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ روس کا دستدر خمی ملکیت کا اسی طرح تحفظ کرتا ہے جس طرح امریکہ کا دستور۔ اس فرق کے ساتھ کہ روس میں نجی ملکیت پر اجرت پر کام نہیں لیا جاسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں روس میں صرف اشیائے صرف (Consumers goods) ہی کی نجی ملکیت نہیں ہو سکتی بلکہ وسائل پیداوار کی بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان پر دوسروں کی محنت سے کام نہ ہو۔ ایک شخص اور اس کا خاندان وسائل پیداوار اپنی تحریک میں رکھ سکتا ہے۔ اس پر کام کر سکتا ہے، حاصل پیداوار کو اپنے استعمال میں لے سکتا ہے اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ یہ تمام چیزیں قانوناً ممنوع نہیں ہیں، البتہ ان پر ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض ذاتی ملکیت یا وسائل پیداوار کی ذاتی ملکیت ممنوع نہیں ہے صرف وہ ذاتی ملکیت ممنوع ہے جو محنت کے انتفاع (Exploitation of labour) پر منتج ہو۔

(۱) زراعت میں نجی ملکیت موجود ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں ان کی تعداد ۲ کروڑ ۵۸ لاکھ تھی اور گودہ کل زیر کاشت رقبہ کا صرف ۴-۱ تھے لیکن کل زرعی پیداوار کا ۳۲ فی صدی ان نجی کھیتوں سے حاصل ہو رہا تھا۔ آؤ کہ پیداوار کا ۶۰ فی صدی ان کھیتوں سے حاصل ہو رہا تھا۔ دودھ کا ۵۰ فی صدی یہ

فراہم کر رہے تھے اور انڈوں کا ۸۰ فیصدی۔^{۲۳} (۱۹۶۱ء) اشتراکی پارٹی کی بائیسویں کانفرنس (۱۹۶۱ء) کے موقع پر جو نیا قانون نافذ ہوا ہے اس کی رو سے ایک شادی شدہ جوڑا اپنا ذاتی مکان رکھ سکتا ہے۔ ہر شہری ایک خاصی تعداد جانوروں کی رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح کارڈیفیجر، ٹیلی ویژن، کپڑا دھونے کی مشین اور اس نوعیت کی دیرپا اشیا (Durable goods) بھی ذاتی ملکیت میں رکھے جاسکتے ہیں۔

غیر کسی آمدنی کا رواج

بات صرف ذاتی ملکیت ہی تک نہیں بلکہ اب یہ ذاتی ملک قانون وراثت کی رو سے ورثہ کی طرف منتقل بھی کی جاسکتی ہے۔ وراثت کو انقلاب کے فوراً بعد ختم کر دیا گیا تھا۔ ۲۷ اپریل ۱۹۱۸ء کے قانون کی رو سے^{۲۴} وراثت — خواہ

213. See: *Crisis in World Communism*, op. cit., p. 42.

Newth J.M., "The Private Sector of Soviet Agriculture" *Soviet Studies*, October 1961 and April 1962; Vigor, P.H., *A Guide to Marxism and Its Effects on Soviet Development*, Faber and Faber, London.

214. Decree of April 27th (14) 1918 V. Ts.I.K. All Union Central Executive Committee.

بذریعہ قانون ہیرا بذریعہ وصیت — منسوخ کردی گئی تھی اور ایک شخص کی موت پر اس کا تمام ترک حکومت کی ملک میں اکٹھا تھا البتہ سماجی فلاح کے قانون کے تحت ایک ریگنٹائش رکھی گئی تھی کہ وصیت کے ذریعہ (Dependents) کو ترکہ میں سے اعانت ملتی رہے گی۔ پھر ۱۹۱۹ء میں شائع زندگی، سرمایہ اور آمدنی کا بیمہ (Insurance) ختم کر دیا گیا۔ لیکن ۱۹۳۶ء کے دستور میں (دفتر ۱۰) وراثت کے قانون کو بحال کر دیا گیا اور آخری وصیت کے ذریعہ ہر شہری کو غیر محدود املاک کی وصیت کا حق دے دیا گیا۔ زندگی کا بیمہ بھی شروع کر دیا گیا اور سرکاری بیمہ ٹرسٹ (GOSSTRAKH) کی طرف سے پرچوں میں بیمہ کی ترغیب کے لیے اشتہارات بھی آنے لگے۔ اس بیمہ میں اب کم سے کم رقم (Premium) ہینڈ رویل رکھی گئی ہے اور شخص متعلقہ کی موت پر یہ رقم اس کے ورثہ داروں کی جابائے گئی۔ اب بڑے لوگوں اور امیر کامیڈوں کی اولاد اسی طرح سونے کا بچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتی ہے جس طرح امریکہ اور بھارت میں۔ وراثت کے ذریعہ اولاد کو اور بہت ہی محدود دائرہ میں بڑی بڑی رقم ملتی ہیں۔

اشتہار اکیت غیر کمائی (Unearned income) کی شدید مخالفت ہے

215. Decree of November 18th 1919, Code of Laws.

56-542.

میں مثال کے طور پر ملاحظہ ہو میر کا اشتہار "Literature Isskustvq" میں

مورخہ ۱۹۲۳ء

اور اسے تمام انتفاع کی بڑا قرار دیتی ہے اسی لیے وہ وسائل پیداوار میں نجی ملکیت کو ختم کرنا چاہتی ہے تاکہ سرمایہ پر سود یا منافع اور زمین پر لگان ختم ہو جائے اور ہر شخص صرف محنت کے ذریعہ اپنی مزدوری کما سکے۔ لیکن دوسری اشتراکیت نے اس اصول کو بھی بہت سخت اور مشکل العمل پایا اور بالآخر غیر کہیں آمدنی کے بجائے درآمد سے کمزور دیتے۔ صرف چند مثالیں:

۱) وزارت کے ذریعہ ملنے والی رقوم اور مالی غیر کہیں ہوتا ہے اور اسے دوسری اشتراکیت نے جائز کر دیا ہے۔

۲) بڑے لوگوں کی موت پر ان کی اولاد کے لیے خصوصی امداد کا طریقہ رائج کیا گیا ہے۔ ایک عام مزدور کے وراثت کو قانون کے ذریعہ ۲۰ سے ۶۰ روپل ماہانہ بطور امانت ملتے ہیں اور بڑے آدمیوں کی اولاد کو کم از کم ہزار روپل ماہانہ اور لاکھوں روپل کی ایک مشقت امانت انوارت کی وضاحت کے لیے صرف ایک سرکاری اعلان کا متن ہم دیتے ہیں۔

۳) ہوائی جہاز ڈیزائن کرنے والے کامریڈ ایمن ایم۔ لہلی کرپو

۴۱۷ سے ۸۔ جنوری ۱۹۳۸ء کے فرمان و بحوالہ مجموعہ قوانین ۱۹۳۹ء نمبر ۱) کی رو سے سعدنی صنعت میں کام کرنے والے ایک عام مزدور کے خاندان کا گریڈ بچہ ہے تو ۳ روپل ماہانہ اور اگر وہ یا زیادہ بچے ہیں تو ۴ روپل ماہانہ پیش ملے۔ خطرناک جگہوں پر کام کرنے والے مزدوروں کے خاندان کو ۶ روپل اور ہندو ملی الترتیب ملیں گے۔

(Polikarpov) کی موت پر، جو سوشلسٹ محنت کا ہیرو اور
 سپریم سوویٹ کارکن تھا حکومت نے طے کیا ہے کہ اس کی بیوی اور
 بچی کو ایک لاکھ روپل کی رقم ملے۔ اس کی بیوی کو تمام عمر کے لیے ایک
 ہزار روپل ماہانہ، اس کی بچی کو ۵۰ روپل ماہانہ اس وقت تک کے لیے
 جب تک وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کرے اور اس کی بہن کو تمام عمر کے لیے
 ۴۰ روپل ماہانہ دے دیے گئے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ شخصی مس لولہ کر لہو جس خاندان میں پلے گی اس کے پاس
 ترکہ کے علاوہ ایک لاکھ روپل کا سرمایہ اور ۲ ہزار روپل ماہانہ کی آمدنی ہوگی۔ اور اشتراکی
 نظریہ کی رو سے یہ سب غیر کمی آمدنی ہے!

(۱۱) اپنی ذاتی بچت کو ہر شخص یک میں رکھ سکتا ہے اور اس پر ۲ فی صدی سود
 وصول کر سکتا ہے۔ سرمایہ کو سرکاری ہونڈ اور شکات کی شکل میں رکھا جاسکتا ہے
 اور اس پر بھی مستقل آمدنی ہوتی ہے۔ حکومت اشتہار دے کر لوگوں کو اس
 سرمایہ کاری کی ترغیب دیتی ہے اور سود کی ضمانت دیتی ہے۔ یہ رقم مرکزی بینک
 کی ۹۹ ہزار شاخوں میں رکھی جاسکتی ہے۔ ایسے لوگ بھی ہزاروں کی تعداد میں
 ہیں جن کے پاس لاکھوں روپل کی مالیت کے شکات ہیں۔ ۱۹۴۳ء میں
 روسی اخبارات میں پہلے پروتاریہ لکھتے تھے (Proletarian Millionaire)
 کہ خبریں شائع ہوتیں اور اسے بھی ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے پیش

کیا گیا۔ یہ امر ازماز قسطنطنیہ کے ایک سرکاری کیمیت کے ڈائریکٹر کا سرٹیفکٹ برٹشائی بیکوٹ (Berdyebekov) کو حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد اب بہت سے کھوپتی موجود ہیں جن کا لاکھوں اور کروڑوں روپل حکومت کے پاس بطور قرض تسکات کی شکل میں ہے اور جن کو اس پر لاکھوں روپل سود کے مل چکے ہیں ^{۱۹۱}۔

غیر کبھی آمدنی کا ظہور اور اس کا فروغ اصل اشتراکیت کی موت ہے۔

محنت کا استحصال

اشتراکیت کا ایک اور بنیادی اصول دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت ہے۔ ان کی استحصال کی کلاسیک تعریف یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اس طرح اپنے تصرف میں نہ لائے کہ اس کی محنت سے خود فائدہ اٹھائے مگر

219. See : Koestler, *The Yogi and the Cocomisar*, op. cit. p. 159-166 ; Arnold, Arthur Z., *Banks, Credit and Money in Soviet Russia*, Columbia University Press, New York, 1937 ; Hardt, John., "Industrial Investment in the USSR", *Comparisons of United States and Soviet Economics*, op. cit., Landarar, Car, *Contemporary Economic Systems*, Lippincott Co, Philadelphia, 1964, pp. 239-245.

روس میں قانوناً محنت کا استحصال ممنوع ہے لیکن قانون ہی کی رو سے صرف اہل خانہ ان کی محنت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے ایک خاندان کی محنت سے حاصل کی ہوئی پیداوار کو بازار میں فروخت کرنے کی اجازت ہے بلکہ شوفر، باورچی اور گھر کے غلام اتنا اور مالی وغیرہ کو بطور ملازم بھی رکھا جاسکتا ہے۔
طبقاتی استحصال

اشتراکیت ایک غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنے کی مدھی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں وہ اشتراکیت کے اولین دور میں ایک طبقاتی اور آخری دور میں غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے۔ لیکن روس میں طبقاتی تقسیم کو ختم نہیں کیا جاسکا۔ نظری طور پر بھی وہاں دو طبقات کا سرکاری طور پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ اشتراکی پارٹی کے مالیہ پروگرام میں اس امر کا اعتراف ہے کہ کمیونسٹ لیگنیں میں اب دو دوست طبقات (Classes) پائے جاتے ہیں۔ مزدور اور کسان۔^{۲۲۰} اسی طرح وہاں کا شعبہ شماریات کمیونسٹ معاشرہ کی طبقاتی تقسیم کے ذیل میں بھی دو جداگانہ طبقات - مزدور اور کسان کا تذکرہ کرتا ہے۔^{۲۲۱}

220. Vide, Vigor, *A Guide to Marxism*, op. cit. p. 191-92.

221. "Programme of the Communist Party of the Soviet Union"

222. See for instance, *Narodnoye Khovyaistro USSR* 1961, Moscow 1961, p. 27 vide Vigor, op. cit. p. 192.

یہ تو متحی سرکاری اور نظری پوزیشن۔ اس کی رو سے ایک طبقہ کا استحصال دوسرے طبقے کے ہاتھوں ممکن ہے۔ کم از کم اشتراکی فلسفہ سماج کی رو سے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں طبقات دوست طبقات نہیں بلکہ فی الحقیقت متضاد طبقات ہیں۔ روس کے کسانوں نے وہاں کی صنعتی ترقی کی قیمت ادا کی ہے۔ وہ وہاں کی سماجی فلاح کی اسلیم کے ثمرات سے محروم ہیں۔ ان کو پنشن کے حقوق حاصل نہیں۔ روس کے شہروں میں رہنے کے لیے جن شاعنی کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ان کو برا آسانی نہیں ملتے اور اگر ملتے بھی ہیں تو ان کو شہریوں کے برابر نہیں سمجھا جاتا، بلکہ برابر انہیں امتیازات کا نشانہ بنایا جاتا ہے نیز تنخواہوں اور دوسری سہولتوں اور مراعات کے باب میں ان کو ثانوی درجہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح حقیقت یہ ہے کہ جن گروہوں کو سرکاری طور پر دو طبقات مانا گیا ہے ان میں سے ایک دوسرے کا استحصال کر رہا ہے۔

پھر استحصال کی صورت یہی صورت نہیں ہے، قومیتوں (Nationalities)

کا استحصال بھی بہت بڑے پیمانے پر کیا جا رہا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر حکمران گروہ اور پارٹی خود ایک طبقہ بن گئے ہیں جن کے مقابلے میں باقی تمام آبادی بے بس اور مجبور ہے۔ کوئی نہیں جو کھلے بندوں اس طبقہ کو چیلنج کر سکے۔ اس کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی اقتدار مغرب و نیلے کے سرمایہ داروں سے کم نہیں زیادہ ہی ہے۔ اشتراکیت یہ سمجھتی تھی کہ ملکیت تبدیل ہونے کے بعد استحصال ختم ہو جائے گا مالاںکہ ملکیت تبدیل ہونے کے باوجود تصرف کا کل اختیار ایک مخصوص گروہ کو حاصل رہا اور اس کے ہاتھوں دوسروں کا

خود مزدور طبقہ کا استحصال بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

بالواسطہ ٹیکس

اسی طرح بالواسطہ ٹیکس کو سمجھئے۔ مارکس کی فکر میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔ یعنی نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ بالواسطہ محصول دراصل غریب پر محصول ہوتے ہیں۔^{۲۷۷} لیکن روس میں سرکاری بجٹ کا ۸۰ فی صدی سے بھی زیادہ بالواسطہ محصول کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کا بار عوام پر اور خصوصیت سے مزدوروں، کسانوں اور مریخی آبادی پر پڑتا ہے۔

معاشی محرکات

اشتراکیت معاشی اور مالی محرکات کی مخالفت محض اور یہ سمجھتی تھی کہ آمدنیوں کی مساوات معاشرتی بدل کے لیے ضروری ہے نیز سماجی اور اجتماعی محرکات بذریعہ عمل اور تفریق کا کے لیے کافی ہوں گے۔ مینن نے انقلاب سے قبل کہا تھا کہ انتظامیہ کے اُنچے سے اُنچے فرد اور ایک معمولی تربیت یافتہ کارکن کی تنخواہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ لیکن اس کی جو تفسیر روس کے نظام میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بقول اسٹالن اجمرتوں کی مساوات کا مطالبہ کرنا بورژوائی مطالبہ اور اشتراکیت دشمنی ہے۔ ان تمام چرچی کے اشتراکیوں کو جو مساوات کے قائل تھے ایک ایک کر کے ختم کر دیا گیا اور جو نظام قائم کیا گیا اس میں اتنی ہی عدم مساوات ہے جتنی برطانیہ اور دوسرے سرمایہ دارانہ ممالک ہیں۔^{۲۷۸} اس

سلسلہ کی کچھ تفصیل ہم اوپر کے صفحات میں دے چکے ہیں جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قوم پرستی کا احیاء

معاشرتی محرکات کے علاوہ اشتراکیت نے تجربہ سے یہ بھی محسوس کر لیا ہے

۱۔ امتیاز پرست ریاست (Meritocracy) جیسے سوئٹ سماج میں حقیقتی کسی آمدنی میں دلچسپی کے بعد زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم کے درمیان فرق و تفاوت بلاشبہ اس سے زیادہ ہے جو انگلستان اور اسکاٹ لینڈ پر یا کے ممالک میں پایا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے برابر جو امریکہ میں رائج ہے۔ سوئٹ روس کے قائد یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ آدمی محرکات ہیں اس لیے انہوں نے ایک محرکات سے جبری جمہوری ریاست (Incentive State) بنائی ہے اور بلا واسطہ محصول کے ذریعہ اس کے نتائج میں خزانہ کے بھی حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے بلاشبہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ کم سہولت صرف انفرادی ملکیت ہی کی پیدا کردہ نہیں ہوتی یہ میرا اپنا یقین ہے اور معلوم شماریات اور چشم سر دونوں کی شہادت یہ ہے کہ مفت تعلیم، پیراں مالی کی فیشن و زراعت سے سوا، اور دوسری سماجی خدمات کے باوجود وہاں عدم مساوات کو ان حدود سے بہت دور تک بڑھا دیا گیا ہے جو ایک ملک کے شہریوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہیں۔

Jay, Douglas, Socialism in the New Society,
Longmans, London, 1962, p. 16 17.

کہ اسے آذربائیجان کے گورنر قومیت کے جذبات کی ضرورت سے بڑھایک ملک میں انقلاب سے جو تحریک شروع ہوئی تھی وہ جنگ عظیم ثانی کے دور میں خالص قوم پرستی پر منتج ہوئی اور سارا انقلابی جوش حقیقت پسندی کے آئینہ پر ہوا ہو گیا۔ اس سلسلہ میں اشتراکیت کی مروجہ پرستی اور قومیت کے نئے شکست کی صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(i) اشتراکیت کی بین الاقوامی تنظیم کو مغربی ممالک کے اثر کے تحت باقاعدہ طور پر ختم کیا گیا۔ یہ گویا ایک مالگیر تحریک کے تصور سے مراجعت اور قوم پرستی کے لیے زمین ہموار کرنے والا پہلا قدم تھا۔

(ii) جنگ کے زمانہ میں جرمنی کے نسل پرستانہ نعروں کے مقابلہ میں روس نے سلیو سل کا نعرہ بلند کیا۔ ۱۹۴۱ء سے تقریباً ہر سال روس میں (All Slavic) کا گریں منعقد کی جاتے تھے۔ "دنیا کے مزدوروں کی سرزمین" اب سلیو سل کی قاعدہ بن گئی تھی اور اس کی فوج سلیو اقوام کی دائمی فوج قرار دی گئی!

(iii) فوج کا عہدہ (Oath) بھی تبدیل کر دیا گیا ۱۹۴۹ء سے پہلے فوجیوں کا عہدہ یہ تھا۔

"میں عہد کرتا ہوں کہ اپنے قول و فعل سے مزدوروں کی ترقی کے عظیم مقصد کے لیے کوشاں رہوں گا اور میں عہد کرتا ہوں کہ سویت یونین، سوشلزم اور تمام انسانوں کی اخوت کے لیے لڑوں گا۔"

۱۹۴۹ء کے بعد نیا عہد صرف یہ تھا۔

میں اپنے آخری سانس تک اپنے مادر وطن اور حکومت
کی خدمت کروں گا۔^{۲۲۵}

(۱۷) ۵ مارچ ۱۹۴۴ء کو بین الاقوامی ترانہ ترک کر دیا گیا، عظیم روس کی بڑائی
اور عظمت کے بیان میں ایک نیا ترانہ اختیار کر دیا گیا۔

(۱۸) قبل انقلاب کے دور کے فار روس کے فوجی جرنیلوں کی شان میں تصدیق
کا از سر نو آغاز ہوا۔ انہیں قومی ہیرو کی حیثیت سے پھر پیش کیا جانے لگا۔
جنہیں کل تک سامراجی اور دور غلامی کے بھاڑے کے ٹٹو

(Mercenaries) کہا جاتا تھا اب ان کے نام کے اعزازات جاری کیے
جانے لگے۔ ۲۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو ہزاروں کے دورے کے جرنیل سو فرفورٹ

(Suvorov) کیوٹوزو (Kutuzov) اور ایگنڈینسکی (Nevsky)
کے ناموں کے اعزازات جاری کئے گئے اور بالآخر ۹ جنوری ۱۹۴۳ء کو فوجی
افسروں نے ان جھبٹوں (Epaulettes) کا از سر نو استعمال شروع کر دیا جو
وہ زاروں کے دور میں اپنے کندھوں پر لگاتے تھے۔

(۱۹) شروع کے دور میں جس مدرسہ کا طوطی بولتا تھا اور جس کی کتب نصاب
میں شامل تھیں وہ پوکروفسکی (Pokrovsky) تھا۔ اس نے شخصیت پرستی
کی جگہ خالص مارکسی انداز میں پورے تاریخ کو پیش کیا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں اس کو ہٹا

225. Vide Koestler, *The Yogi and the Commissar*, op. cit., p. 196.

دیگیا اور اس کی جگہ شیتا خوت (Shestakov) نے لے لی جس کی تاریخ ۱۹۳۶ء میں داخل نصاب ہوتی اور جس کا امتیازی نشان یہ تھا کہ ہم اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں، ہمیں اس کی عظیم تاریخ سے واقف ہونا چاہیے۔ پڑھی تاریخ کو دوبارہ قومیت اور اقتدار پرستی کے رنگ میں بیان کیا گیا اور اس میں یہاں تک پہنچے کہ مترجموں ادا مختار جویں مدی کے وہ مزدور لیڈر جنہیں آج تک انقلاب کا ہراول دستہ کہا گیا تھا۔^{۲۲۶} اب ان کی اہمیت باقی نہیں رہی بلکہ وہ قابل ذکر ریاست داں بھی نہ رہے اس لیے کہ ان کی تحریکات میں لیرے بھی شامل تھے۔

(۷۱) اس زمانہ میں جو نئے ہیرو قوم کے سامنے پیش کئے گئے ان میں نہ مارکس کا نام تھا نہ ایجنل کا، نہ لینن کا اسٹالن کی، نومبر ۱۹۱۷ء کی یوم انقلاب کی تقریروں شروع ہوتی ہے۔^{۲۲۷}

”تم اس جنگ میں ہمارے عظیم پیش رو ایگزیڈر نیرسکی، ڈی میٹری دیونسکو، کوزما مینین دی میٹری پوٹو ہارسکی، ایگزیڈر سورفوت اور میک ہائیل کوٹزوف کے ناموں سے ہمت اور رہنمائی حاصل کرو گے۔“

یہ چھ شخصیتیں زمانہ جنگ میں اصل ہیرو بنے۔ ان میں سے چار شاہزادے

^{۲۲۶} Stenka Razin Bulavina and Emelyan Pugachov

تھے، ایک پادری تھا اور ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو نام نہاد ترقی پسندی کا کسی درجہ میں بھی حامی رہا ہو، لیکن نئے خدا اب بھی قرار پاتے۔ حالانکہ یہی وہ لوگ تھے جن کی ماضی میں ذرا سی تعریف بھی ایک کتاب کی جھٹلی کے لیے کافی تھی۔^{۲۲۸}

(vii) یہی قوم پرستانہ رجحان اب وثقاقت کے داترے میں ردنا ہوا۔ ۱۹۴۲ء کے پاراٹھان پرائز پانے والے ناول یہ تھے: دیور دوان کی شہزادہ دی میٹری ولسکوئی کی سوانح، انتونو سکی کی کتاب عظیم مورامی۔ دیور جیا کا ایک قومی ہیرو یان کی "تینگیز خان" اور اسیروں برگ کی سقوط پیرس "نظم کے لیے اسٹائن پرائز گویو کو گیا جس کی مشہور ترین نظم یوں شروع ہوتی ہے۔

تیس ایک روسی جہان ہوں، ماسکو کا چلوت، عظمت روس کا وارث۔"

قوم کو ہر قدم پر روسی قومیت کی شراب پلائی جا رہی ہے اور اشتراکیت

۲۲۸ دامخ رسچے کو زما لینین وہ ہستی ہے جس کے بارے میں سویت انسائیکلو پیڈیا (۱۹۳۰ء) یہ لکھ چکی تھی کہ اس کو بورژوازمورخین نے مقدس ماہر روس کے لیے لڑنے والا اور ایک فوجی ہیرو بنانے کی کوشش کی تھی۔ شہزادہ پٹر ہارسکی نے پالینڈ کے خلافت ۱۹۲۶ء میں فوجی رہنمائی کی تھی، شہزادہ سوفوروف نے انقلاب فرانس سے ملکہ کی تھی اور ہرزوروف کی بغاوت کو کچلا تھا، شہزادہ کوٹوزوف وہ ہے جس نے کسانوں کی بغاوت کو ختم کیا تھا اور شہزادہ دولسکوئی ملگلوں سے لڑا تھا اور پرانی روسی چرچ کا ایک لیننٹ تھا۔

کی جگہ روس کی عظمت کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ مثلاً ایک نصابی کتاب سے جو اساتذہ کے تربیتی اداروں میں پڑھائی جاتی ہے یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔
 * روسی عوام کی خدمات غیر معمولی طور پر عظیم ہیں۔ صرف سویت یونین کے عوام ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے روسی عوام کی تاریخ ان کی سیاسی سوچ و بوجھ، عسکری جرأت، اور عبقریت کا میں ثبوت ہے۔ ہمارے جرأت مند عوام کی تاریخ سے ان حقائق کو طلباء کے سامنے بڑی عرق ریزی کے ساتھ پیش کیا جانا چاہیے تاکہ ان کے دلوں میں ان انقلابی اور ترقی پسند چیزوں کے بارے میں جذبہ قائم پیدا ہو جن سے ہماری تاریخ مالا مال ہے۔ ۱۹۲۹ء

یہ ہے وہ المیہ جس سے اشتراکی بین الاقوامیت اور عالمگیریت دو پار ہوئی۔ بین الاقوامی تحریک مانند پگانی اور قومیت کے عفریت نے سراٹھایا۔ یہی وہ بنیادی روگ ہے جو عالمی اشتراکیت کو گھسن کی طرح کھاتے جا رہا ہے۔ پہلے روس میں قومیت نے رنگ جمایا۔ دوسری جنگ کے بعد دوبارہ اس تحریک کو کچھ عالمگیر رنگ دینے کی کوشش کی گئی لیکن سب سے پہلے یوگوسلاویہ نے بغاوت کی اور اپنے قومی دھود کو منوایا۔ یہ اشتراکی پرڈسٹنٹر کی ابتدا تھی۔ پھر چین، رومانیہ اور ایبانیہ نے بھی یہی راہ اختیار کی۔ آج روس اور امریکہ

تو جھوٹ لائق ہے اور بین الاقوامی امور میں باہمی تعاون۔ لیکن چین اور روس ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں اور دونوں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ پر کھڑی ہیں۔ چین کا الزام ہے کہ روس بوردووا ہو گیا ہے اور اشتراکیت کو ترک کر چکا ہے۔ وہ سامراجی عزائم اپنے سینے میں پال رہا ہے اور سامراجیوں سے تعاون کر رہا ہے۔ پچاس سال کے اندر اندر ایک نظریہ کالیوں ابھرا اور پھر اسی طرح اپنی ہر چیز کو ترک کر دینا اشتراکیت کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔ اشتراکی کھج جن باتوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اپنی سرخ جنت میں وہ ان میں ایک ایک کر آکر رد کر چکے ہیں۔

سیاسی موقع پرستی

سیاسی تعلقات میں بھی کسی اصول پرستی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ پہلی جنگ میں اشتراکیوں نے تادان جنگ (War Reparations) کو ایک سامراجی ظلم کہا تھا اور ان کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ دوسری جنگ کے بعد روس نے خود تادان جنگ وصول کیا۔ جرمنی فاشزم کی شدید ترین لہز میں مخالفت کی گئی اور اسے سرمایہ داری کی آخری اور بدترین شکل کہا گیا لیکن جب مفاد نے تقاضا کیا تو اس جرمنی سے معاہدہ کیا گیا، اس کا قومی ترانہ ماسکو کے جوائی اڈہ پر گایا گیا اور جنگ کے پہلے دو سال اس سے پورا پورا تعاون کیا گیا اور اس تعاون کے ذریعہ پر لینڈ پر اپنا حق منوایا گیا۔ بین الاقوامی معاہدات کے بارے میں بھی روس کا رویہ نہایت موقع پرستانہ رہا ہے۔

تازہ ارتداد

اس سلسلہ کی تازہ ترین چیز وہ بنیادی معاشی اصلاحات ہیں جو اس وقت روس میں اور پورے مشرقی یورپ میں چھو رہی ہیں۔ ان اصلاحات کی پشت پر کام کرنے والی چیز یہ ہے کہ مارکٹ کے نظام کو ختم کرنے کے بعد اشتراکیت کے پاس معاشی حساب کاری کا کوئی معروضی طریقہ باقی نہیں رہتا منصوبہ بندی کے ذریعہ وسائل کی تقسیم کا کام انجام دیا گیا لیکن ایک مدت کے تجربے نے بتایا کہ رمداد و طلب کی فطری قوتیں اپنا روپ سنوا رہی ہیں، مصنوعی قیمتیں ایک سنگ تو کام دیتی ہیں لیکن اس کے بعد نئی پیچیدگیوں کو جنم دینے لگتی ہیں۔ ملک کا مسئلہ بھی رونما ہوتا ہے اور وسائل اور پیداوار میں عدم آہنگی کا بھی۔

اجرتوں کے فرق کے باوجود معاشی محرکات کا مسئلہ پورے طور پر حل نہیں ہو پایا۔ مختلف عاملین پیداوار کی کارکردگی کے تعین کا کوئی اصول باقی نہیں رہتا ہے۔ ان تمام پیچیدگیوں سے نکلنے کے لیے اس وقت اشتراکی دنیا میں ایک غیر معمولی اہمیت کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے پولینڈ نے قدم اٹھایا اور اسکا لانگے کی رہنمائی میں سوشلسٹ معیشت کے (Framework) میں مارکٹ کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ روس نے اس کی سخت مخالفت کی اور پولش موڈل کے مطالعہ کو ممنوع کر دیا۔ لیکن جب منصوبہ بند معیشت کی اندرونی پیچیدگیاں حد سے بڑھ گئیں تو خود روسی معاشی ماہرین نے اس کے لیے راہ ہموار کی پروفیسر

ایل۔ وی۔ کانٹوروویچ (L.V. Kantorovich) اور پروفیسر ایو سی لائبرمین

(Evsei Liberman) نے اس سلسلہ میں بنیادی کام کیا ہے۔ کانٹروورسک نے مارکس کے نظریہ قدر سے ہٹ کر قدر کے مسئلہ پر غور و فکر کی بنیاد ڈالی اور لائبرمین نے تعین قدر کے ایک نئے نظام کا خاکہ پیش کیا۔ گورسچین اور بریزینوف اس نئے نظام کے مدافع ہیں اور اب اس کا تجربہ کر رہے ہیں۔^{۲۳}

۲۳۔ اس موضوع پر مطالعہ کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کا مشورہ دیا جاسکتا ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ جگہ کی قلت کے باعث ان اصلاحات کی طرف صرف اشارہ کریں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی حیثیت انقلابی ہے اور اشتراکی نظام سے اتنا بڑا انحراف اس سے پہلے کسی نہیں ہوا تھا۔ لائبرمین کے مضامین (Pravda) میں شائع ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کا سب سے مفصل مضمون ۲۰ ستمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ لائبرمین نے ایک مختصر مضمون لندن ایکوفوسٹ میں بھی لکھا ہے:

Vigor, A. Guide to Marxism, op. cit., pp. 207-212, Zauberman, Alfred, "Breakthrough to Economics" Survey, July 1963, pp. 118-124, Nove, Alec, "The Liberman Proposals", Survey, April 1963, pp. 112-118; Hevesay, The Unification of the World, op. cit. pp. 70-77; Somlinski, Leon, "What Next in Soviet Planning", Foreign Affairs, July 1964; and Goldman, Marshall L., 'Economic Controversy in the Soviet Union' Foreign Affairs, April 1963 and "Economic Revolution in the Soviet Union", Foreign Affairs, January, 1967.,

ستمبر ۱۹۶۲ء میں لاہور میں نے ایک مضمون کے ذریعہ منصوبہ بندی کی کچھ
 پیچیدگیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کے بعد چار سال تک ماہرین معاشیات
 کے درمیان بحث و مباحثہ کی کیفیت رہی۔ اب دو ڈھائی سال سے نئے
 نظام پر عمل چورہا ہے اور وزیر اعظم روس جناب کوسیچن نے یہ کہہ کر دنیا کو
 حیرت میں ڈال دیا ہے ۱۹۶۸ء کے آخر تک پوری صنعت نئے اصولوں پر
 منظم ہو جائے گی۔

اس تجربہ کا پس منظر ۶۵-۱۹۵۹ء کے سات سالہ منصوبہ کی ناکامی
 ہے۔ پھر روس کے معاشی کرائف سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے
 کہ گزشتہ دس سال سے صنعت کی پیداوار میں برابر کم چورہا ہے۔ اس
 سے یہ بنیادی سوال پیدا ہوا کہ کیا قانون تغلیل حاصل نے اپنا عمل شروع کر
 دیا ہے اور اب لمبے عرصے کی سست روی (Slackening) رونما
 ہو گئی ہے۔ دوسری بنیادی چیز جس نے معاشی ماہرین کو پریشان کر رکھا
 متحدہ صدر سے بڑھتی ہوئی مرکزیت اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والی
 پیچیدگیاں اور الجھنیں ہیں۔ تیسری چیز نظام محرکات (Incentive system)
 کا مطلوبہ رنگ مفرود ہونا تھا۔ چوتھی چیز کیفیت کے مقابلہ میں کیفیت سے
 خلعت اور اختراع اور تبدیلی کی کمی تھی۔ پانچویں چیز نظام میں تغیر پذیری
 اور مطابقت پذیری (Flexibility and adaptability) کی کمی تھی۔
 ان سب پر مستزاد قیمتوں کا غیر حقیقی ہونا ہے جس کا اعتراف خود کوسیچن
 نے کیا کہ ہماری قیمتیں حقیقی لاگت کی آئینہ دار نہیں ہیں۔ ان تمام غرابیوں کا

اعتراف عالیہ معاشی مناظرہ میں صاف طور پر کیا گیا ہے۔ تاہم میں نے جو نیا ذہن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ

”مجموزہ اسکیم کے ذریعہ مرکزی منصوبہ بندی کا ادارہ تمام اداروں کی تفصیلی نگرانی کے کام سے فارغ ہو جائے گا۔ اسی طرح پیداوار کی معاشی ذرائع کی بجائے انتظامی ذرائع کی مداخلت سے متاثرہ نہ کامیاب عمل بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہر تنظیم ہی اس بات کا بہتر فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس کی بہتری امکانی صلاحیت کیا ہے۔“ ۲۳۱

حکومت نے جو نئی اصلاحات نافذ کی ہیں ان کا تجربہ سب سے پہلے روس کی ایک مزدور لباس بنانے والی فیکٹری (Bolshevichka Maiak) میں اور گرہ کی ایک زمانہ لباس بنانے والی فیکٹری Maiak میں مئی ۱۹۶۴ء میں چھڑا تھا۔ جنوری ۱۹۶۵ء میں یوکرین کی سجاری صنعت نے اس اصول پر کام شروع کر دیا اور ۱۹۶۵ء کے آخر تک اشیائے صرف تیار کرنے والی ۳۰۰ کمپنیاں اور پھر چھ فردوسی کی ۳۰۰ دکانوں کو نئے نظام کے مطابق ڈھال دیا جکا تھا۔ جنوری ۱۹۶۶ء تک پوری صنعت کی ایک تہائی نئے اصولوں پر منظم ہو چکی تھی اور توقع ہے کہ دسمبر ۱۹۶۹ء تک تقریباً پوری صنعتی معیشت اس پر عامل ہو جائے گی۔

231. Vide Nove, Alec, "The Liberman Proposals", Survey, April 1963, p. 114.

ان اصلاحات کا خلاصہ یہ ہے۔

(i) پلاننگ اور کاروباری حرکات کے پرانے نظام کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔
اب ہر کام مرکز سے کئے جانے کی بجائے ہر کمپنی کو ایک حد تک آزادی دی جا رہی ہے اور وہ اپنا معاشی پروگرام خود بناتی ہے۔

(ii) معاشی فیصلے بڑی حد تک معاشی اصولوں کو سامنے رکھ کر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اصل مقصد یہ ہے کہ ایسی قیمتیں مقرر ہوں جو ایک طرف کل پیداوار کی نکاسی کا باعث ہوں اور دوسری طرف ایسی چیزیں تیار کی جائیں جو صارفین کی ضروریات پوری کریں۔

(iii) اس کے لیے قیمت کے تعین میں عالمی پیداوار کا معاوضہ شامل کیا جا رہا ہے۔ زمین پر لگان لیا جانے کا سرمایہ پر مصارف سرمایہ

(Capital charges) ۶ فیصدی کے حساب سے لگائے جائیں گے۔
بنکوں سے حاصل کئے ہوئے قرضوں پر ۵ فیصد سے ۲ فیصدی تک سود لگایا جائے گا۔ اس طرح قیمتوں کو معاشی معائنات سے زیادہ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ نیز ان مصارف کے بعد فیکٹری منیجر فیکٹری کا نفع بھی رکھے گا جسے اوپر سے متعین نہیں کیا جائے گا۔

(iv) ملک بھر میں ایک چیز کی ایک ہی قیمت نہیں ہوگی۔ ہر فیکٹری اپنی مصنوعات کی قیمت خود مقرر کرے گی۔ اور اس میں ہدایت (Novelty) اعلیٰ کوالٹی اور بہتر کارکردگی کی مناسبت سے قیمت

اوپنی رکھی جاسکتی ہے۔ ۲۴۴

(۷) رسد کا بھی نیا نظام اختیار کیا جائے گا۔ ہر فیکٹری یا ادارہ اپنی خرید اور فروخت خود کرے گا۔ وہ کاروباری گشتے (Salesmen) رکھ سکتا ہے۔ تمہاری سیلوں میں شرکت کر سکتا ہے۔ منڈی کی دیسچ پر روپیہ صرف

سے ان ملازمت کا جائزہ مار کسی لٹریچر کی روشنی میں لینے کے لیے تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے۔ ان میں ہر اصول اشتراکیت سے متصادم ہے۔ ان عوامل کی بنا پر پر اشیاء کا ان کی سماجی قدر (Social value) سے اوپر اشتراک دنیا میں فروخت کیا جانا مارکس کا سفر اڑانے کے مترادف ہے۔ اس سے اشتراک پلاننگ کا پورا نظام اپنی اصل بنیادوں سے ہٹ جاتا ہے اور لا تیر میں پر تنقید کرتے ہوئے ایک روسی ماہر معاشیات نے اس اسکیم پر عمل سے پہلے، کہا تھا کہ لا تیر میں کی تمہاری قومی منصوبہ بندی کے نظام کو درہم برہم کر دینے کا باعث ہوں گے۔ پلاننگ انقلاب اکتوبر کا ایک عظیم کارنامہ ہے اسے یوں کمیوں ترک کیا جائے۔ نیز یہ کہ اگر ہم مرکزی طور پر اجرتوں کے فنڈ، محنت کو کارروگی، لاگت، فتنے، سرمایہ کاری وغیرہ کی منصوبہ بندی نہیں کرتے تو ہم دراصل اہم اور بنیادی معاشی روابط کی مرکزی منصوبہ بندی کو ترک کر دیتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ قومی منصوبہ بندی ہی کو ترک کر دینے کے مترادف ہے۔ روسی ایکو نومسٹسے زپویرو (A. Zverev) اور کے پلوشنی کوٹ

(K. Plotnikov) اقتباسات ۱۹۹۲-۱۹۹۳ اور ۲۰۰۲ نومبر ۱۹۹۲ کے
Ekonomicheskaya Gazeta سے ماخوذ ہیں۔ بکوال "پست نوو وکولو بلا سوخو ۱۱"

کر سکتا ہے اور صد یہ ہے کہ اخباروں میں اپنی خاص مصنوعات کا اشتہار دے سکتا ہے۔ اس طرح مرکزی طور پر وسائل کی تقسیم کی بجائے اس محدود قسم کی آزاد رسد اور طلب سے یہ کام کیا جائے گا۔

(ii) کاروبار کی کامیابی کا معیار پیداوار کی بجائے نفع آوری ہوگی جس کی تعریف ٹائمر میں نے یہ کی ہے ”کل پیداواری فنڈ کی مالیت کی نفع سے نسبت“ (The ratio profit to the value of the

production fund) اب وہ صنعتیں اور کمپنیاں جن کی کارکردگی اچھی ہے اور جن کی مصنوعات کے لیے طلب زیادہ ہے اُنہیں نفع کمائیں گی اور دوسری ان سے پیچھے رہ جائیں گی۔ نظام سرمایہ داری کے منافع سے خواہ اس میں ابھی کتنا ہی فرق باقی ہو لیکن مرکزی منصوبہ بندی اور اشتراکی محرکات سے یہ ایک جوہری انحراف ہے۔

(iii) یہ نفع فیکٹری مینجر کی تحویل میں ہوگا اور ہر ادارہ اسے خود استعمال کر سکے گا۔ اس کے استعمال کے لیے زمین فنڈ ہوں گے۔ ایک محرکات کا فنڈ، دوسرا تمدنی اور رہائشی فنڈ اور تیسرا ترقیاتی فنڈ، ان میں سے ہر فنڈ میں جاننے والی رقم کا انحصار کل منافع پر ہوگا۔ اس طرح مینجر اور مزدوروں کو معلوم ہوگا کہ اگر منافع زیادہ ہو تو ان کو بھی زیادہ ملے گا، ثقافتی امور پر بھی زیادہ صرف ہوگا اور خود کاروبار کے فروغ کے لیے بھی زیادہ رقم مل سکے گی۔ ترقیاتی فنڈ ایک بالکل نئی چیز ہے اور ترقی کی جاتی ہے کہ اس سے ایجاد و اختراع کو خصوصی تحریک حاصل ہوگی۔

یہ تمام اصلاحات روس کے اشتراکی معاشی نظام میں انقلابی تبدیلیوں کا باعث ہوں گی اور اس نظام کو سرمایہ دارانہ معیشت اور معاشی اصولوں سے کچھ اور قریب لے آئیں گی۔

ہم نے اوپر کے صفحات میں جو بحث کی ہے اس سے دو نتائج بہت صاف طور پر نکلتے ہیں۔

دعا، روس میں اشتراکی نظریہ سے مسلسل انحراف کی ایک روپائی باقی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے ایک ایک بنیادی اصول کو ترک کیا جا رہا ہے۔ دبا، متحدہ کی اس عمل کے نتیجہ کے طور پر روسی اشتراکیت بہت سے پہلوؤں سے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے قریب تر آتی جا رہی ہے اور اب معاشی ماہرین اور فلاسفہ عمران کی ایک قابل ذکر تعداد اس امر کا اظہار کر رہی ہے کہ یہ دونوں نظام ایک دوسرے میں منم جو رہے ہیں، ان کے اختلاف کے پہلو برابر کم سے کم تر جھوٹے جا رہے ہیں۔ اور ان کی مماثلت کے پہلو بڑھتے جا رہے ہیں۔

ان دونوں نکات کی تائید و توثیق کے لیے ہم چند شہادتوں کی طرف مزید اشارہ کرتے ہیں۔ روس میں صنعتی انقلاب کے جلو میں اب ایک صنعتی تہذیب جلوہ گر ہو رہی ہے۔ روس میں ابھی معاشی ترقی اپنی انتہا کو نہیں پہنچی ہے۔ وہاں قلت کے مسائل ہنوز درپیش ہیں اور عوامی صرفہ کا معیار زیادہ بلند نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ وسطی High mass

(consumption economy) یا گامبریتھ کی (affluent society)

سے ابھی بہت دور ہے لیکن اس کے باوجود صنعتی معاشرہ کے تمام پہلو اس میں رونما ہونے لگے ہیں اور ایک فرانسیسی مفکر دے موندائیرون (Raymond Aron) کے الفاظ میں کار، ریفریجریٹر اور ٹیلی ویژن انقلاب کی روح کو فنا کیے دے رہے ہیں۔

روس کے نوجوان اشتراکیت میں وہ حرارت محسوس نہیں کرتے جو انقلابی دور کے نوجوان محسوس کرتے تھے۔ ان میں بے راہ روی کی وہ تمام صورتیں رونما ہو رہی ہیں جو مغرب میں رائج ہے، چوری، شراب نوشی، اچھی چیزوں کو تباہ کرنا (Vandalism) زنا اور دوسرے جنسی جرائم، تعلیم میں شدید نظریاتی رنگ کے باوجود نوجوانوں کی اپنے نظریہ میں دلچسپی کم ہو رہی ہے۔ نوجوانوں کی اشتراکی تنظیم کا ترجمان برابر شکایات شائع کر رہا ہے کہ نوجوان پارٹی کے اجتماعات میں کم آ رہے ہیں۔ رکنیت اختیار کرنے کے بعد بھی پارٹی کی ذمہ داریاں کو پورا نہیں کرتے۔ جو کہانیاں وہاں کے نوجوانوں کے رسالوں مثلاً

(yeemost) (نوجوان) میں شائع ہو رہی ہیں وہ اسی مرض کی غماز ہیں۔ ان میں جو موضوعات (Themes) تسلسل کے ساتھ آ رہے ہیں وہ نوجوانوں کی خود رفتگی اور بیگانگی (Alienation) کا پتہ دیتے ہیں۔ اسکول سے بھاگنا، گھر سے بھاگنا، ڈسپنس سے لاپرواہی، فرض سے غفلت افانوں اور کہانیوں کے عام موضوع ہیں۔ روسی امور کا ایک ماہر بجا طور پر لکھتا ہے کہ

”روس کی عام زندگی کے صحیح پہلوؤں پر سے پردہ اٹھانے کے مقابلے میں روس کے اس ادب کا مطالعہ زیادہ مفید اور نکلیں

کھونے والا ہے، جب ایک نوجوان ہیرو کہتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی نظریات نہیں ہیں“ جب ایک نوجوان ماہر طبیعیات ایک دوسرے ناول میں بڑی حقارت اور نفرت کے ساتھ کہتا ہے کہ ”یہ سب اُونچے اُونچے بے معنی الفاظ کیا ہیں“ یا یہ کہتا ہے کہ یہ سب زبانی جمع خرچ ہے، لفظ پرستی اور الفاظ کے (fetishism) یہ تمام اظہارات اس نظام کے لیے ایک چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں جو لوگوں کو نظر پاتی بند حسوں میں جکڑتا ہے۔ ۲۳۳

معیشت میں دونوں جگہ سرکاری مداخلت اور بیوروکریسی کی بالادستی نظر آتی ہے۔ سیاست میں فرد کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔ معاشرت میں خاندانی نظام تو بالابو رہا ہے۔ روس میں مغربی میوزک برابر مقبول ہو رہا ہے۔ مدیہ ہے کہ نوجوانوں میں جانس (Jazz) سے رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔ علمی میدان میں بھی اہم تبدیلیاں آرہی ہیں۔ سائنس اور مبدلی مادیت کا اقتصاد سب نمایاں تر ہوتا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں مبدلی مادیت پر اصرار باقی نہیں رہا۔ سائنسی علوم میں نسبتاً زیادہ آزادی دی جا رہی ہے۔ معاشیات میں مارکس کے نظریہ قدر کو تقریباً ترک کر دیا گیا ہے۔ یہ ساری ملائیں اور اوپر جو حقارتی پیش کیے گئے ہیں وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ روس

233. Alexander Gerschenkron quoted in Survey, April 1963, p. 66.

میں اشتراکی نظریہ انتشار اور فرسودگی کا شکار ہے اور آہستہ آہستہ وہ بنیادیں
 غنیر ہو رہی ہیں جن پر انقلاب برپا کیا گیا تھا۔ اس کی جگہ سرمایہ دارانہ ذہن
 برابر اٹھ کر سامنے آ رہا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی جا رہی
 ہے کہ روسی اشتراکیت اور مغربی سرمایہ داری دراصل ایک ہی تہذیب -
 مغرب کی مادی مستی تہذیب - کے دو روپ ہیں اور آج یہ دونوں نظام ایک
 دوسرے سے قریب تر چھوٹے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بیٹھی رم سوروکن
 کا حالیہ مطالعہ بڑا دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ مصنف موصوف نے اپنی تازہ
 کتاب "ہمارے دور کے بنیادی رجحانات" میں دونوں نظاموں کے
 قرب اور ایک دوسرے میں مدغم ہونے کے رجحان کا تفصیلی جائزہ لیا ہے کہ
 فکر و فلسفہ سے لے کر سائنس اور ٹیکنالوجی اور تنظیم اور بیوروکریسی تک کے ہر
 میدان میں ایک دوسرے سے قریب آگئے ہیں موصوف کے نتائج مطالعہ
 یہ ہیں۔

اولاً اپنی اصل اور انتہائی شکلوں میں اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں
 بہت ناقص ہیں اور انسانیت کے لیے ایک اعلیٰ، خیر سے بھری ہوئی
 اور تخلیقی زندگی کی تشکیل نہیں کر سکتے۔

ثانیاً دونوں نظام کچھ مخصوص حالات میں کچھ مخصوص زمانوں کے لیے مفید مطلب ہو سکتے ہیں۔ بدلے ہوئے حالات میں دونوں غیر مفید اور غیر فوری ہو جاتے ہیں۔

ثالثاً اقوام کے یورپی اور سویت دونوں فائروں میں بتدریج یہ دونوں نظام اپنی اصلی خصوصیات کو تیزی کے ساتھ کھو رہے ہیں اور ایک دوسرے کی خصوصیات کو قبول کر رہے ہیں اور اپنے نظام میں ختم کرتے جا رہے ہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ دونوں کی اصل شکل آہستہ آہستہ بدل رہی ہے اور دونوں ہر اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر بھی سماجی ادارت میں، نظام اقدار میں، نظریہ حیات میں۔^{۲۳۵}

یہ ایک باہر عمرانیات کی رائے تھی۔ اسی کی تائید ڈیوئیٹ ہیوسے سی کی رائے سے جوتی ہے۔ جس کا خیال ہے کہ دونوں نظاموں کے درمیان تصادم کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب ان دونوں کے مختلف اجزاء پر مشتمل ایک تیسرا نظام رونما ہو رہا ہے جسے ایک دوسرا ڈیوئیٹ روس کے بارے میں کہتا ہے کہ

”جدید تبدیلیوں اور اجتہادات سے سارا نظریاتی محمل ہٹوں کے گھروندوں کی طرح ہل گیا ہے۔“^{۲۳۶}

235. *ibid.*, p. 79.

236. Hévesy, *The Unification of the World*.

237. *The Soviet World*, op. cit., p. 243.

ماہرین معاشیات میں سائیرل زیبوت کا خیال ہے کہ
 "ان بڑے بڑے اختلافات کے باوجود جو مختلف معاشی
 نظاموں کے درمیان موجود ہیں، آج کی دنیا کے مختلف نظام اپنے
 بنیادی وظائف اور کارکردگی میں ایک دوسرے سے قریب اور
 مشابہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔" ۲۳۸

سورانی انگر اور ٹمبرگن جیسے عالمی شہرت کے معاشی ماہرین نے بھی
 اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت
 کے درمیان کش مکش کا دور ختم ہو گیا اب یہ نظام ایک دوسرے میں مدغم
 ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے سے قریب تر آتے چلے جا رہے ہیں۔ ۲۳۹

238. Zebot, Cyril A., *The Economics of Competitive Co-existence*, Praeger, New York, 1964, p. (vii).

239. See: Timbergen, Jan., "Do Communist and Free Economics Show a Converging Pattern? Comparative Economic Systems: Models and Cases, ed.,

by Morris Bornstein, Richard D. Irwin. Homewood, Illinois, 1965; pp. 455-464; and Suranyi-

Unger, Theo, *Comparative Economic Systems*,

McGraw Hill, New York, 1952, Chapter III to V
 See also Survey, April 1963, pp. 59-70.

اشتراکیت کی سرخی اب بہت کم ہو گئی ہے اور سرمایہ داری کے چہرے پر
 غارہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ اپنی اصل سفیدی کو کھو چکا ہے۔ مغربی تہذیب
 کے یہ دونوں سپوت آج ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے ہیں۔
 اس صدر کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ خود خالص اشتراکی
 اصولوں کے نقطہ نظر سے بھی اشتراکیت کا عملی تجربہ بڑا مایوس کن ہے۔

اشتراکیت اور اسلام

ہم نے مختلف معیارات پر اشتراکیت کا بے لاگ محاکمہ کیا ہے اور حقائق ہمیں جس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی معیار پر بھی وہ پوری منہیں اترتی۔ اب صرف ایک پہلو ایسا ہے جس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ کیا اسلام اور اشتراکیت میں کوئی مغالمت یا اشتراک ہو سکتا ہے؟ کیا یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے عمدہ معاون بن سکتے ہیں؟ اگر دونوں کا یہ اجتماع ممکن ہے تو کیا یہ مفید بھی ہوگا؟^{۱۲۸} اب

۱۲۸۔ اسی نوعیت کی کوششوں کا ایک مظہر اسلامی سوشلزم کا نعرہ ہے۔ یہ ترکیب بہت سے کانوں کے لیے اجنبی ہے اور فتنہ انگیز بھی۔ اگر اس کے پیچھے کام کرنے والے ذہن کا تجزیہ کیا جائے تو یہ صورتیں سامنے آتی ہیں۔ (۱) سوشلزم اور اسلام ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہیں۔ انہیں ایک ساتھ جمع کیا جاسکتا ہے۔

(۲) جمع کرنے کی صورت یہ بھی ہو سکتی کہ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہوں۔ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ اسلام نامکمل ہے، اور اس کی تکمیل (۳)

ہم اسی پہلو پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

(۴) سوشلزم کے ذریعہ ضروری ہے۔

(ii) جمع کرنے کا ایک اور مفہوم تو معنی یا توضیحی ہو سکتا ہے۔ یعنی اسلام کی اس خصوصیت کو پیش کرنا کہ وہ اشتراکیت کا علمبردار ہے لیکن اس صورت میں بھی (۱) میں اشارے ہوئے سوال کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام اس طرح قابل تقسیم ہے کہ اس کے کسی ایک حصہ کو دوسروں سے نمایاں کر کے نکالا جائے اور اس کے بعد بھی دین متین کا وہ توازن اور ہم آہنگی باقی رہے۔ نیز یہ کہ اس صورت میں ترکیب سوشلزمی اسلام“ ہونی چاہیئے ذکر اسلامی سوشلزم“

ہماری نگاہ میں یہ اصطلاح سخت گمراہ کن ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کو استعمال کرنے والے سب لوگ بدویانت ہیں۔ لیکن وہ غلط سمجھ کے مرکب مزور ہو رہے ہیں۔ یہ آواز چند گروہوں کی طرف سے اٹھ رہی ہے اور وہ گروہ مختصراً یہ ہیں۔

(۱) وہ کمیونسٹ جو جانتے ہیں کہ وہ اسلامی ممالک میں اشتراکیت کی کڑی گولی کو اس پر اسلام کی شکر دگلتے بغیر لوگوں کے حلق میں نہیں اتار سکتے یہ دونوں نظاموں کے فرق کو سمجھتے ہیں مگر لینن کے اصولوں پر عمل کوئے ہوئے اپنی کامیابی کے لیے دھوکہ کی یہ تہادت ضروری سمجھتے ہیں۔

(ii) وہ لوگ جو مذہب کے محدود تصور پر ذہناً قانع ہو چکے ہیں اور سمجھتے

ہم شروع میں اشتراکیت کے معنی و مفہوم کے سلسلہ میں جو بحث کر چکے ہیں اس سے اشتراکیت کا تازہ سخی ارتقاء اس کا تہذیبی مزاج اور اس کے غائی مقصد کے سامنے آچکے ہیں۔ ان پر گہری نظر ڈالنے کے بعد کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہ یہ نظام اسلام کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

(۳) کہ مذہب تو صرف انفرادی زندگی سے متعلق ہے، اجتماعی معاملات میں وقت کے کسی بھی نظام کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ تصور کسی اور مذہب کے ماننے والوں کا سہو سکتا ہے، اسلام کے پیروؤں کا نہیں ہو سکتا۔ لہذا، وہ مخلص لوگ جنہوں نے اسلام کا گہرائی میں جا کر مطالعہ کیا ہے اور اشتراکیت کا۔ وہ اشتراکیت کے علوم و دست لغروں اور انصاف پسندانہ دعوؤں سے مرعوب ہو سکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چونکہ اسلام بھی انصاف کا علمبردار ہے۔ اس لیے یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ ان کا اخلاص اپنی جگہ، لیکن خلوص خواہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو، علم اور حقیقت پسندی کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔

(۴) وہ حضرات جنہیں اشتراکیت سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ اسلام سے۔ لیکن چونکہ اشتراکیت کے ذریعہ ان کے ہاتھوں میں سیاسی اور معاشی قوت کا ارتکاز ہو جاتا ہے اس لیے وہ اپنے سیاسی استبداد کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کے لیے اس کا سہارا لیتے ہیں۔ ان پیادوں میں سے صورت جو بھی ہو، وہ غلط اور مبنی بہ بالطل سب سے اور اس سے کبھی سچ نیاغ نہیں نکل سکتے۔

اخلاقات کے چند بنیادی پہلو

پھر بھی ہم فرق کے چند اہم اور نمایاں پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اشتراکیت

اسلام

- | | |
|---|--|
| <p>۱- اشتراکیت مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کی پیداوار ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس مادہ پرستی کی تکمیل کرتی ہے جس فائدہ کے رہنما انبیائے کرام ہیں اس سے لستہ کوئی نسبت اور تعلق نہیں</p> <p>۲- اشتراکیت وجود باری تعالیٰ کی منکر ہے اور مادہ کو اولیت اور قدامت کا مقام دیتی ہے۔ وہ نہج کے نیچے کسی قوت کی قائل نہیں ہے۔ وہ کسی بالائزہستی کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور نہ اپنے پورے نظام میں</p> | <p>۱- اسلام زندگی کے مادہ پرستانہ تصور کی بغاوت پر مبنی ہے اور وہ انسانیت کو انبیائے کرام کے بتائے ہوئے طریقے کی طرف دعوت دیتا ہے۔</p> <p>۲- اسلام کی نگاہ میں کائنات کی سب سے اہم اور بنیادی حقیقت توحید ہے۔ خدا کا وجود، اس کی وحدت اور اس کی حاکمیت و ربوبیت۔ اسلام کا پورا نظام انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی معاہدات</p> |
|---|--|

ان کے اس سلسلہ میں مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہوں :

- ۱- "اسلامی سوشلزم" از نعیم صدیقی، چراغ راہ سوشلزم نمبر
- ۲- "اقبال، اجتہاد اور اسلامی سوشلزم" از مسٹر لے۔ کے۔ بدھی، چراغ راہ سوشلزم نمبر

۱۲۲۔ اس کا کوئی پر تو قبول کر سکتی ہے۔

نک۔ خدا کی بندگی سے عبادت ہے اور اس کی حاکمیت کے تابع ہے۔

۳۔ اشتراکیت اخلاق کو مخصوص طبقاتی حالات کی پیداوار مانتی ہے اور کسی مستقل قدر یا اصول کی تعلق نہیں۔ وہ ہر بات کو طبقاتی تضادم کی عینک سے دیکھتی ہے، اخلاق کی اولیت اور اخلاقی نشو و ارتقاء کی فرقت تو درکنار وہ اسے کوئی مستقل بہت نہیں دیتی۔ اس کی نگاہ میں اخلاق انسانی اور محض طبقتداری حالات کی پیداوار ہیں۔ ۱۲۳۔

۴۔ اشتراکیت کی نگاہ میں عقل خود

۴۔ اسلام کا بنیادی نقطہ نظر اخلاق ہے۔ وہ ہر قول و فعل کو خیر و شر کی اس میزان پر پرکھتا ہے جسے خدا نے اپنی شریعت میں بیان کیا ہے اور جسے انسانیت کے اجتماعی ضمیر نے بحیثیت مجموعی اپنا لیا ہے۔

۴۔ اسلام کی نگاہ میں زندگی گزارنے

۱۲۴۔ اس مسئلہ پر مضمون کے شروع میں تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اور ضروری حوالے بھی دیئے جا چکے ہیں۔

۱۲۵۔ علامہ ابوہریرہؓ کی ”اشتراک فی نشو و ارتقاء“ ایجنڈا کی ”روڈ ٹو سہ رنگ“ اور مینس کی ”نڈھب“

کا راستہ پیدا کرنے والے نے مل
 کر دیا ہے۔ مذہب وہ راستہ
 ہے۔ اس راستہ کی تفصیل کو مضمون
 عقل اور تجربہ کے ذریعہ دریافت
 نہیں کیا جاسکتا اس راستہ کی
 نشاندہی خدا کی شریعت میں کی
 جاتی ہے اور شریعت ہی خیر و شر
 اور حسن و قبح کا اصل معیار ہے۔
 اس سے معلوم ہوا کہ کامیابی کی
 زندگی وہ ہے جو مذہب کے
 مطابق گزری جائے اور زندگی
 کے سارے معاملات، خواہ ان
 کا تعلق انفرادی امور سے ہو یا
 اجتماعی معاملات سے، معاشرت
 سے ہو یا سیاست سے، معیشت
 سے ہو یا عدالت سے، امن

بڑے بچے میں تیز کر سکتی ہے۔
 اور اس سے کسی بیرونی رہنما کی حاجت
 نہیں پھر اس کے خیال میں مذہب
 ایک انیون کی حیثیت رکھتا ہے
 جو حقیقت سے فرار کا درس دیتا
 ہے، استحصال کرنے والے طبقات
 کا آلہ کار بنتا ہے، ظلم پر قناعت
 سکھاتا ہے، بے عملی پیدا کرتا ہے،
 ایک مخصوص پید اواری نظام کا
 محافظ بنتا ہے اور ضمیر کو موت کی
 نیند سا کہ مخصوص مفادات کا تحفظ
 کرتا ہے۔ اسے ختم کیے بغیر کوئی
 اصلاح ممکن نہیں ہے۔

۱۹۳۳ء ملاحظہ ہو مارکس مقالہ برہمچر بارخ، اینجیلز رٹو و ہرنگ، فیور بارخ اور خطوط
 یعنی ”مذہب“، عالمی اشتراکی تحریک، ”اشتراکی تحریک کا پروگرام“۔

سے ہو یا جنگ سے، ملکی معاملات سے ہو یا خارجہ تعلقات سے۔ انہیں مذہب اور خدا کی شریعت کے مطابق طے کیا جائے۔ اس سے ہٹ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا وہ دنیا میں گمراہی اور آخرت میں خسارہ کا راستہ ہو گا۔

۵۔ اسلام فرد کی انفرادی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے بنیادی حقوق کی حفاظت کرتا ہے، انجائی نظام کو مستحکم ضرور کرتا ہے لیکن فرد کی نفی کے ذریعہ نہیں بلکہ فرد کی شخصیت کو نشو و ارتقا کا لاپرواہی سے دیتے ہوئے اور پھر اس

۵۔ اشتراکیت نے فرد کو اجتماع کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ اور اس کی نگاہ میں فرد کو اجتماعی مفاد کی خاطر کام کرنا چاہیے۔ اجتماعی مفاد اس درجہ غالب ہے کہ فرد کی کلی نفی کر کے بھی اسے حاصل کیا جاتا ہے۔ ۱۹۴۹ء

۱۹۴۹ء تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب کا مضمون اشتراکیت کی ٹکڑی بنیادیں اور اس کا جائزہ چراغ راہ، سوشلزم نمبر اصل اشتراک کی نظر پر سے اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے اس کے فلسفہ تاریخی اور فلسفہ سماج کا مطالعہ مفید ہو گا

کی نگاہ میں آخرت میں ہر فرد اپنی جوابدہی انفرادی طور پر کرے گا۔

۶۔ اسلام کا طریق اصلاح یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے فرد کے ایمان کو درست کرتا ہے، پھر تعلیم و تربیت کے ایک عمل کے ذریعہ اس کی زندگی کو بدلتا ہے اور اس طرح حاصل ہونے والی قوت سے اجتماعی نظام کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کسی مرحلہ پر بھی اپنے نقطہ نظر کو دوسروں پر جبر و تشدد کے ذریعہ مسلط نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ اس کا بھی قہر کی نہیں ہے کہ محض معاشرہ کو درست کر دینے سے انسان بدل جائے گا۔ اس کی نگاہ میں فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح بیک وقت ہونی چاہیئے اور فرد کی دل کی دنیا کو تبدیل کیے بغیر

۶۔ اشتراکیت اصلاح کے طریقہ کی مخالفت اور غوریز انقلاب کی مدعی ہے۔ وہ تعلیم و تربیت کے مقابلہ میں جبر اور قوت کے طریقوں کو اولیت دیتی ہے اس کی نگاہ میں فرد کو تبدیل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اجتماعی نظام کو بدل دیا جائے اس کے بعد فرد آپسے آپ بدل جائے گا۔ اس کی فکر کے بڑے حصہ کی نگاہ میں تدریجی اصلاح کا طریقہ غلط اور لا حاصل ہے۔ اصل چیز انقلابی اقدام ہے۔

اس کی باقی دنیا کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں اسلام جہاز ذرائع کے استعمال کی تہیہ کرتا ہے اور ایک تدبیر کی عمل کے ذریعہ انسانوں کی زندگی کو خدا کی مرضی کے تابع اور اس کے حکم کا پابند بنا دینا چاہتا ہے۔

۷۔ اسلام اجتماعی زندگی کے لیے ریاست اور قانون کے اداروں کو ضروری سمجھتا ہے اور ان کو اسلام کے لیے مقرر کرتا ہے۔ پھر وہ حقیقی سیاسی اور معاشرتی مساوات، حقوق کی حفاظت اور شریعت کے مطابق لوگوں کی آزاد مرضی کے ذریعہ عکرائی کے اصول پیش کرتا ہے اور ان اصولوں پر اس نے ریاست قائم کر کے بھی دکھا دی ہے۔

۸۔ معاشرت کے دائرہ میں اسلام

۷۔ اشتراکیت ریاست اور قانون کو آزاد نظم و استحصال سمجھتی ہے۔ عبوری دور میں وہ ان قوتوں کو آمرانہ انداز میں ایک طبقہ کو ختم کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے اور اپنے معیاری معاشرہ کے لیے وہ ان اداروں کو ختم کر دینے کی دعوے دار ہے۔ اس کا نظام نہ مساوات پر مبنی ہے، نہ قانون کی عکرائی پر۔ اور نہ سیاسی اور معاشرتی جمہوریت پر۔

۸۔ اشتراکیت طبقاتی نزاع اور تصادم

خاندانی نظام، عصمت و صحت کی پاسبانی، انسانی مساوات، اخوت اور محبت، تعاون باہمی اور اجتماعی تحفظ و تضامن کے طریقہ کا داعی ہے اور اس کا پورا معاشرتی نظام قرآن و سنت کی ہی چھوٹی اقدار پر مبنی اور اس ثقافت و تمدن کا قائم کرنے والا ہے جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام چلے گا۔

۹۔ معیشت میں اسلام انفرادی ملکیت اور آزاد ہی سعی و جہد اور صرف و خرچ کی اجازت دیتا ہے لیکن دولت کو ایک امانت قرار دے کر اس کے استعمالات کو محدود کر دیتا ہے اور اس پر فرد، معاشرہ اور خدا کے واضح حقوق عائد کر دیتا ہے جنہیں ادا کیے بغیر وہ دولت پاک نہیں ہو سکتی

کو زندگی کی سب سے اہم حقیقت قرار دیتی ہے۔ خاندان کا نظام اس کی نگاہ میں انفرادی ملکیت ہی کے اصول کا ایک شاخہ ہے اور اس کے ساتھ اسے بھی ختم ہونا چاہیے۔ اولاد معاشرہ کی دولت ہیں۔ والدین کی نہیں تمام اقدار کو طبقاتی تقسیم کی روشنی میں طے کیا جائے گا، ان سے ہٹ کر نہیں۔

۹۔ اشتراکیت وسائل پیداوار کی ملکیت سے رونما ہونے والی بنیادی ساخت کو پوری زندگی میں اصل فیصلہ کن قوت قرار دیتی ہے اور ان کو قومی ملکیت میں لے لینے کو ساری بیماریاں کا علاج قرار دیتی ہے۔ اس کی معاشیات حرام و مکمل کے تصور سے ناکشا ہے اور ہر بیت یہاں بھی اس کی اہم ترین خصوصیت

ہے۔ وہ ایک طبقہ کا مکمل استیصال
پا جیتی ہے۔ لیکن اس کی بد وجہ
سربایہ داروں سے بھی ایک بدتر
طبقہ کو جنم دیتی ہے۔

وہ پوری معاشی زندگی کو انصاف
کے تقاضے پر رکنے کے لیے
استعمال کرتا ہے اور کسی جگہ بھی
محض معاشی مقاصد کو اخلاقی اور
اجتماعی مقاصد پر فوقیت نہیں دیتا۔

اسی طرح ان کا تصور انسان، تصور تاسویرخ، نظریہ خیر و شر، تصور قانون و
عدالت، نظریہ قومیت، بین الاقوامی تعلقات کے اصول نہ صرف ایک دوسٹر
سے مختلف ہیں۔ بلکہ متضاد ہیں۔ ان کی منزلیں بھی جدا ہیں، ان کے راستے بھی
مختلف ہیں، ان کا مزاج بھی الگ الگ ہے، ان کا طریق کار بھی جدا جدا
ہے اور یہ دونوں جس قسم کا معاشرہ اور معیشت قائم کرنا چاہتے ہیں وہ بھی ایک
دوسرے کی ضد ہیں۔ اس کے بعد ان کے ایک ساتھ جمع ہونے اور ان کے
اشتراک سے کسی مرکب کے تیار کیے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ اشتراکیت
اور اسلام ایک دوسرے سے اتنے ہی مختلف ہیں جتنا اسلام اور الحاد اور
لاوینیت، یا اسلام اور مغربی سربایہ داری اور فسطائیت، یا باب اشتراکیت
سے اسلام کے تمام بڑے چھوٹے بات حقائق اور دلائل کی روشنی میں صاف کہہ دینا
چاہیے کہ

لا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا اَسْتَعِينُكُمْ مَا اَعْبُدُونَ وَلَا اَسْتَعِينُكُمْ
عَابِدُوا مَا اَعْبُدُكُمْ وَلَا اَسْتَعِينُكُمْ مَا اَعْبُدُكُمْ وَلَا اَسْتَعِينُكُمْ
ولی دین۔

جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرتا اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے، ہاں! ہاں! جس کی تم عبادت کرتے ہو، میں اس کی عبادت نہیں کرتا اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کو تم نہیں پوجتے۔ تمہارا دین تمہارے لیے، میرا دین میرے لیے ہے۔

اس سلسلہ میں دو محاسنوں کی مزید ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ کچھ لوگ اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر اشتر اکیٹ میں خدا کے تصور کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ اسلام کے مطابق ہو جائے گی۔ یہ تصور محض خوشامیالی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ اشتر اکیٹ کے پورے نظام میں اسلام کے خدا کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر اسلام کے خدا کو مایا لیا جائے تو پھر یہ ایک تصور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایک مکمل اور مخصوص نظام حکمرانی ہے جو اشتر اکیٹ کے پیش کردہ نظام سے ہر قدم پر متصادم ہے۔ اس قسم کی جینٹلمن کی باتیں یا غلط فہمی، کم علمی اور ذولیدہ فکری کا نتیجہ ہیں یا شرانگیزی کا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے پورے نظام کو محفوظ رکھو، صرف اس میں سوشلزم کے معاشی پروگرام کو شامل کرو۔ یہ بات بھی اتنی ہی غلط ہے جتنی اول الذکر بات۔ اشتر اکیٹ کی معاشیات اس کی بالیدہ طبیعیات سے اور سماجیات سے الگ نہیں کی جاسکتی اور اگر انہیں الگ کر دیا جائے تو کوئی مثبت معاشی پروگرام باقی نہیں رہتا ہے۔ پھر اشتر اکیٹ کے معاشی نظام میں جو روح کارفرما ہے اور جس ذہنی کیفیت اور جس مزاج کے ساتھ اس

پر عمل ہو سکتا ہے وہ ایک مخصوص مزاج ہے جو اسلام کے مزاج، اس کے بنیادی نقطہ نظر، اس کے انداز کار، اس کے طریق اصلاح سے متصادم ہے۔ پھر اسلام نے اپنا ایک معاشی نظام دیا ہے وہ اس بارے میں خاموش نہیں ہے اور یہ معاشی نظام اشتراکیت کے معاشی نظام سے بالکل مختلف اور اپنے مخصوص فلسفہ حیات اور نظام تمدن سے مربوط ہے۔ اسلام کے نظام حیات میں کسی دوسرے متناقض نظام کے معاشی پروگرام کا جوڑ نہیں لگایا جاسکتا۔ ایسی صورت میں دونوں بگڑ جائیں گے اور ماحصل کچھ بھی نہ ہوگا۔

اس لیے سوچنے کا صحیح انداز یہ نہیں ہے کہ سوشلزم اور اسلام کو کیسے جوڑا جائے اور ان کا کس طرح مرکب تیار کیا جائے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ زندگی کے مسائل کو ان دونوں نظاموں نے کس طرح حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر اشتراکیت کا طریقہ ہمارے لیے ناقابل قبول ہے تو اسلام کا طریقہ کیا ہے اور دوسرے نظاموں پر اسے کیا فوقیت حاصل ہے۔

سوشلزم یا اسلام

اب تک ہم نے سوشلزم کا ایک علمی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ میں جو بھی معیار ہو سکے تھے ان سب کو سامنے رکھ کر اس نظام تہذیب کو جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ حقائق یہ ہیں اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ زمام کار گرتز وڈ کے ہاتھوں میں ہو چکا

طریقہ کو کچھ میں بھی دہی چیلے ہیں پرویزی

اشتراکیت اپنے تجربہ میں ناکام رہی ہے۔ انسانیت کی رہنمائی اس کی حقیقی منزل کی طرف نہیں کر سکی۔ اس نے انصاف اور روادارستان کا نعروں کا یا سنا لیکن وہ خود ایک استحصالی قوت بن گئی جس نے ہر قدم پر انصاف کا غوی کیا اور انسان کے دکھوں میں اضافہ ہی کیا۔ سوال یہ ہے کہ پھر انسان کے لیے مستقبل کا راستہ کونسا ہے؟ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اشتراکیت کو قبول نہ کیا جائے تو پھر بجز سرمایہ داری کے کوئی راستہ نہیں۔ یہ کوتاہ نظری ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت ایک ہی بنیادی تہذیب کے دو پہلو ہیں ان میں سے کوئی بھی ہمارے مسائل کا حل نہیں۔ دونوں کا مزاج مادہ پرستانہ ہے۔ دونوں انسان کو معاشی عوامل کا غلام بناتے ہیں۔ دونوں استحصالی اور انتقام

(Exploitation) کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ دونوں کسی اعلیٰ اخلاقی ضابطہ کے پابند نہیں۔ دونوں میں سے کسی کے پاس عدل و انصاف کا کوئی مستقل معیار موجود نہیں ہے۔ دونوں نے استعماری رجحانات کا اظہار کیا ہے۔ ہمارے لیے ان میں سے کوئی بھی قابل قبول نہیں۔ ہم سرمایہ داری پر بھی اسی طرح نفرت سمجھتے ہیں جس طرح اشتراکیت پر انسانیت نے ان دونوں کا تجربہ کر لیا ہے اور وہ دونوں سے مایوس ہو چکی ہے۔ اب اسے ایک تیسرے نظام کی ضرورت ہے جو اس کے تمام مسائل کو و محض چند پہلوؤں کو نہیں، حل کر سکے اور اسے عزت و شرف کا وہ مقام دے سکے جس کا وہ اہل ہے، تاکہ وہ اپنے دیس میں بدیسی اور اپنے گھر میں اجنبی نہ رہے۔ ہماری نگاہ میں یہ راستہ صرف اسلام ہے اور ماضی میں انسانی ایک بار نہیں متعدد بار اس کا تجربہ کر کے دیکھ بھی چکا ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس نے ہر دور میں انسانی کے مسائل کو حل کیا ہے۔ یہ وہ پادشہ ہے کہ جس نے بھی اس کو چھو لیا ہے وہ سونا بن گیا ہے۔

اسلام — ایک جامع اور مہر گیر نظام
اسلام پوری زندگی کا ایک نظام ہے اور انسان کے لیے مکمل ہدایت فراہم کرتا ہے۔ دوسرے تمام نظاموں اور نظریوں میں یہ خامی ہے کہ وہ زندگی کے کسی ایک پہلو سے متعلق ہیں یا اگر سب پہلوؤں کو لیتے بھی ہیں تو کسی ایک محدود دائرہ سے لیتے ہیں۔ پھر ان میں اندرونی وحدت اور یکسانی بھی نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ وہ اپنے مختلف اجزاء مختلف ہلکے تناقض کا خد سے

حاصل کئے ہیں۔ مثلاً مغربی تہذیب نے اپنا فلسفہ یونان سے، ادب اٹلیا سے، قانون روما سے، سائنس مسلمانوں سے، معاشی جذبہ یہودیوں سے، مذہب عیسائیت سے اخذ کیا۔ خود اشتراکیت جن مانخذ سے نکل ہے وہ متضاد اور متناقض ہیں، لیکن اسلام کی بات سب سے مختلف ہے۔ اس کا سرچشمہ ایک ہے۔ الہامی ہدایت۔ یہ رہنمائی پر ہی زندگی سے متعلق ہے اور اسے ایک نامکمل تقسیم اکائی تصور کرتی ہے۔ یہ زندگی کے سارے پہلوؤں کو ایک سرشت سے جوڑتی اور اس میں ایک روح باری و ساری کرتی ہے۔ اس نظام میں باسعیت سبھی ہے اور کمال بھی، وسعت بھی ہے اور وحدت بھی۔

فطری نظام

یہ نظام زندگی کائنات کے بنیادی معائنات سے ہم آہنگ ہے۔ یہ فطرت سے بغاوت کا نہیں، اس سے مطابقت کا دعویٰ ہے۔ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت توحید ہے۔ یہ تصور کہ اس کائنات کا کوئی خالق، مالک اور آگاہ ہے اور وہ ایک اور مرتبہ ایک ہے۔ باقی جو کچھ ہے اس کی مخلوق ہے۔ یہ بات کہ اس کائنات کی ایک عمر متعین ہے اور ایک دن اس نظام کو دہم پر ہم جہنا ہے اور اس کی جگہ ایک نئے نظام کو دینا ہونا ہے۔ یہ بات کہ انسان میں فسخ و فحور اور بڑ و تقویٰ دونوں کے دامیات پاتے جاتے ہیں لیکن اس کی اصل فطرت نیک اور اچھی ہے اور غیر کی طالب ہے، یہ حقیقت کو فنا کی ہدایت کے لیے متعدد انتظامات موجود ہیں۔ اس کی عقل، اس کا ضمیر اس کا وجدان، اس کا شہرہ، اور پھر سب سے بڑھ کر وحی الہی، یہ بات کہ فطرت

انسانی کو کہل کر، اس کے داعیات کا انکار کر کے، اس کے تقاضوں اور مطالبات کو یکسر نظر انداز کر کے کوئی صحت مند زندگی رونما نہیں ہو سکتی، نیز یہ کہ جس طرح یہ افراط غلط ہے اسی طرح صرف لذت پرستی میں گھوبلنے کی تقریظ بھی غلط ہے، یہ امر کہ اس کائنات میں خدا کا قانون کارفرما ہے اور انسان اس سے مطابقت اس وقت اختیار کر سکتا ہے جب وہ بھی خدا کے قانون کا پابند ہو جائے۔۔۔۔۔ یہ اور ایسے ہی بنیادی حقائق زندگی میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے نظام اس لیے ناکام ہیں کہ وہ ان حقائق سے متصادم ہوتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر، ان کو نظر انداز کر کے یا بگاڑ کے اپنا راستہ نکالنا چاہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قدم چلتے ہیں اور ٹھوکر کھا کر گر پڑتے ہیں۔ اسلام نے ان حقائق کو تسلیم کیا ہے اور وہ نظام تمدن قائم کیا ہے جو ان سے ہم آہنگ ہے، جس میں انسان وہ چاہتا ہے جس کا تقاضا فطرت کرتی ہے اور ان حدود کا پابند ہوتا ہے جو فطرت کو مسخ ہونے سے بچا لیتی ہیں۔

احترام آدمی

اس نظام میں انسان اصل مرکز و محور ہے۔ اسے زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ اسے ارادہ اور اختیار کی قوت اور فیصلہ کی آزادی دی گئی ہے۔ نہ وہ ایسا مجبور ہے جیسا جبریت پرست، فلسفوں اور مذاہب نے اسے قرار دیا تھا اور نہ ایسا مادی پر آزار دہ ہے جیسا لادینیت اور مادیت نے اسے سمجھایا۔ اسے آزادی دی گئی ہے۔ حق و باطل میں تمیز کا مادہ دیا گیا ہے،

اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے صحیح راستہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے رب کے بتائے ہوئے طریقہ کا پابند ہو جائے اور دینی و فلاح اور اخروی نہایت حاصل کرے۔

اس تصور کی رو سے ہر فرد اپنا ہدایت کا ذمہ خود اور تشخص رکھتا ہے۔ اس کی شخصیت کا تحفظ اور اس کا صحیح نشو و نما و ارتقاء یہاں کا نہایت اہم مسئلہ ہے۔ ہر وہ نظام جو فرد کی نفی کرے اسلام کے تصور سے متصادم ہے۔^{۴۴} اسلام معاشرہ اور اجتماع کی اصلاح چاہتا ہے اور اسے نظام کو اپنی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن فرد کو اجتماع کی جینٹ نہیں چڑھاتا بلکہ فرد اور اجتماع دونوں کو مرضی رب کا پابند بناتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کا بنیادی مزاج ہے اور اس کے تصور خلافت کا لازمی تقاضا ہے۔

انفرادی حقوق کی ضمانت

پھر اس تصور کی رو سے انسان کے بنیادی حقوق خدا کے عطا کردہ ہیں، محض کسی دینی یا قانون یا عکرائوں کے خلاف سیاسی جدوجہد کے نتیجے میں حاصل کیے ہوئے نہیں ہیں جس میں حسب موقع تراش خراش اور قطع و برید ہو سکتی

۴۴۔ اس سلسلہ میں اسلام کا مزاج اتنا نازک ہے کہ ایسی نقالی تک جو فرد کی شخصیت کو مجروح کر دے اس کی نگاہ میں ناجائز ہے اسی لیے ایکٹنگ کو ایک چیز کی حیثیت سے اسلام نے ناپسند کیا ہے۔ مردوں کو عورتوں جیسے کپڑے پہننے اور عورتوں کو مردوں جیسے کپڑے پہننے سے منع کیا ہے۔

ہم بلاشبہ فرد کو عمومی مفاد کو قربان کرنے کا حق نہیں ہے، لیکن فرد کے اسی حقوق کو بھی معاشرہ یا مال نہیں کر سکتا۔ محکمہ اور یہ بھی اسی تصور کا تقاضا ہے کہ اس میں امر بالمعروف اور نہی منکر دینی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے کی آزادی اور اختیار لوگوں کو حاصل ہے۔ منصب خلافت اس کے بغیر ناکمل اور تشنہ ہے۔

پھر اس کے نتیجہ میں انسان کی حیثیت خدا کے بندہ لیکن کائنات کی بانی تمام چیزوں کے آقا اور سرور کی قرار پاتی ہے۔ پہاڑ اس سے کہتے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، بجلی کی قوت کے سامنے وہ بظاہر کیسا ہی مجبور کیوں نہ نظر آئے، پانی کی قوتوں کے سامنے وہ کیسا ہی کمزور محسوس ہو، لیکن ان سب کو اس کی خدمت کے لیے سفر کیا گیا ہے اور انسانی معاشرہ میں جو بھی اودہ یا بیست تشکیل دی

۱۳۴۷ء اس موضوع پر اس پہلو سے مہبت کم غور ہوا ہے لیکن فقہانے جو قسم فرض کفایہ اور فرض عین کی ہے اس کا فلسفیانہ سطح پر خود حقوق انسانی اور فرد اور اجتماع کے تعلق سے بڑا اگہ راہنہ ہے۔ فرض عین فرد کی مستقل شخصیت کا اعتراف ہے۔ اس ذمہ داری کو کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ جب کہ فرض کفایہ میں فرد اور اجتماع کے تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ذمہ داری پورے معاشرہ پر ہے، اور اگر اسے چند افراد بھی ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب ذمہ دار اور گنہگار ہوتے ہیں۔ یہ عین ربط و تعلق ایک متوازن معاشرہ قائم کرتا ہے۔

جائے گی، اس کی حیثیت انسان کے خادم کی ہوگی، اس کے آفاقی نہیں یہی وہ چیز ہے جس سے ایک حقیقی انسانی سماج رونما ہوتا ہے اور خود معیشت بھی ایک خاص انسانی معیشت بنتی ہے۔

اخلاق کی مرکزی حیثیت

یہ نظام زندگی کے تمام امور کو اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھتا اور طے کرتا ہے۔ اس کا اخلاق کا تصور یہ نہیں ہے کہ بس چند معاملات میں کچھ رسمی قسم کی اخلاقیات کو اختیار کر لیا جائے اور زندگی کے باقی تمام معاملات کو محض مفاد اور حرص و ہوس کی بنیاد پر طے کیا جائے۔ وہ ساری زندگی کو خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی خانگی چلو تہنی، سیاسی ہو یا معاشی، روحانی ہو یا مادی۔ اخلاق کا پابند کرتا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں خیر و شر اور حق و باطل میں تصادم کا اعتراف کرتا ہے اور شر کے ترک اور خیر کے اختیار کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں انسان کی شان امتیاز یہی ہے کہ وہ حرام و ملال میں تمیز کر سکتا ہے اور اس کے لیے صحیح رویہ یہی ہے کہ ہر معاملہ میں یہ دیکھے کہ وہ ملال ہے یا حرام، باعث فخر ہے یا موجب شرم، برحق ہے یا نتیجہ باطل۔ جب پوری زندگی میں اور خصوصیت سے اجتماعی زندگی میں یہ رویہ اختیار کیا جائے تو ایک ایسا معاشرہ بنتا ہے جو فساد سے پاک ہو، جس میں ظلم کا نام و نشان نہ پایا جاتا ہو۔ اس طرح اس نظام میں صرف صحیح مقاصد ہی نہیں صحیح ذرائع کے استعمال پر بھی اصرار کیا جاتا ہے اس طرح اسلام نے معاشرے میں بدی کے پھیلنے جلنے کے ایک بہت بڑے راستے کو بند کر دیا ہے۔

توازن و اعتماد ال کی راہ

اس نظام میں انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک حسین توازن قائم کیا گیا ہے۔ نہ اس نے وہ غلطی کی ہے جس کے مرتکب دوسرے اخلاقی فلسفے، صوفیانہ مسلک اور مذاہب ہوتے تھے کہ صرف فرد کی اصلاح اور اس کی نجات کو اپنا مقصد و غنتہ بنائے اور اجتماع کو بالکل نظر انداز کر دے۔ اور نہ اس نے وہ حماقت کی ہے جس میں مغرب کے جدید فلسفے اور نظریے مبتلا ہے ہیں کہ محض ماحول اور اجتماع کو بدل دینے سے انسان بدل جاتے گا۔ یہ اصلاح کا آغاز فرد کے دل سے کرتا ہے، اس کی زندگی کو تبدیل کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی نظام کو اپنی ایکسٹیم کے مطابق بدلتا ہے تاکہ دونوں ایک ہی مقصد کے لیے کام کریں، ایک ہی جذبہ اور روح دونوں میں جاری و ساری ہو، ایک ہی منزل کی طرف دونوں سرگرم عمل ہوں اور اس جدوجہد میں ایک دوسرے کو تقویت پہنچائیں۔ اسلام میں کمال بھی ہے اور توازن بھی۔ نہ وہ انسان کو شر محض سمجھتا ہے کہ اس سے مایوس ہو جائے اور نہ مجسم خیمہ کہ اس پر کوئی پابندی ہی عائد نہ کرے۔ وہ دونوں کی اصلاح کرتا ہے اور اس طرح فرد اور معاشرہ دونوں میں ایک اصلاحی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

تقویٰ اور جہاد کا تصور

اسلام کی نگاہ میں زندگی کا بنیادی قانون یہ ہے کہ انسان تقویٰ اور جہاد کی روش اختیار کرے۔ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کو گناہوں اور

بلاشوں سے بچاتے ہوئے، ملک کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی جدوجہد کرتا رہے اور جہاد یہ ہے کہ دین حق کو خدا کی اس زمین پر قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جائے۔ اصول تقویٰ فرد کی زندگی کو سنوارتا ہے اور اصول جہاد تہذیب اور تاریخ کو صحیح سمت میں لے جاتا ہے۔ اصول تقویٰ سے انسان کی زندگی میں انضباط رونما ہوتا ہے اور اصول جہاد سے نظام اجتماعی تعمیری اور تخلیقی خدمات انجام دیتا ہے۔ اصول تقویٰ کی بنا پر صرف جسم اور روح اور مادہ اور اخلاق کی قوتیں ہی جمع نہیں ہوتیں بلکہ انسان اس پوری کائنات سے اور اس کے خالق سے اس طرح جڑ جاتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی تصادم اور کشمکش باقی نہیں رہتی، ایسے معاشرہ اور ایسی ہیئت میں کبھی مفارقت (Alienation) کا مسئلہ پیدا نہیں ہو سکتا اور اصول جہاد حق پرست گروہ کو باقی تمام انسانیت سے ایک مشن کے رشتے سے جوڑ دیتا ہے اور پوری انسانی برادری کو دائرہ حق میں شامل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جس کے نتیجے میں مادی صحت بھی قائم ہوتی ہے اور روحانی اور اخلاقی صحت بھی خوب تر ہوتی جاتی ہے۔ نیز تہذیب و تمدن میں صحت مندی کے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ اور تاریخ بھی اپنی حقیقی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں اصول انضمام (Principle of integration) بھی ہیں اور اصول اصلاح و ارتقاء بھی۔

عالمگیر تہذیب

یہ نظام پوری انسانیت کو ایک برادری قرار دیتا ہے۔ یہ رنگ، نسل،

جغرافیائی حدود، اور زبان وغیرہ کے تمام جدید اور قدیم بتوں کو توڑ دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ نہ گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کالے کو گورے پر نہ عرب عجم پر افضل ہے اور نہ عجم عرب پر فضیلت اگر ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر۔ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، اس لیے کہ ایک ماں باپ آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ ایک خالق کے پیدا کردہ ہیں، ایک قانون کے پابند ہیں، اور ایک معیار کے مطابق جانچے جاتے ہیں۔ اس کا دروازہ تمام انسانوں کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اس طرح صرف ایک انسانی تہذیب ہی قائم نہیں کرتا، بلکہ صرف یہی وہ نظام ہے جو ایک عالمگیر تہذیب بھی قائم کرتا ہے۔

تعلیمی و اصلاحی نظام

یہ نظام صرف اسلام آدم ہی کا قائل نہیں بلکہ اس کا مزاج سراسر تعمیری، اصلاحی اور تعلیمی ہے۔ یہ جبر و تشدد کے ذریعہ کوئی تبدیلی نہیں لانا چاہتا اور ان راستوں سے لاتی ہوئی تبدیلیوں کو غیر فطری قرار دیتا ہے۔ بلاشبہ حق کے لیے تلوار اٹھانا بہتر ہی نہیں واجب بھی ہے، لیکن اس نظام کا راجح منہج قائم نہیں ہے، یہ نفرت نہیں محبت اور اخوت کی دنیا پر زندگی کو تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ ظلم اور طاغوتی استحصالی کو مٹانے کے لیے اسے تلوار بھی اٹھانی پڑتی ہے، لیکن وہ صرف مظلوم کی مدد کے لیے اور باطل کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ انسانوں پر کوئی عقیدہ یا مسلک ٹھونسنے کے لیے نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اسلام کے انقلاب کا پر امزاج تعلیمی اور تبلیغی اور اصلاحی ہے۔ وہ صرف گردنوں کو

جھکانے نہیں، دلوں کو بدلنے آیا ہے۔ اور جب دل میں ایک دنیا وہ تعمیر کر دیتا ہے تو سر بھی برضا اور رغبت حق کے آگے جھک جاتے ہیں۔

ثبات اور تغیر

اس نظام میں ایک طرف زندگی کے ابدی اصول اور مستقل اقدار ہیں کی گنتی ہیں تو دوسری طرف زمانہ کے تغیرات اور وقت کے حالات و ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کی تعلیمات کسی انسانی کے ذہن کی پیداوار نہیں ہیں کہ مرنے والے زمانہ کے ساتھ ساتھ باسی اور ناکارہ ہو جائیں۔ ان پر زمان و مکان کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ یہ اس کی بنائی ہوئی ہیں جو خود دلی و مکان کا بھی خالق ہے اور زمانہ کی بانی جس کے ہاتھوں میں ہے۔ پھر اس میں مناسب حدود کے اندر تبدیلی اور ارتقاء کی پوری گنجائش موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر زمانہ کے چیلنج کا جواب دیتا رہا ہے اور جب بھی جو ضرورت رونما ہوتی ہے، اس کی تکمیل کا سامان اس میں موجود ہوتا ہے۔ ہمارے قدم جتنے آگے بڑھتے جاتے ہیں، اس کی صداقتیں اتنی ہی نمایاں اور روشن ہو کر ہمارے سامنے آتی جاتی ہیں، اور ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات قرآن والی صبح سے بھی زیادہ تر و تازہ ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام

اس نظام نے معاشی زندگی کی تشکیل و تعمیر کے لیے بھی ضروری ہدایات دی ہیں۔ یہ نہ معاشیات کو باقی زندگی سے کاٹتا ہے اور نہ اس کا رشتہ اخلاق سے منقطع کرتا ہے۔ یہ پورے معاشی مسئلہ کو اخلاقی معائنات اور اقدار کی روشنی میں حل

کرتا ہے۔ معاشی جدوجہد کو حلال و حرام کا پابند بنانا ہے اور ظلم و ظلمانی سے اسے پاک کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں معاش کے مسئلہ میں بھی مرکزی اہمیت جس چیز کی ہے وہ عدل ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ فرد کی معاشی ضرورتیں پوری ہوں اور عدل ہی کا مطالبہ ہے کہ معیشت بحیثیت مجموعی ترقی بھی کرے اور اس ترقی کے سچل تمام انسانوں تک پہنچیں۔ ان کے تعلقات انصاف پر مبنی ہوں اور ظلم کا اس کی ہر شکل میں، استیصال کر دیا جائے۔ وہ انفرادی ملکیت کی آزادی دیتا ہے، لیکن مالکانہ اختیارات کے استعمال کو کچھ متعین اصولوں کا پابند کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں ملک ایک امانت ہے، جسے خدا، خلق، اپنی ذات اور خاندان کی بہتری کے لیے خدا کے بنائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کیا جائے گا، من مانی کرنے کا حق کسی کو نہ ہوگا۔ وہ ہر فرد کو ذاتی نفع کے حصول کی اجازت دیتا ہے، لیکن اُن تمام راستوں کو بند کر دیتا ہے جن میں نفع دوسروں کو نقصان پہنچا کر یا ان کے استحصال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مال کو خرچ کرنے کی آزادی دیتا ہے، لیکن صرف کے بھی ان تمام راستوں کو بند کر دیتا ہے، جو فرد یا معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہیں وہ ہر شخص کو معاشی جدوجہد کی آزادی دیتا ہے۔ لیکن یہ ذمہ داری معاشرہ اور ریاست پر ڈالتا ہے کہ ہر شخص کو مناسب مواقع حاصل رہیں اور غیر فطری عدم مساوات کی کوئی ایسی صورت رونما نہ ہونے پائے جس سے کچھ لوگوں کے لیے ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ بلاشبہ آمدنی کا انحصار محنت پر ہے۔ لیکن جو لوگ معاشی روڈ میں پیچھے رہ جاتیں، یا جو کسی وجہ سے زمین سے اپنا حصہ حاصل نہ کر سکیں۔ ان کی ضروریات کو عزت و وقار

کے ساتھ پورا کرنا معاشرہ اور ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اسلام کسی فرد کو مجبور کا ہلکا بے گھر، بلا دوا یا بے تعلیم نہیں چھوڑنا چاہتا۔ وہ ان تمام ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت دیتا ہے اور پورے معاشرہ کو ان کے لیے ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ یہ معاشی زندگی کے ہر شعبوں میں توازن، عدل و انصاف، رفیق و ہم آہنگی قائم کرنا چاہتا ہے اور تصادم کی بجائے تعاون اور منفی مسابقت کی بجائے مثبت اور تعمیری مسابقت کا نظام قائم کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی معیشت ہے جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام اور اشتراکی معاشی نظام دونوں کی ضد ہے اور جو پورے معاشی مسئلہ کو اپنی بنیاد پر، اپنے طریقے سے، اپنے مزاج کے مطابق تیار کیے ہوئے انسانوں کے ذریعہ حل کرتی ہے۔ اس میں نہ سرمایہ داری کے لیے کوئی گنہگار ہے اور نہ اشتراکیت کے لیے۔ یہ دونوں سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل ہے۔

پھر اس میں یہ صلاحیت بھی ہے کہ صورتِ عام حالات جی میں نہیں، نہایت جگڑے ہوئے حالات میں بھی اپنے اصلاحی انقلاب کا آغاز کرے اور ایک خاص تدبیر سے حالات کو معمول پر لے آئے۔ ﴿۲۴﴾

مذکورہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "تجاربہ راہ سوشلزم" نیر بہاب نعیم صدیقی صاحب کا مضمون "اسلام کا مزانی نظریہ معیشت"۔ اسلام کے بنیادی معاشی اصولوں کے مطالعہ کے لیے دیکھئے: "نہات اشد صدیقی صاحب کا مضمون "اسلامی ریاست کی معاشی نظریات" مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے: "اسلام کا اقتصادی نظام" از حفصہ الرحمن سیوہادی۔ "اسلام کے معاشی نظریے" از یوسف العین احمد۔ "اسلامی معاشیات" از مولانا (۴)

اسلام اور سرمایہ داری

یہ نظام سرمایہ دارانہ معیشت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اس اختلاف کے چند پہلو یہ ہیں۔

۱۔ (الف) یہ ایک مکمل نظام تہذیب ہے، محض ایک معاشی نظام نہیں۔ جب کہ سرمایہ داری محض ایک معاشی نظام ہے۔

۲۔ (ب) یہ اخلاقی نقطہ نظر سے پوری زندگی بشمول معیشت کو سوار کرتا ہے۔ بلکہ پوری کا نقطہ نظر مادہ پرستانہ اور خالص منفعت پرستانہ ہے۔

۳۔ (ج) اس کا مقصد عدل کا قیام ہے، جب کہ سرمایہ داری کا مقصد ذاتی نفع کی تکثیر ہے۔

۴۔ (د) انجمن کا تصور ملکیت سرمایہ داری کے تصور سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

۵۔ (و) یہ منڈی کا نظام کو ضرور قائم کرتا ہے۔ لیکن اسے اخلاقی اصولوں، اور اجتماعی مصلحتوں کا پابند بناتا ہے۔

۶۔ (و) سرمایہ داری میں اصل اہمیت سرمایہ کی ہے، جب کہ اسلامی نظام معیشت

۷۔ مناظر احسن گیلانی۔ ”سود“ اور اسلام اور جدید معاشی نظریات“ از مولانا مودودی۔ ”معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل“ اور اسلام کا فلسفہ ملکیت“ از نعیم صدیقی۔ ”اسلام اور سود“ از ڈاکٹر انور اقبال قریشی، اسلام کا نظام محاسبات“ ترجمہ کتاب الخراج، از امام ابو یوسف، ترجمہ نہایت اشد صدیقی، ”معاشی نظام“ انگلریزی، از محمود احمد۔

میں مرکزی اہمیت انسان اور انسانی محنت اور اختراع کو حاصل ہے۔
یہ سرمایہ دارانہ ذہن کو مٹانے کے لیے سود کا جو سرمایہ داری کا بنیادی ستون
ہے، کلی خاتمہ کر دیتا ہے۔

د، تقسیم دولت میں اس کا اصول زیادہ سے زیادہ گردش اور پورے معاشرہ
میں دولت کی گردش ہے۔ جب کہ سرمایہ دارانہ نظام ارتکاز اور اس سے
روٹا ہونے والی سرمایہ کاری پر مبنی ہے۔

و، سرمایہ اور محنت اور انتظامیہ اور محنت کے باہم تعلق کے بارے میں بھی
دونوں کا نظریہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔

ز، سرمایہ داری اجتماعی کفالت (Social maintenance) کی کوئی
فرد داری منہیں لیتی جب کہ اسلام کے نظام کی یہ ایک بنیادی خصوصیت ہے۔

ح، جائز اور مناسب اجرت جس میں کفالت کے تقاضے بھی پورے ہوں اسلام
کا ایک بنیادی اصول ہے۔ سرمایہ داری کو اس سے کوئی تعلق منہیں۔ وہ
صرف رسد اور طلب (نظری طور پر) کے توازن کی قائل ہے، خواہ اس کے
نتیجہ میں منصفانہ اجرت روٹا ہو یا نہ ہو۔

ط، اسلام پیداوار، صرف تجارت اور نظام کے بارے میں مناسب حد بندی
کا قائل ہے جب کہ سرمایہ داری اس تصور سے خالی ہے۔

ق، غرض جس پہلو سے بھی غور کیا جائے ان دونوں میں بعد اشرقیں ہے۔
اسلام جس طرح اشتراکیت کی منہ ہے اور یہ ہم پہلے دیکھا چکے ہیں، اسی طرح
سرمایہ داری کی بھی منہ ہے یہ کسی کی بھی خوشہ چینی منہیں کرنا چاہتا۔ اس کا اپنا

مخصوص نظام ہے اور یہ اسی کو قائم کرنا چاہتا ہے۔

اسلام اور کلیت پسندی

اب صرف ایک سوال اور باقی رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ اسلام اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں کی ضد ہے۔ لیکن چونکہ وہ ایک نظریاتی ریاست قائم کرتا ہے اور معیشت پر ریاست کی نگرانی اور گرفت قائم کرتا ہے اور چونکہ اسلام کا نظام زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہے تو کیا اسلامی نظام میں بھی ایسی ہی کلیت پسندی (Totalitarianism) رونما نہیں ہوگی جو اشتراکیت میں ہے۔

ہمارے نگاہ میں ایسا نہیں ہوگا۔ اس کی بنیادی وجہ ہے کہ اشتراکیت میں صرف کلیت پسندی ہی نہیں، من مانی اور استبدادی کلیت پسندی (Arbitrary and despotic totalitarianism) ہے، اسلامی نظام بلاشبہ پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ لیکن نہ اس میں من مانی کرنے کی گنجائش ہے اور نہ وہ استبدادی ہے وہ فرد اور حکومت دونوں کو خدا کی وحی ہوئی شریعت کا پابند بناتا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرتا ہے جس میں سب کے حقوق محفوظ ہوں اور تمام افراد اور ادارے خالق کے بتائے ہوئے طریقے کے مطیع ہو جائیں۔ یہ نہ ہیں کبھی استبدادی نہیں ہو سکتا۔ اس میں آمریت کے لیے کبھی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اس میں حقوق کی پامالی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہ دراصل ایک پابند دستور و قانون نظام ہوگا اور ایک ہی قانون سکرانوں اور عام انسانوں پر لاگو ہوگا۔ تاریخ اس امر کا

بین ثبوت ہے کہ اسلام نے حقیقی آزادی اور سیاسی اور معاشرتی مساوات اور جمہوریت کے تقوید سے انسانیت کو روشناس کرایا اور ان اصولوں کو عملاً برت کر اور نافذ کر کے دکھا دیا۔

اسلام فرد کی شخصیت کا اثبات ہی نہیں کرتا، فرد کو معاشرہ میں ایک بنیادی اور مرکزی مقام دیتا ہے اور کسی ایسی چیز کو جائز نہیں سمجھتا جو اس کی شخصیت کو فنا کر دے۔ وہ بلاشبہ اجتماعی احساس پیدا کرتا ہے اور اپنے نظام زندگی کی حفاظت کی خاطر فرد کو اپنی جان تک قربان کرنے پر اکساتا ہے لیکن حکومت کو قانون شریعت سے ہٹ کر اور حق قانونی کے بغیر کسی فرد پر کسی قسم کا کوئی تصرف کرنے کا اختیار نہیں دیتا۔ یہ انبیائے کرام کا خاص طریق کا ہے اور اس کی بنا پر اسلام کی نظریاتی ریاست کبھی استبدادی کلیت پسندی کا شکار نہیں ہو سکتی۔

پھر اسلام نے انسان کے حقوق کو خدا کے حق کا درجہ دیا ہے۔ اس نے سیاسی، معاشرتی، معاشی اور انفرادی حقوق کا تصور اس وقت پیش کیا جب دنیا ان الفاظ سے بھی نا آشنا تھی۔ اس نے معاشرہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح پیدا کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں ہمیشہ افراد کو اختلاف کا موقع حاصل رہنا چاہیے تاکہ وہ برائیوں کو پھیلنے سے روکیں اور نیکیوں کا حکم دیں۔ یہ چیز آزادی کی بہترین ضمانت ہے اور اس حق شرعی سے کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔

اسلام میں حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔ معاشرہ میں کوئی

ایک گروہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس کی اجارہ داری قائم ہو جائے اور باقی تمام گروہ ختم کر دیتے جاتیں۔ مختلف گروہوں کا وجود آمریت کے خلاف بہترین ضمانت ہے۔

معیشت میں اسلام کی قومی ملکیت کے خلاف ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی ضرورت کی مناسبت سے کسی خاص صنعت یا معاشی دائرہ کو قومی ملکیت میں لیا جاسکتا ہے۔ لیکن معیشت کا عمومی نظام انفرادی ملکیت اور انفرادی آزادی پر مبنی ہوگا۔ روزگار کے تمام مواقع کو حکومت کے ہاتھوں میں دے کر اشتراکیت نے ایک نظام ظلم کو جنم دیا اور اس سے ایک ایسی ملکیت پسندی رونما ہوئی جس نے انسانیت کو پس ڈالا۔ اسلام میں اس کی کمی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان اور دوسری وجوہ کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ امر ضروری بالکل بے معنی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام بھی ملکیت پسندانہ ہوگا۔ اسلامی نظام ان خطرات سے دوچار نہیں ہوگا جو اشتراکیت کو لے ڈالے۔

ہم نے ان مصغرات میں اشتراکیت کا ایک بے لاگ جائزہ پیش کیا ہے۔ ہم نے پروپیگنڈے کی سطح سے بلند ہو کر خالص علمی انداز میں حقائق کا مطالعہ کیا ہے۔ حالات کا جائزہ لیا ہے اور اپنے حاصل غور و فکر کو ملک و ملت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ہم نے جن مآخذ سے اپنی معلومات کو اخذ کیا ہے وہ یا تو روسی یا غزہ ہیں، یا روس کے باہر کے چوٹی کے اشتراکی اہل قلم ہیں اور یا بلند پایہ مغربی محققین۔ ہم نے ہر بات کو دلیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور ہم اپنے ملک کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کو دعوت دیتے ہیں کہ ان حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور

پھر سوچ سمجھ کر بیٹے کریں کہ انہیں کونسا راستہ اختیار کرنا ہے۔ سوشلزم کا راستہ یا اسلام کا راستہ۔ اب سوشلزم ایک معرکہ نہیں ہے محض ایک انقلابی غرہ بھی نہیں ہے، یہ ایک نامعلوم دنیا کا خواب بھی نہیں ہے۔ اس تحریک کو کام کرتے جوتے سوا سو سال ہو گئے ہیں اور عمل کے میدان میں اترتے جوتے پہچاس سال بیت گئے ہیں۔ اب اس کے نظام کو پچھتم سر دیکھا جاسکتا ہے، محض شاعروں کے کلام میں اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر سلی بند باتیت سے لہجہ ہو کہ حقائق کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو تمام صورت حال سامنے آ جاتی ہے اور وہ چند الفاظ میں یہ ہے کہ ہماری منزلی آزمائش میں ناکام ہونے والی اشتراکیت نہیں، ہر آزمائش میں کامیاب ہونے والا اسلام ہے اور خدا کا باآخر غلبہ اسی دین حق کو حاصل ہونا ہے۔ جھوٹے خداؤں کا ظلم کچھ عرصہ تو چل رہا ہے لیکن ہمیشہ نہیں چل سکتا اور پھر جب مصائب موسیٰ بھی میدان میں ہوتے نظر فریب ظلم کب ختم ہو سکتے ہیں۔ آج اسلام ایک اجتماعی قوت کی حیثیت سے میدان کارزار میں قدم رکھ چکا ہے۔ کشمکش اور پکار بلاشبہ سخت اور جان گسل ہوگی لیکن کامیابی انشاء اللہ دینِ قیم ہی کو حاصل ہوگی۔ یہی فطرت کا تائید ہے، یہی عقل کا مطالبہ ہے اور یہی خدا کا وعدہ ہے۔

جاء الحق وذهب الباطل، ان الباطل کان زهونا۔

حق آگیا اور باطل میدان چھوڑ مہاگا۔ بے شک باطل ہے ہی دھوکہ
ہونے والا۔

Ours is a period of

- CRISIS and REVOLUTION
- RESTLESSNESS and ANGUISH
- ANXIETY and FRUSTRATION

The need for a clean, precise and logical exposition of the message and strategy of ISLAM was never as urgent and pressing as it is today

A. K. BROHI

The Renowned Scholar, Thinker Philosopher and the
Leading Advocate of our Country

fulfils the need of the hour

I S L A M

IN THE MODERN WORLD

a collection of selected addresses and speeches

Price: Rs. 10.00

Can be had from:

CHIRAGH-E-RAH PUBLICATIONS

Yousuf Manzil, Harmuzji Street,
KARACHI-I — (PAKISTAN)